Rs 2.00/- only

لِلّٰهِ كوترُ فاق كُلَّ مَدِينَةٍ فِي حُسْنِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَعُجَابِهٖ

وَلَقَدْ وَقَفْتُ وَرُفْقَتِي نَبْكِي عَلىٰ أَبْوَابِهٖ وَسُقُوفِهٖ وَقُبَابِهٖ

زبانِ عشق مے فہمی حدیثِ ناز میدانی
خطِ عفوِ گناہاں باد بسم اللہِ دیوانت

اے ناظرین اگرچہ بادی النظر میں یہ قصہ ایک فرضی افسانہ معلوم ہوگا۔ جس میں بیش بریں نیست کہ مصر عتیق کے چند مناظر اور آثارِ قدیمہ دکھلائے گئے ہیں لیکن اس میں آپ کو کلام نہ ہوگا کہ اس میں وہ عجیب وغریب مشاہدات ملیں گے جو آج تک کسی انسان کی نظر سے نہ گذرے ہونگے۔ اور نہ گذر سکیں گے *

مجھے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں اپنا تعلق اس کتاب سے ظاہر کردوں تاکہ یہ محض میرے خیالاتِ پریشان کا مجموعہ نہ سمجھا جائے۔ میری حیثیت اس میں ایک مترجم کی ہے۔ یا اگر آپ زیادہ سے زیادہ رعایت کریں تو مؤلف کہ دیجئے *

اِس کتاب کا مسودہ میرے ہاتھ کیونکر لگا۔ اس کا بھی ایک عجیب قصہ ہے میں ایک روز اتفاقاً بازار میں کھڑا ایک دوست سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ دو شخص کوٹ پتلون پہنے ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک شخص تو ایک ادھیڑ بدرُو سا تھا۔ جس پر کوٹ پتلون کسی طرح زیب نہ دیتے تھے۔

دوسرا ایک گورا چٹا - بلند و بالا نہایت خوب صُورت سجیلا جوان تھا - مردانہ حُسن جیسا کمال کے ساتھ میں نے اِس شخص میں دیکھا بلا مبالغہ یقین کیجئے گا - کہ شاید کسی دوسرے میں نظر نہ آئیگا - یا کم سے کم میری نظر سے تو نہیں گذرا - اس شخص کے بال چمکیلے سُنہری تھے - مگر آنکھیں سیاہ تھیں جو ایشائی مذاق حُسن کے موافق حسین کے لئے سونے پر سہاگہ سمجھا جاتا ہے - سچ جانئے کہ میں اس شخص کو دیکھ کر نقشِ حیرت بنا رہ گیا - اور بہت دیر تک دیکھتا رہا - میرے دوست سے شاید ان کو کچھ سابقہ معرفت تھی - سلیک سلیک کرتے ہوئے نکل گئے - حُسن یُوں ہی دلکش ہوتا ہے - اور اِنسان کو حسین کی طرف ایک اضطراری کشش ہونا ایک طبعی امر ہے - مجھ سے نہ رہا گیا اور ان سے اُن کی تعریف پوچھی - معلوم ہُوا کہ یہ دونوں صاحب مصر کے رہنے والے ہیں - اور یہاں بطریق سیاحت آئے ہُوئے ہیں - ایک ہوٹل میں ٹھیرے ہیں - اور ہفتہ عشرہ میں جانے والے ہیں - میں نے اُن سے ملنے کا شوق ظاہر کیا - اور اُنہوں نے ملا دینے کا وعدہ کیا مغرب کا وقت قریب تھا ہی - ہم نماز پڑھنے ایک مسجد میں گئے - اتفاق کی بات کہ وہ دونوں صاحب نماز میں شامل تھے - میری گذارش سے میرے دوست نے وہیں میری تقریب کر دی - اور یہ رواروی کی ملاقات دوسرے روز ملنے کے وعدہ پر ختم ہو گئی ؂

دوسرے روز علی الصباح میں ہوٹل جاکر اُن سے ملا - میں کچھ عرض نہیں کرسکتا کہ اُن دونوں صاحبوں کو میں نے کس قدر خلیق پایا ہے - اثناء گفتگو میں معلوم ہُوا کہ اُن کم رو حضرت کا نام **حنیف** تھا - اور دوسرے کا نام **امین** (فی الاصل یہ نام فرضی ہیں - اِن دونوں صاحبوں نے اپنے اصلی نام اور بتلائے ہیں - مگر چونکہ ان کے اخفا کی فرمایش ہے - اور مذکورہ ناموں سے وہ قصّہ بھر میں موسوم کئے گئے ہیں - اس لئے یہی نام بتلائے جاتے ہیں) امین نہایت کم گو شخص تھے - اور مطالعہ کے نہایت شوقین - حنیف کو میں نے ایک متبحر فاضل پایا - اور جس مضمون پر اُن سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہُوا - اُس میں اُن کا تبحر

ثابت ہوا۔ اُردو وہ بہت ہی کم بول سکتے تھے اور انگریزی جانتے نہ تھے۔ لہذا اُن کو فارسی اور فرنچ پر حصر کرنا پڑتا تھا۔ فرنچ تو میں جانتا نہیں۔ لیکن فارسی کی نسبت یہ کہ سکتا ہوں کہ اس میں وہ بہت بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ اور عربی میں بھی ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے ادیب تھے۔ چنانچہ لوح کے دو عربی شعروں سے ظاہر ہوگا + ان کا مذاق علمی دیکھ کر میں نے ان کی تقریب اپنے بعض ذی علم دوستوں سے بھی کرادی۔ مولوی سید ممتاز علی صاحب دیوبندی مالک مطبع رفاہ عام کی ملاقات سے وہ خصوصاً بے انتہا خوش ہوتے تھے۔ ہر روز بلا ناغہ اُن کے مطبع میں تشریف لاتے تھے۔ رات کے بارہ بجے تک احباب مخلص کا مجمع رہتا تھا اور عجیب لطائف و ظرائف بیان ہوتے تھے۔ مگر افسوس کہ یہ لطف کی ملاقاتیں چند ہی دنوں میں تمام ہوگئیں۔ روانگی سے ایک ہی روز قبل انہوں نے جانے کا قصد ظاہر کیا۔ ایسی صحبتیں کہاں ملتی ہیں؟ میں نے قصد کیا تھا کہ اُس روز ان کے رخصت کرنے تک میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ لیکن دوسرے روز صبح ہی کو اُن کا رقعہ میرے پاس پہنچا۔ جس کو میں بجنسہ ذیل میں نقل کرتا ہوں :-

خلیل کعبۂ محبت! قربانت شویم۔ تصمیم عزم کردہ بودیم کہ فردا انشاء اللہ رخت سفر بربندیم تا بہ یک سبب مخصوصے لازم شد کہ صبح زود براہ افتیم و تاسف اینکہ از جناب شما مرخص نشدیم ہمراہ بریم۔ و از خدائے بے ہمتا مسالت مے کنیم کہ ثانیاً بصحت و سلامتی جناب را زیارت کنیم کہ یار زندہ و صحبت باقی + بنا شدہ است کہ ہفتہ در دہلی اتراف کنیم۔ و ممکن کہ دو سہ روز در اجمیر شریف ہم توقف شود۔ و از انجا بمبئی رفتہ سوار دا پور شویم۔ برائے دیدن رونہاء بابل و از بابل بجانب ملک چین حرکت کنیم لیکن ؎

زقدرت ملکوتش یکے نشان آن است
کہ کارہا بہ خلافِ مُرادِ ما باشد

وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری بای ارض تموتُ

مصحوب حامل رقیمہ یک لفافہ دیگر ہم ابلاغ مے شود کہ تو سے آں مسودہ کتابیے
و یک پارچہ از چرم و یہ دیک انگشتری دستیاب جناب خواہد شد۔ البتہ موجب
تعجب خواہد شد کہ با ایں کہ در خدمت جناب بے تکلّف نشدہ بودیم باز ایں
تکلیف زیادہ مے دہیم۔ امّا زود مشاہدہ خواہند کرد کہ جزاء ایں تکلیف بایشاں
عاید شود۔ ہر چند پیشتر ارادہ کردہ بودیم کہ تا زندہ ایم ایں مسوّدہ را بچاپ ندہیم
لیکن بعد از مکالمہ کہ درمیان ما و سیّدی ممتاز علی رفت و دلائل دلنشیں کہ از
ایشاں شنیدیم یارائے انکار نماند۔ و ہم خیال کردیم کہ در حوادث سفر نمے دانم
کہ در کدام بیابان خاک شویم۔ و ایں ذخیرہ تجربات و مشاہدات ما ہم برباد رود۔ لاجرم
بمصداق آزردن دل دوستان جہل ست۔ و کفارہ یمین سہل۔ بعد مدّتے ایں خیال
را تغیر دادیم۔ اگرچہ اکنوں ہم درباب اظہار و اعلانش خجالت مے کشیم۔ و باخود
مے گوئیم کہ مردم ایں ہمہ عجائب را کہ ما معائنہ دیدہ فوق العادۃ پنداشتہ اعتبارے
نہ خواہند گرفت۔ و بہمیں جہت مے خواہم کہ نامہائے اصلی ما را بروز نہ دہند
تا عامہ بگمان غلط ما را مطعون نہ کنند ٭

ہر قدر کہ مے توانستیم دریں روزنامہ حالات را بہ ترتیب و وضاحت نوشتہ ایم
و در ہیچ باب ضرورت نمے بینیم کہ چیزے دیگر عرض بکنیم۔ لاسیما نسبت بہ عذرا
و تا حال حیرت آں طلسم کہ ما در خرابہاء کور دیدہ ایم نمے گذارد کہ حرف بزنیم یا چیزے
زیادہ بنویسیم۔ البتہ افسوس اینکہ ما از عذرا سوانح عمر ماضیش را نہ پرسیدیم۔
ہنوز باقی است و خواہد بود۔ می بایست کہ از اصل و نسب و مذہب او و از سبب
آمدن او بخرابہاء کور و غیر ذالک استطلاع و استفسارے کردیم۔ امّا چوں فرصت از
دست رفت۔ افسوس بے فائدہ است۔ ترصد کہ ایں اوراق را بہ خدمت
حضرت سیدی ممتاز علی بگذارند۔ و از ما عرض دارند کہ ایں غریب الوطن را
حسرت ترخیص باقی ماند۔ بہ تلافی ایں تقصیر ایں اوراق بشما مے سپاریم۔ اگر
شیوع ایں کتاب بہ سعی جناب انجام پذیرد۔ از ما مجاز ہستند کہ نقش ہرچہ باشد
در حیطۂ تصرف خود آرند۔ و گرنہ بشرائط مذکورہ شخص آخر را کہ بر قابلیت و رشادت

او اعتماد کلی باشد برائے ایں کار اختیار کنند ۔
پارچہ دبہ دخانم بعد از ملاحظہ و معائنہ بہ نشان نارتھ بروک ہوٹل دہلی
درہمیں ہفتہ ابلاغ دارند - والعاقبتہ بالخیر ؎
ما برفتیم و تو دانی دل آتش خور ما
بخت بد تا بکجا می برد آبش خور ما

اِس رقعہ کو دیکھ کر جیسا کچھ مجھے اُن سے رُخصت نہ ہونے کا افسوس ہُوا محتاج بیان نہیں ہے۔ غرض میں نے اپنے تمام کام ہرج کر کے اس مسودے کو دیکھا سخت تعجب ہُوا۔ اور زیادہ تر افسوس کہ کاش ان کے مواجہ میں بعض بعض مقامات کی تصریح کرالی جاتی۔ بہرحال میں نے اُس کپّی کے ٹکڑے کا فوٹو لیا اور مُہر کی باحتیاط تمام نقل لے کر دونوں کو تیسرے ہی روز دہلی واپس بھیج دیا ۔

میرا خیال تھا کہ اس مسودے کو اصل فارسی میں چھپوا دُوں۔ مگر مولوی ممتاز علی صاحب نے کہا کہ انگریزی مدرسوں میں جو فارسی کی دُرگت بن رہی ہے اُس کو دیکھتے یہ مناسب نہیں کہ ریزۂ جواہر اُن لوگوں کے ہاتھ میں دیا جائے۔ جن کو اس کی قدر نہیں۔ بہتر ہو کہ سلیس اُردو میں تم اس کا ترجمہ کر دو۔ میں نے سیّد صاحب کی اس رائے کو پسند کیا۔ اور اپنی استعداد کے موافق اس مسودۂ فارسی کا اُردو میں ترجمہ کر دیا۔ میں نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ جستہ جستہ مقامات پر مناسب نوٹ لکھوں۔ لیکن سیّد صاحب نے اس بات کو بھی بوجوہ منظور نہ کیا لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ بجز اس کے کہ میں نے نام تبدیل کر دئے ہیں۔ اور کوئی تصرّف اصل مسودہ میں (بجز ترجمہ کے) نہیں کیا ۔

اُمید ہے کہ بیان مفصلہ بالا سے ناظرین پر میری حیثیّت کی کافی توضیح ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مقامات پر مجھے اس قدر حیرت ہوئی کہ کہنا چاہیئے "وہ میں اپنی سٹی پٹی بھُول گیا"۔ ابتداءً تو خیال ہُوا کہ **حنیف** نے **عذرا** کو بطور استعارہ کے استعمال کر کے کچھ اور مقصد نکالنا چاہا ہے۔ مگر جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا یہ خیال بھی غلط ہوتا گیا۔ بہرحال جہاں تک میں نے غور کیا مجھے تو اس

میں کوئی شک نہیں رہ گیا۔ کہ اس قصہ کا ایک ایک حرف بالکل صحیح ہے۔ ناظرین اپنی اپنی جگہ غور و خوض کر کے جو کچھ مطلب اخذ کرلیں۔ اُس پر مجھے دسترس نہیں ؛

اس قصہ کو بغور پڑھنے سے ایک امر مجھے بہت ہی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ جس کو ظاہر کئے بغیر مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ ناظرین دیکھیں گے کہ امین کا تعلق اِس قصہ بھر میں بہت ہی بے غرضانہ رہا ہے۔ اور جہاں کہیں انہیں کچھ کہنے یا کرنے کا موقع ملا ہے وہ محض **حنیف** کی تحریک سے **عذرا** ء گو ایک نہایت دوربین عورت تھی۔ مگر آخر عورت تھی۔ برسوں بلکہ صدیوں وحشیوں میں اس کو ایسا حسین جوان نظر نہ پڑا تھا۔ علاوہ ازیں وہ خود کو قرطیس کی عاشق کہتی۔ اور امین شاید خاندانی اثر سے قرطیس کی صورت میں بہت ہی ملتے تھے۔ ان کو دیکھ کر اُس کے جذبات روکے نہ رُک سکے ہونگے۔ یا ممکن ہے کہ امین میں اُس نے خاص صفات پائے ہوں۔ اور اُمید رکھی ہو کہ ایک زمانہ میں یہ ہی صفات اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دنیاوی معراج پر پہنچائیں گے لیکن قرطیس اولے کی لاش ان تمام باتوں کو باطل کئے دیتی ہے۔ اس مختصر کے بعد میں ناظرین کو شہر کوور کے کھنڈرات میں **عذرا** ء کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ فقط

مؤلّف

باب اوّل

بلا گردانِ جولانت دلِ دیوانہ دارم
بپائے سیل پا اندازِ نازت خانہ دارم

کہتے ہیں کہ انسان کے دماغ کے اس حصّہ کی ساخت جو حافظہ سے تعلق رکھتا ہے کچھ ایسی رکھی گئی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے۔ اور گرد و پیش جو کچھ ہم محسوس کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی حِس سے ہو اُس کا نقش اُس آئینہ میں ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ نقش کہتے ہیں کہ مدّتوں بلکہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ مگر ہر وقت کے نئے اور پرانے محسوسات اُس نقش کو کچھ ایسا لگدکوب کرتے ہیں کہ آخر پہلے کو اپنا مُنہ چھپا لینا پڑتا ہے۔ یا یُوں کہو کہ پُرانا نئے کو سجادہ دے کر فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض وقت یہی نقش اس بلا کا پڑتا ہے کہ اس کو نئے نویلے محسوسات کتنے ہی کیوں نہ چھپانا چاہیں اُس کا اُبھار اپنے اصلی جوبن پر ہی رہتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت اُن واقعات کی ہے۔ جو میں بیان کروں گا۔ میں ہزار اُن کو بُھلا دینا چاہتا ہُوں۔ مگر خدا جانے کون میری آنکھوں کے سامنے اُن سب کو لا رکھتا ہے کہ چالیس برس کے واقعات یکے بعد دیگرے اِس طرح معلوم ہوتے ہیں کہ جِس طرح اسٹیج پر تھوڑی دیر میں برسوں کی سرگذشت کو دکھلا دیا جاتا ہے +

جاڑوں کی راتیں ستم۔ اس پر اولے پڑنا غضب۔ اُس پر تند ہوا اَور قیامت۔ کوچہ و بازار میں سناٹا ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اُمرا آتش دانوں

کے سامنے دنیا اور اہل دنیا کے حالات سے بے خبر بیٹھے ہُوئے ہیں۔ احباب کا جلسہ ہے یا خوشامدیوں کا مجمع۔ کشمیری شال اوڑھے ہوئے سُکڑے جاتے ہیں۔ اور سردی کی شکائتیں ہو رہی ہیں۔ بیچارے فلاکت زدہ غُربا ایک چادر اوڑھے ہوئے طبّاخ کی دکان پر بیٹھے کانپ رہے ہیں۔ پچھلی رات بھی سردی نے کونچیں دے دے کر جگائے رکھا ہے۔ دن بھر کی محنت سے بدن چُور ہے۔ وہ ظالم نیند جو مشہور ہے کہ سولی پر بھی آئے۔ اس وقت پھر ان کے گلے کا ہار ہو رہی ہے۔ غریب یاس و اُمید کی نظر سے طبّاخ کی صُورت دیکھ رہے ہیں کہ کہیں کل کی طرح آج بھی نہ دھتکار دے۔ میرا آخری امتحانِ فضیلت دو چار روز میں شروع ہونے والا تھا۔ میں اپنے حجرہ کا دروازہ بند کئے ہوئے کتاب دیکھ رہا تھا۔ کچھ تکان معلوم ہوئی تو کھڑا ہو گیا اور دو چار منٹ تک اُسی حجرہ کی چار دیواری میں ٹہلتا رہا۔ امتحان کا فکر بُرا ہوتا ہے اپنے نزدیک اتنا بھی وقت فضول ضائع کر کے افسوس کیا۔ سگریٹ سُلگانے کے خیال سے انگیٹھی پر سے دِیا سلائی اُٹھانے کو بڑھا کہ وہیں آئینہ میں اپنی صُورت دیکھ کر کچھ ایسا محو ہوا کہ دیاسلائی نے میری انگلی کو داغ دیا۔ اس کو پھینک کر دُوسری دِیاسلائی سے سگریٹ سُلگایا۔ اور پھر خدا جانے کتنی دیر اپنی صُورت کھڑا دیکھتا رہا۔ کب تک کھڑا رہتا۔ وہاں سے یہ کہتا ہُوا ہٹا کہ صُورت ظاہری سے تو ظاہر ہے کہ کوئی پاس بٹھانے کا بھی روادار نہ ہوگا۔ خدا اپنے فضل و کرم سے اگر حُسن باطنی ہی عطا کرے۔ تو سارا عیب چھپ جائیگا۔ ورنہ زندگی جیسی گذریگی ظاہر ہے*

ناظرین شاید خیال کرینگے کہ میں کسرِ نفسی کرتا ہوں۔ مگر نہیں۔ بلا تصنع اپنا حلیہ بیان کرنا گویا اپنے اُوپر آپ پھبتیاں اُڑانی ہیں۔ پچیس برس کی عمر میں اِنسان میں گو گونہ قباحت سے ہی ہو۔ لیکن قدرت کاملہ کی طرف سے ایک طرح کی دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں اس کا سایہ بھی نہ پڑا تھا۔ میرا حلیہ ملاحظہ کیجئے۔ موٹا ہوں پستہ قد ہُوں۔ تمام جسم پر بال ہیں۔ چھوٹا سر ہے۔ بالوں کی زیادتی سے صرف تین اُنگل ماتھا کھُلا ہُوا ہے۔ اُبھری ہوئی بڑی بڑی آنکھیں چپٹی ناک کسی قدر آگے کو جھُکی ہوئی۔ پچکے ہوئے کلّے۔ گھنی ڈاڑھی۔ یہ چہرہ کی قطع ہے۔ اس پر رنگ مصریوں میں بھی سانولا۔ فربہ

د کوتاہ گردن۔ لمبے لمبے ہاتھ کہ کھڑے ہونے سے گھٹنوں کے قریب تک پہنچتے ہیں۔ اس پہ تمام حُسن میری چھوٹی چھوٹی ٹانگوں پر ختم ہوتا ہے جو اس قدموزوں کے بارے کسی قدر خمیدہ ہوگئی ہیں۔ غرض یہ حُلیہ ہے اس حنیف کا جس کے پہلو بہ پہلو آپ کو بجبر داکراہ اس قصّہ کے دوران میں بیٹھنا پڑیگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں جامع ازہر کے تمام طلبا میں سب سے زیادہ قوی اور ذہین سمجھا جاتا تھا۔ میں اُن دنوں میں منقول کی فضیلت پا چکا تھا اور معقول میں آخری امتحان دینے والا تھا۔ ریاضی دطبعیات میں جامع بھر میں ضرب المثل تھا۔ لاطینی اور فرنچ اوسط درجہ کی جانتا تھا۔ یونانی اور عبرانی بھی سیکھ چکا تھا۔ ترکی اور فارسی اچھی طرح بول لیتا تھا۔ عربی تو میری مادری زبان ہی ہے جس زمانہ میں مَیں نے تاریخ عالم میں امتحان دیا ہے۔ تو پُرانے مصری کتبہ پڑھنے کی مہارت کی تھی۔ گو اب کسی قدر بھُول گیا ہُونگا۔ یہ سب کچھ تھا مگر میری ظاہری صُورت نے میرے تمام ہنروں پر خاک ڈال رکھی تھی۔ جامع کا کوئی طالب علم بھی چھوٹی جماعت کا ہو یا بڑی کا۔ میرے پاس آنے کا روادار نہ تھا۔ شاید کوئی اِکّادُکّا اپنی غرض کو جی کڑا کر کے کبھی میرے پاس آجاتا ہو لیکن اتنا بھی کبھی مقدر نہ ہؤا کہ کوئی طالب علم سیر ہی کے بہانہ میرا ساتھ دے۔ طالب علموں نے میرا نام مشہور رکھ چھوڑا تھا۔ پُرانے طلبا نئے طالب علموں کو دُور سے مجھے دکھلایا کرتے تھے۔ ایک طالب علم کو تو میں نے اپنے کان سے یہ کہتے سُنا ہے کہ "ھذا شئے عُجابٌ" اِس حالت میں کہ نہ میرا کوئی یار تھا نہ مددگار۔ اور میں اپنے حجرہ میں زندہ درگور رہتا تھا۔ ایک صاحب البتہ میرے اُوپر عنایت کرنے لگے تھے۔ وُہ بھی طالب علم تھے۔ اور اکثر مخلصانہ میرے پاس آجایا کرتے تھے۔ یہی وہ حضرت ہیں جو کہنا چاہئے کہ اس قصّہ کے اصل اصول ہیں +

بازار میں اگر ضرورتاً کبھی میں نکل جاتا تو اُنگلیاں اُٹھا کرتی تھیں عجیب مصیبت تو یہ تھی کہ عورتیں چھیڑتی تھیں۔ پھبتیاں اُڑاتی تھیں۔ بناتی تھیں۔ اور یہاں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ غُصّہ تو بہت آتا تھا۔ لیکن کیا کرتا؟ خُودکشی کر لیتا؟ خدا جانے تمام دُنیا کی اُمرازادیاں شوخ ہوتی ہیں یا کچھ حضرت زلیخا کے اثر سے مصر میں ہی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے بالکل میرا ناک میں دم کو رکھا تھا۔ سب مجھے

دیکھتے ہی ان کو ہنس دینا۔ دو چار اُلٹی سیدھی باتیں کہ دینی فرض تھا۔ ایسا تو شاید کبھی ہوا ہو کہ کسی نے گاڑی یا تچر پر سے دیکھتے ہی عجیب الخلقت نہ کہہ دیا ہو۔ اس فرقہ سے مجھے چھپتے جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ اس صُورت پر میں ایک مرتبہ ایک ماہوش پر مائل بھی ہو چکا ہوں! اُن سے میرا دُور کا رشتہ بھی تھا۔ مدتوں تو ان کے خیال میں یُں گھلتا رہا۔ آخر کار نکاح کا پیغام دیا۔ اُن کے ولیوں نے تو ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ انہوں نے مجھے بلایا۔ میں نے سمجھا کہ بھاگ کھلے۔ پہنچا۔ وہ اپنے کمرہ میں لے گئیں۔ اور بے حجاب میرے ساتھ ایک قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر ایک قہقہہ لگایا اور فرمانے لگیں کہ "ذرا اپنی صورت تو دیکھو اس چونچ پر پیغام نکاح کا حوصلہ ہے! میں اور تُم دونوں کھڑے ہیں۔ ذرا غور کر کے دیکھو اور بتلاؤ کہ اگر میں حسین ہوں تو تم کون ہو؟ بس مُنہ دھو رکھو چاند اپنی چلتے تو کبھی گوارا نہ کریگا کہ اس کو گہن لگے" اگرچہ یہ زخم مدتوں آلا رہا۔ لیکن آیندہ کے واسطے توبہ کرلی ؎

جمع است زماہ رویاں نظرم من آئینہ دارِ آفتابِ دگرم

قصۂ مختصر میں نے پھر پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ کسی نے میرے دروازہ پر دستک دی۔ طالبعلمی اور اُس پر امتحان سر پر سخت ناگوار ہوا۔ اور خاموش ہو رہا۔ اتنے میں رات کے بارہ بجے۔ پھر دستک کی آواز آئی۔ میں نے پھر ٹال دینا چاہا۔ باہر سے کھانسنے کی آواز آئی۔ میں آواز پہچانتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھول دیا۔ پہلے میں نے سمجھا تھا کہ کوئی خود مطلب طالب علم ہوگا۔ مگر نہیں۔ کھانسی کی آواز سے میں نے سمجھا کہ وہی میرے دوست ہیں جو مجھ سے خلوص کے ساتھ بے غرضانہ ملتے تھے +

جتنا میں بدصُورت ہُوں اُتنے ہی یہ خوب صورت تھے اُن کی کوئی تیس برس کی عمر ہوگی بیچارے سِل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ اور مجھ سے کوئی برس روز پہلے آ کر جامع میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں تک مجھے اُن سے گفتگو کا موقعہ ملا تھا وہ یہودی معلوم ہوتے تھے +

اُن کے ہاتھ میں ایک آہنی صندوقچہ تھا۔ غریب ضعف کی وجہ سے اس کا

بوجھ بھی بمشکل سنبھال سکتے تھے۔ میرے دروازہ کھولتے ہی انہوں نے وہ صندوقچہ میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اور وہیں فرش پر تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ ابھی تک اُن کا سانس بھی ٹھیک نہ ہُوا تھا کہ پھر کھانسی اُٹھی۔ اور انہوں نے خون تھوکا میں نے جلدی جلدی کر کے قہوہ تیار کیا۔ دو پیالیاں پی کر اُن کو کچھ ہوش آیا۔ اور سب سے پہلے انہوں نے سوال کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ سردی میرے لئے قاتل ہے۔ اس پر آپ نے آدھی رات کو مجھے اتنی دیر کیوں کھڑا رکھا؟"

میں۔"معاف کیجئیگا۔ میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ آپ ہونگے۔ ایسے ناوقت آنے کا آپ کو کبھی اتفاق بھی نہ ہُوا تھا"

دوست (مُسکراکر)"اور یقیناً یہ آخری موقعہ ہے۔ اب اس کے بعد ہماری ملاقات کہیں اَور ہی ہوگی۔ سچ جانئے کہ میرا خاتمہ ہو چکا۔ ممکن نہیں کہ میں کل تک زندہ رہوں"

میں۔"آپ اِس قدر گھبراتے کیوں ہیں۔ دیکھئے میں ابھی کسی طبیب کو بُلاتا ہُوں" یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا

دوست (مجھے بٹھلاکر)"نہیں آپ اس کا فکر نہ کیجئے۔ میں خود طب پڑھ چکا ہُوں۔ اور اپنی حالت خود اچھی طرح تشخیص کرتا ہوں۔ اب کوشش لاحاصل ہے فرصت بہت کم ہے۔ جس غرض سے میں آیا ہوں وہ ذرا غور سے سُن لیجئے۔ یہ میری آخری وصیّت ہے۔ اور شاید مجھے اس کے اعادہ کرنے کی مہلت نہ ملے۔ میری اور آپ کی ملاقات کو کوئی دو برس ہو گئے۔ آپ کو میرے کیا کیا حالات معلوم ہیں؟"

میں۔"صرف اِسی قدر کہ آپ نے ایسی عمر میں عربی پڑھنے کا شوق کیا ہے کہ جب لوگ پڑھنا چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ خدا آپ کے ارادوں میں برکت دے۔ ظاہر حال آپ امیر بھی ہیں۔ آپ نے شادی بھی کی تھی مگر بیوی مر چکی ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ دُنیا بھر میں آپ ہی ایک میرے مخلص دوست ہیں"

دوست۔"آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میرا ایک پانچ برس کا لڑکا بھی ہے۔ اُس نے اپنے بدلہ میں اپنی ماں کی جان لی ہے۔ اسی وجہ سے مجھے اس سے سخت نفرت ہے

اور آج تک میں نے اُس کی صُورت بھی نہیں دیکھی۔ بس اب آپ سے صرف اسی قدر کام ہے کہ اس بچّے کو آپ اپنی ولایت میں لے لیں "۔

میں (سخت متعجب ہو کر) "میں"!

دوست۔ "جی ہاں آپ۔ میں نے دو برس ضائع نہیں کئے۔ آپکا تجسّس کرتا رہا ہوں۔ آپ سے بہتر مجھے کوئی آدمی نظر نہیں آتا کہ جس کو وہ بچّہ اور یہ صندوقچہ سپرد کروں۔ اب میں گور کنارے بیٹھا ہوں۔ خدا کے لئے اِنکار نہ کرنا کہ دوسرے شخص کی تلاش کی مجھے مہلت نہیں ہے۔ اب سُنئے کہ یہ بچّہ چند روز میں آپ کی سرپرستی میں آئیگا۔ دُنیا بھر کی قدیم نسلوں میں سے ایک کا جانشین ہے۔ شاید بادی النظر میں آپ کو یہ غلط معلوم ہو۔ لیکن ایک روز اس میں آپ کو شبہ بھی نہ رہیگا کہ میرا مورث اعلےٰ (چھیاسٹھویں پُشت میں) کیلکریٹیس[۱]۔ فرعون مصر کا مذہبی مقتدا اور یونانی الاصل تھا۔ اس کا باپ غالباً وہی کیلکریٹیس ہے جس کا ذکر ہیروڈوٹس نے اپنے سفرنامہ[۲] میں کیا ہے۔ اور جس کو انتیسویں فرعون نے انتہاء عروج پر پہنچا دیا تھا۔ قریب زمانہ تباہی فراعنہ (کیا عجب ہے کہ ۳۳۹ سال قبل از مسیح) میں مقدم الذکر قرطیس نے تمام مذہبی معابید و

---

[۱] کیلی کرٹیس کے معنی ہیں وہ حسین جو قوی بازو ہو۔ میں آیندہ اس نام کو مختصر اور معرب کر کے قرطیس کہوں گا۔ حنیف

[۲] جس قرطیس کا تذکرہ میرے دوست نے کیا ہے۔ اس کا حال ہیروڈوٹس نے یوں لکھا ہے۔ (سفرنامہ ہیروڈوٹس۔ جلد ۹ صفحہ ۷۲ مطبوعہ لندن) یہ شخص نی الاصل سپارٹا کا رہنے والا تھا۔ اور اپنے حسن مردانہ میں شہرہ آفاق تھا۔ اور ۲۲ ستمبر ۴۷۹ء قبل از مسیح میں مشہور جنگ پلی ٹائی میں مارا گیا۔ اسی جنگ میں یونانی بادشاہ پاسانیاس نے ایرانیوں کو شکست دی تھی اور تین لاکھ سے اوپر ایرانیوں کو قتل کیا تھا قرطیس کی موت دوران جنگ میں واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے اُس نے فوج مخالف کا ایک تیر کھایا اور بہزار حسرت جان دی۔ نزع کے وقت اس نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا کہ مجھے اپنے مرنے کا رنج نہیں ہے بلکہ حسرت اس کی ہے کہ میں تلوار بھی میان سے نہ نکال سکا۔ بادشاہ کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ جنگ میں میرا انتقام لینا نہ بھول جائے۔ کہا جاتا ہے کہ تین لاکھ ایرانی اسی کے بدلے میں مارے گئے۔"

مواثیق کے خلاف یہ حرکت کی کہ ایک شاہزادی کو جو اُس پہ عاشق تھی - افریقہ کی طرف لے اُڑا - مگر اس موقعہ تک پہنچنے پایا تھا جہاں آجکل خلیج ڈیلوگا واقع ہے کہ اس کا جہاز تباہ ہو گیا - لیکن خدا کی قدرت کہ تمام ہمراہی تو ڈوب گئے - لیکن یہ کسی طرح بچ رہے - اور ڈوبتے تیرتے کنارہ جا لگے - اور شدہ شدہ وحشی افریقیوں کی ایک ملکہ کے ہاتھ لگ گئے - یہ ملکہ نہایت حسین گورے رنگ کی عورت تھی - اس نے میرے مورث اعلےٰ کو مار ڈالا - مفصّل حالات بشرط زندگی آپ کو ان چیزوں سے معلوم ہونگے جو اس صندوقچہ میں ہیں - میرے اس مورث کے ایک لڑکا بھی ہو چکا تھا - مصیبت زدہ عورت اس بچے کو گود میں دبا کر کسی طرح وہاں سے نکل آئی اور ایتھنز (دارالسلطنت یونان) میں پہنچ گئی - اس لڑکے کا نام ماں نے ٹستھینس یعنی منتقم رکھا - پانچ سو برس بعد ہمارا خاندان رومتہ الکبریٰ کو چلا گیا - اس ترک وطن کی مجھے وجہ نہیں معلوم ہوئی - پانچ سو برس یہاں رہ کر میرے ایک مورث نے شارلیمین شاہ فرانس کی ملازمت کر لی - اسی تقریب سے ہمارا خاندان وہاں منتقل ہو گیا - اور وہاں سے انگلستان - اب میرے پردادا پھر یونان میں ہی آ بسے تھے - یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے خاندان پہ ابتدا سے لے کر آج تک کبھی فلاکت نہیں آئی - اور ہر جگہ اور ہر وقت نہایت معزز و موقر رہا ہے - اور نیز یہ کہ دو ہزار برس سے برابر ہر شخص وحشیوں کی ملکہ سے انتقام لینے کی فکر میں غلطان و پیچان رہا ہے ۱۷۹۰ء مسیحی میں میرے دادا نے تجارت سے بڑا نفع اُٹھایا ۱۸۲۱ء میں جب انہوں نے انتقال کیا تو والد نے بھی وہی پیشہ اختیار کیا - دس برس والد کے انتقال کو ہو گئے - مجھے روپیہ ورثہ میں اس قدر ملا تھا کہ اگر میں فضول خرچ بھی ہوتا تو میری عمر کے لئے کافی تھا - میں نے کمانے کا کچھ فکر نہ کیا - اور اسی انتقام کی فکر میں سفر کیا - لیکن افسوس ہے کہ انجام اچھا نہ ہوا - جہاز تباہ ہو گیا - اور میں خدا خدا کر کے بیک بینی و دو گوش واپس آ گیا - اور ایتھنز میں شادی کر لی - میری بیوی شہر بھر میں حسن کے لحاظ سے ضرب المثل تھی لیکن عمر نے وفا نہ کی اور سال ہی بھر کے بعد اس بچہ کی پیدائش کے وقت بیچاری ناشاد و نامراد چل بسی -

اِسی صدمہ نے مجھے اِن پہاڑوں کو پہنچا دیا۔ لیکن اس پر بھی اُس انتقام کا خیال دل سے نہیں نکلا ہے۔ لیکن افسوس کہ اب مہلت نہیں۔ موت تقاضا کر رہی ہے۔ اور میں پا در رکاب بیٹھا ہُوں +

غرض میری شادی نے چند روز کے لئے میرے خیال میں ایک طرح کی بدلی پیدا کر دی تھی۔ اب تو موقعہ ہی نہیں رہا۔ وقت ہی جاتا رہا۔ بیوی کے مرنے کے بعد پھر مجھے خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن میں نے کچھ اپنے تجربہ سے اور کچھ (صندوقچہ کی طرف اشارہ کرکے) اس سے یہ معلوم کیا تھا۔ کہ اس کام میں عربی دانی شرط ہے۔ چنانچہ اسی تقریب سے میں نے یہاں آکر عربی زبان سیکھنی شروع کی۔ ہائے پیغام اجل آپہنچا۔ اب تمام دنیوی خرخشوں کا خاتمہ ہے"!

اس کے بعد اُن کو پھر کھانسی کا دورہ ہوا۔ خون تھوکا اور کچھ مضمحل ہو گئے۔ میں نے پھر قہوہ پلایا۔ وہ سستا کر پھر کہنے لگے کہ "میں نے اس بچہ کو چند ہفتوں کا چھوڑا تھا پھر اُس کی طرف نظر کرنا مجھے گوارا ہی نہ ہوا۔ لیکن سُنا ہے کہ خاندانی اثر سے وہ نہایت خوبصورت اور ذہین بچہ ہے (ایک بند لفافہ دے کر) اس میں مَیں نے اس کی تعلیم کا نصاب لکھ دیا ہے۔ اور میں چاہتا ہُوں کہ اسی طریقہ پر اُس کی تعلیم ہو۔ بادی النظر میں یہ آپ کو عجیب سا معلوم ہوگا۔ لیکن خاندانی ضرورتوں کے لئے لابُد ہے۔ اور سوائے آپ کے اور کسی پر بظاہر اتنا اطمینان نہیں ہے کہ اس کی ولایت وکفالت کریگا۔ ایک مرتبہ پھر کہئے کہ آپ اس کو منظور کرتے ہیں؟"

میں۔"میں ابھی تک پوری طرح بھی نہیں سمجھا کہ مجھ سے کیا منظور کرایا جاتا ہے"؟

دوست۔"مفصّل سُنئے۔ اس بچہ کی پچیسویں سالگرہ تک ولایت۔ اس کی تعلیم کی کفالت۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی مدرسہ یا مکتب میں نہ بھیجا جائے۔ اُس کی پچیسویں سالگرہ کے روز آپ کی ولایت ختم ہو جائیگی۔ اس روز آپ (ایک کنجی دے کر) اس کنجی سے اس صندوقچہ کو کھولئے۔ اور لڑکے کو جو کچھ اس میں ہے دکھلا دیجئے اور تحریرات کو پڑھا دیجئے (عام اس سے کہ وہ تحریرات کسی چیز پر ہوں) اور پھر اس سے دریافت کیجئے کہ آیا وہ اُن کی تعمیل کرنا چاہتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس پر

کوئی جبر تو ہوگا ہی نہیں اب رہا آپ کے احسان کا معاوضہ۔ میری موجودہ آمدنی دو ہزار دو سَو روپیہ سالانہ کی ہے۔ اس میں سے نصف میں اپنے وصیّت نامہ میں آپ کے نام لکھ چکا ہوں۔ یعنی ایک ہزار تو محض آپ کا محنتانہ یا معاوضہ ہے۔ اور سَو روپیہ ماہوار بچّہ کی رکھ رکھاؤ۔ اور تعلیم کا خرچ۔ باقی گیارہ سَو روپیہ سالانہ پچیسویں سالگرہ تک جمع ہوتا رہیگا۔ تاکہ اگر وہ اس کام کو کرنا چاہے۔ تو اُس کے لئے کافی خرچ ہو۔ بس صرف اِسی قدر ؛؛

میں ؛؛ لیکن فرض کیجئے کہ میں اس اثناء میں مر ہی جاؤں ؟؛

دوست ؛؛ اس صورت میں اُس بچہ کی پرورش۔ آپ کے پاس مصر میں ہو یا یونان میں سلطنت کے ذمہ ہے۔ میں یہ کل مراتب اپنے وصیّت نامہ میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن ہاں یہ آپ کے ذمہ ہے کہ آپ اپنے وصیّت نامہ کے رو سے یہ صندوقچہ یُوں ہی مقفل اس لڑکے تک پہنچا دیجئے۔ دیکھئے آپ اِنکار نہ کیجئیگا۔ آپ کا بھی اس میں مفاد ہے (مسکرا کر) یقین کیجئے کہ آپ دُنیا اور اہل دُنیا کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے کہیں شادی بھی کر لی تو آپ کی زندگی اَور بھی تلخ گزریگی۔ معاف کیجئیگا۔ میں ذرا بے تکلف ہوتا جاتا ہوں۔ آپ کی صُورت کو دیکھ کر کوئی عورت آپ کے ہم پہلو ہونا گوارا نہ کریگی۔ آپ کو ہمیشہ ایک طرح شرمندگی اُٹھانی پڑیگی۔ بیوی آپ کے حسب دلخواہ نہ ہوگی۔ آپ کو اپنے مذاق علمی کا مزہ بھی نہ آنے دے گی۔ بس بہتر تدبیر یہی ہے کہ آپ اس طرح اپنا جی بہلائیں کہ اس بچّہ کو اپنا بچہ سمجھیں؛؛ وہ پھر جواب کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن سچ کہوں مجھے ان تجاویز اور گونہ دور از کار باتوں پر ایسا تعجب آرہا تھا۔ کہ کچھ کہتے نہ بن پڑتا تھا۔ وہ کچھ انتظار کرکے کسی قدر مایوس سے ہوگئے ✤

دوست ؛؛ دیکھنا عنیف ! اِنکار کی گنجائش نہیں ہے۔ میری خاطر سے اور خدا کے واسطے اس کو منظور کرلو۔ مگر دل کے ساتھ ؛؛

میں ؛؛ اچھا خیر۔ توکلتُ علی اللہ یوں ہی سہی۔ میں منظور کرتا ہوں مگر اس شرط پر کہ (لفافہ دکھلا کر) اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو کہ مجھے پچھتانا پڑے ؛؛

دوست "خدا آپ کو جزاء خیر دے۔ بس اب میں اطمینان سے جان دُونگا۔ یہ آپ یقین کیجئے کہ اس لفافہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا آپ کو خطرہ ہو۔ لیکن آپ مزید اطمینان کے لئے قسم کھائیے"

میں نے قسم کھائی اور ان کے بشرہ سے اطمینان ظاہر ہوا +

دوست "بس اب مجھے کامل اطمینان ہوا۔ پر یہ یاد رکھنا کہ اگر تم اپنی قسم میں حانث ہوئے تو کسی روز میں تم سے رو در رو۔ ایک بڑے حاکم کے سامنے اس کا جواب مانگونگا۔ کیونکہ گو میں مر جاؤں۔ اور بھولا بسرا ہو جاؤں۔ لیکن پھر ایک زندگی ملنے والی ہے اور وہی حقیقی اور سچی زندگی ہوگی۔ اور اسی زندگی میں اس عارضی زندگی یا خواب پریشاں کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ سچ جانئے کہ موت کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک خاص قسم کی قید بامشقت کا نام انسانوں نے زندگی رکھ لیا ہے۔ اور وطن اصلی کی طرف رُوح کے انتقال کا نام موت۔ آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ انسان اپنی عقلمندی یا حماقت سے اس قید بامشقت کی میعاد صدیوں تک بڑھا سکتا ہے لیکن تابکے؟"

یہ الفاظ کچھ ایسے جوش کے ساتھ نکلے تھے کہ (گویا) ان کی تائید کھانسی نے کی اور جذبات کے رنگ کی خون نے چغلی کھائی۔ لیکن اس وقت میں آخری فقروں کو قطعی نہیں سمجھا تھا۔ اور نہ ناظرین سمجھے ہونگے۔ مگر حالت کچھ ایسی تھی کہ مجھے دریافت کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی +

دوست (کھڑے ہو کر) "لیجئے۔ خدا حافظ اب میں قیامت تک کے لئے آپ سے رُخصت ہوتا ہوں۔ یہ صندوقچہ تو آپ کے پاس ہے ہی۔ میرے وصیّت نامہ کا ایک مثنیٰ میرے مکان پر میرے کاغذات میں کہیں پڑا ملیگا۔ اسی سے آپ کا اس بچّہ کا دعوٰے کر سکتے ہیں۔ آپ کی دیانتداری میں مجھے تو کلام ہے نہیں۔ لیکن یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ذرا بھی خلاف کیا تو میدان حشر میں آپ کا دامن۔ اور میرا ہاتھ ہوگا"

میں "آپ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ تماشا تو یہ ہے کہ آپ نے بچّہ کا نام نہ بتلایا"

دوست "اس کا نام —— اچھا —— امین —— اس کا نام ہے"

اس میں ان کی نظر کہیں آئینہ پر پڑ گئی۔ اُٹھا کر دیکھا اور رکھ دیا +

دوست" - یہ جسم جس کو میں نے کن کن نازوں سے پالا ہے - چند ہی گھنٹوں میں سرد اور سخت ہو گا - اور صبح تک حشرات الارض کی خوراک بن جائیگا - آج سفر کا آخری مقام ہے اور کھیل تماشے کا اختتام - بھائی یہ زندگی کسی طرح اس قابل نہیں ہے کہ جینے کے لئے آدمی یہ تمام کوفت اٹھائے - کم سے کم میری زندگی تو اس قابل نہیں رہی - ہاں البتہ ایک صورت میں ضرور زندگی کا لطف آتا ہے - یعنی بحالت عشق - اور وہ بھی ہجر و انتظار میں نہ وصل و وصال میں - خدا کرے کہ ابن کی زندگی ایسی گزرے کہ اس کو میری طرح پچھتانا نہ پڑے - لو خدا حافظ!"

میں مبہوت بے حس و حرکت کھڑا تھا - وہ مجھے اپنی طرف بڑھتا نہ دیکھ کر خود بڑھے اور بغلگیر ہو کر چلدئے - وہ کوئی سو قدم گئے ہونگے کہ مجھے کچھ خیال آیا - دوڑا اور ان سے کہا کہ مجھے آپ کی باتوں سے شبہ ہوتا ہے - ایسا نہ ہو کہیں آپ"

دوست" توبہ کیجئے - یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں خدا کی مشیت کا انتظار نہ کرکے اپنی بھونڈی صنعت سے کام لے کر مروں - جائیے - آپ اطمینان رکھئے - اور مجھے اور اپنے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھئے"

میں خاموش واپس چلا آیا - اور امتحان کو بھول کر وہیں فرش پر بیٹھ گیا - خیالات کا تلاطم ہوا - اور طرح طرح کی باتیں اُمنڈ اُمنڈ کر دل میں آنے لگیں - اور عجیب عجیب سوالات طبیعت نے پیدا کئے - یہ حضرت کہیں نشہ کی ترنگ میں تو نہ تھے؟ نہیں آجتک تو کبھی ایسا شبہ ان پر نہیں ہوا - بیماری نے کہیں دماغ کو تو نہیں بگاڑ دیا؟ سِل کو دماغ سے کوئی تعلق نہیں - بلکہ اس کا مریض تو جان توڑنے تک کامل ہوش میں رہتا ہے - صحت کی مایوسی نے تو یہ باتیں نہیں کہلوائی ہیں؟ یہ حالت بھی معلوم نہیں ہوتی - خاصے چلتے پھرتے ہیں - صندوقچہ کا بوجھ اٹھا کر لائے ہیں - اور کیا چاہیئے مجھے تو ساری بناوٹ ہی معلوم ہوتی ہے - مگر اس کی ضرورت ہی کون تھی؟ عجیب معاملہ ہے کہ ایک شخص کے لڑکا ہو اور وہ اس کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے لطف یہ ہے کہ ایک شخص اپنی موت کی نہایت تیقن کے ساتھ پیشینگوئی کر رہا ہو وہی اپنی نسل کو بائیس تیئیس ۲۳ صدیاں گذر جانے پر بھی صاف و بے لوث کہتا ہے -

حیرت یہ کہ وہی شخص اپنے چند روزہ واقف کے لئے اپنا نصف ترکہ ہبہ کر دے
ساری باتیں ناممکن ہیں "۔
اپنے نزدیک تمام باتوں کو ناممکن قرار دے کر مجھے کچھ اطمینان ہؤا اور نیند
آگئی - اپنے اندازہ میں بہت تھوڑا سویا تھا - کہ کسی کی آواز سے آنکھ کھلی - دیکھا تو
کوئی آٹھ بج چکے ہونگے - دھوپ پھیلی ہوئی ہے - اور میرے اسی دوست کا آدمی
زرد و سوگوار دروازہ پر کھڑا ہے - رات کی باتیں ابھی ذہن میں تھیں - گھبرا کر پوچھا
کہ خیریت تو ہے - معلوم ہؤا کہ اس دوست نے انتقال کیا اور جنازہ کے لئے میرا
انتظار ہے - اللہ بس باقی ہوس +

باب دوم

من و طفلے کہ شوخیہا بود گہوارۂ خوابش
نگنجد در کنارِ ہر دو عالم حسن بے تابش

اِن حضرات کی دفعتاً موت سے جامع بھر میں ایک حیرت و افسوس تھا - ہر
شخص تجہیز و تکفین کی فکر میں تھا - لیکن مجھے ایک اور دقت پیش آئی کہ مجھے اُن
کے خیالات مذہبی کا پوری طرح علم نہ تھا - میں اپنے نزدیک یہ سمجھا تھا کہ وہ یہودی
ہیں - لیکن یہ قیاس ہی قیاس تھا - ممکن ہے کہ عیسائی ہوں یا شاید مسلمان بہر
حال میں فکر میں تھا - کہ تجہیز و تکفین کس طریقہ پر ہونی چاہیئے - غنیمت ہؤا کہ اس
کے اظہار کی نوبت نہ آئی تھی کہ میرے سوچتے ہی سوچتے لوگوں نے مُسلمانوں کی
طرح جنازہ تیار کر لیا - میں نے بھی خاموش نماز پڑھ لی - اور ظہر کے وقت تک
دفن سے فراغت ہوگئی - وہاں سے میں سیدھا اپنے حجرہ میں آیا اور کھانا کھا کر اُن

واقعات پر غور کرنے لگا۔ جن باتوں کو میں رات اپنے نزدیک ناممکن قرار دے چکا تھا۔ اب وہ واقعی ہوتی نظر آتی تھیں۔ رات کو چونکہ اچھی طرح نہ سو سکا تھا اس وقت نیند نے اس گہرے دریا سے نکال کر ایک اور دنیا میں پہنچا دیا۔ وہ دن تو خیر گذر گیا۔ دوسرے روز میں جا کر وصیت نامہ کا مثنیٰ لے آیا۔ کچھ روپیہ ان کی جیب سے نکلا۔ اسی سے میں نے کرایہ مکان اور خدمتگار کی تنخواہ ادا کی۔ اس وقت یہ بھی معلوم ہوا کہ مرحوم نے ایک خط اپنے خدمتگار کو دے کر کہا تھا کہ یہ خط میرے دفن ہونے کے بعد ڈاک میں ڈال دینا۔ چنانچہ اس نے ڈال دیا۔ دو ہفتہ گذر گئے۔ اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ بجز اس کے کہ میں نے امتحان دیا اور کامیاب ہو گیا۔ اب مجھے پھر اس طرف توجہ کرنے کی مہلت ملی۔ ایین کے بلانے کی تدابیر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ چٹھی رسان نے ایک بھاری نیا لفافہ مجھے لا کر دیا۔ کھولا تو معلوم ہوا کہ ایتھنز دارالسلطنت یونان سے پیلیو لوگس نامی ایک وکیل کا ہے۔ فرنچ سے اس کا ترجمہ ذیل میں لکھتا ہوں ؂

جناب بندہ!

مجھ کو معتبر ذریعہ سے اطلاع ملی ہے کہ میرے معزز موکل —— صاحب نے بتاریخ — — قاہرہ میں انتقال فرمایا۔ مرحوم نے میری معرفت وصیت نامہ لکھوایا تھا۔ جو بجنسہ ملفوف کرتا ہوں۔ اس سے آپ معلوم کرینگے کہ مرحوم کے متروکہ کی آیندہ نصف آمدنی آپ کی طرف اس شرط سے منتقل ہوتی ہے کہ آپ اُن کے اکلوتے پنج سالہ بیٹے —— عرف ایین کی ولایت و کفالت اپنے ذمہ لیں ؂

میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اگر یہ وثیقہ خود میں نے مرحوم کے مواجہ میں خود ان ہی کی ہدایتوں کے بموجب۔ ان کے ثبات عقل و ہوش میں۔ نہ لکھا ہوتا تو میں اس کی تعمیل میں بلا خاص اجازت عدالت کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ بادی النظر میں اس کی شرائط ہی نرالی ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ مرحوم ایک ذی ہوش صاحب فہم دوراندیش شخص تھے اور اپنے اکلوتے بیٹے کے بدخواہ نہیں ہو سکتے لہٰذا میں طوعاً و کرہاً تعمیل پر مجبور ہوں۔ اور اُس یتیم بچہ کے متعلق آپ کی ہدایات کا

منتظر ہوں + میں ہوں - آپ کا نیازمند
ایتھنز - پیلیولگس

تاریخ ماہ سنہ وکیل ومختار صاحب
میں نے اس وصیت نامہ کو مثنیٰ سے مقابلہ کیا - اور ایک کو دوسرے کی نقل پایا - جو کچھ مرحوم نے مجھ سے زبانی کہا تھا اس کے سوا کوئی نئی بات اس میں نہ تھی - اب مجھے لفافہ یاد آیا - میرے ہی نام اس میں رقعہ تھا - اور وہی ہدایتیں اس میں تھیں امین کی تعلیم کے لئے عربی کا اعلےٰ علم ادب - اور ریاضی انتخاب کیا تھا - البتہ اتنی بات زیادہ تھی کہ اگر امین پچیس سال کی عمر سے پہلے ہی مرجائے (جس کی مجھے اُمید نہیں ہے) تو آپ خود اس صندوقچہ کو کھول لیجئے - اور اگر آپ چاہیں - اور آپ سے ممکن ہو تو اس میں جو کچھ نکلے ان ہدایتوں پر کاربند ہوجئے - ورنہ اُن تمام چیزوں کو ضائع کر دیجئے - کسی غیر شخص کے دکھلانے یا بتلانے کی میری طرف سے سخت ممانعت ہے +

عجیب قصہ تھا کہ آدمی کچھ رائے قائم ہی نہیں کر سکتا تھا - بہرکیف اب میں نے اس معاملہ میں زیادہ سوچنا فضول سمجھ کر یونان لکھ بھیجا کہ اس بچہ کو فوراً بحفاظت تمام میرے پاس بھیج دیا جائے +

مجھے جامع ازہر کے در و دیوار تک سے محبت تھی - اور سوچ رکھا تھا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوگیا تب بھی اپنا حجرہ نہ چھوڑونگا - لیکن اب تو صورت ہی اَور آن پڑی اور بمجبوری مجھے الگ مکان لینا پڑا - جو اتفاق سے وہیں جامع کے قریب ہی مل گیا +

اب دوسرا فکر تھا - کھلائی کا بہم پہنچانا - اگر میں کوئی عورت تلاش کرتا تو شاید مل جاتی - لیکن میں نے بوجوہ مرد کا رکھنا مناسب سمجھا - اس تلاش میں مجھے جس قدر دقت اُٹھانی پڑی ہے میرا ہی جی جانتا ہے - مگر شکر ہے کہ ایک شخص **ایوب** نامی حسب دلخواہ مل گیا - یہ شخص ایک شریف النسل مگر فلاکت زدہ خاندان سے تھا - غریب کی نیرہ چودہ اولادوں میں سے ایک بھی باقی نہ رہی

تھی۔ غضب یہ کہ پچھلے سال بیوی بھی مر چکی تھی۔ تنہائی میں بھی سخت عسرت کے ساتھ بسر کرتا تھا۔ مگر تھا نہایت نیک دل اور قانع۔ کچھ شُد بُد پڑھا لکھا بھی تھا اس کے بعد میں نے امراض صبیان اور پرورش اطفال کی چند کتابیں خریدیں اور پہلے ان کو بالاستیعاب خود دیکھا۔ اور پھر ایّوب کو سنایا سمجھایا +

اس کا مجھے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ابین ایک بُڑھیا کے ہمراہ جلد میرے پاس پہنچ گیا۔ میں کیا عرض کروں کہ یہ بچہ کس قدر حسین تھا ؎

نمیدانم کدامیں آفتاب امروز طالع شد کہ مے گردد بچشم آئینہ آب از تماشایش

حقیقت یہ ہے کہ ایسا خوبصورت بچہ میری تو کیا بہت کم لوگوں کی نظر سے گزرا ہوگا۔ اس کا سُرخ و سپید رنگ تھا۔ بھرا بھرا بھولا چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی آنکھیں چوڑا چکلا ماتھا۔ یونانیوں کے حُسن و عشق کے دیوتا کی تصویر۔ نورٌ علےٰ نور اس کے سُنہرے گھونگھریالے بال۔ دُور سے بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت کاملہ نے اپنی فیاضی سے ایک سونے کا ڈلا سر پر رکھ دیا ہے۔ ہوا میں تارِ زر کی طرح پھرپھراتے ہوئے۔ دھوپ میں زریں مقیش کی طرح چمکتے ہوئے۔ غرض سر کیا تھا کان دلکشی و جان دِلرُبائی تھا۔ ذہانت اُس پر قربان ہوئی جاتی تھی۔ اور شوخی پیر چومتی تھی +

دوسرے روز پُرانی کھلائی کے رخصت کے وقت ابین کے رونے کا سماں اب بھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے تو قلب پر ایک صدمہ ہوتا ہے۔ اب اس کا بہلانا ذرا دقت طلب بات معلوم ہوتی تھی۔ میں الگ لئے تاتا اس کو گود میں لینے کی فکر میں تھا اور ایّوب کھڑا ہُوا الگ بہلانے کی کوشش میں تھا۔ باجا بجایا کھلونے دکھلائے۔ زنجیر کھڑکھڑائی۔ لیکن ابین تھے کہ خبر بھی نہ ہوتے تھے۔ آخر کب تک حضرت انسان جو پریوں کو شیشے میں اُتار لیں۔ بڑھے جنوں کو قید کر لیں۔ ان کے لئے ایک بچہ کا بہلا لینا کتنی بڑی بات تھی۔ دو گھنٹہ کامل کے بعد اُدھر اس کے آنسو تھمے اور ابین کچھ سوچ کر میری گود میں آ بیٹھے۔ میں نے کھانا منگوا کر سامنے کیا مجھے تو اندیشہ تھا کہ نظر نہ لگ جائے کیونکہ اس نے

اتنا کھایا کہ جو اس کی عمر و بساط سے زیادہ تھا۔اس وقت سے اب تک امین کی خوراک ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔گو میں فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔لیکن پھر بھی شوق و ذوقِ علمی مجھے روز جامع ازہر میں کھینچ لے جایا کرتا تھا۔اور اکثر دو دو چار چار گھنٹے میرے وہاں صرف ہوتے تھے۔امین سایہ کی طرح میرے ساتھ ہوتے ہی تھے۔جامع میں اور بھی ہل مل گئے۔اگرچہ قواعد جامع کے رو سے کوئی بچہ مدرسہ میں نہیں جا سکتا تھا۔مگر وہاں امین کے واسطے سارے قاعدے نہ ہو گئے۔یہ حضرت اُستادوں کی گود میں جا ڈٹتے۔طالب علموں کے کندھوں پر چڑھ جاتے۔کتابیں اُلٹ پلٹ کر دیتے یا خود لے بیٹھتے۔دوات قلم کے مالک بن بیٹھنا۔کتابوں پر لکیریں کھینچ دینی۔عین سبق کے حلقہ میں اپنے گھوڑے سے کھیلنا یہ حضرت کے جامع ازہر کے مشغلے تھے۔ان کی بھولی بھولی باتیں۔بچپن کے تماشے۔خوبصورت چہرہ کی دلربائی ایسی نہ تھی کہ اسے دیکھ کر کوئی قاعدے یاد رہ سکتے۔مجھے بھی امین سے وہ عشق تھا (اور تھا کیا معنی اب تک ہے) کہ شاید کسی باپ کو اپنے بیٹے سے کبھی ہُوا ہو۔

غرض نام خدا اب امین بچہ سے لڑکا کہلانے کے قابل ہُوا۔اور عمر کے ساتھ اُس کے حسن خدا داد نے ترقی کی۔اور سلیم الطبعی اور ذہانت کے جوہر نہایت وضاحت سے نظر آنے لگے۔میں نے وصیّت کے موافق ان کو خود پڑھانا شروع کیا۔میری اُمید سے زیادہ انہوں نے توجہ کی۔ذہین تھے ہی۔چند ہی روز میں کہیں سے کہیں پہنچے۔آپ کو تعجب ہو گا کہ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ اپنا نصاب تعلیم بالکل ختم کر چکے تھے۔میں نے مزید اطمینان کے لئے چند روز ان کو جامع میں داخل کرا کر ادب و ریاضی کے اعلےٰ نصاب کا امتحان بھی دلوا دیا۔

ایک روز میں نے موقع پا کر اُن کا اور اُن کے خاندان کا اپنے مبلغ علم کی حد تک قصّہ سنایا۔بالطبع اس پر ان کو تعجب ہُوا۔اور اسی روز صندوقچہ کھولنے کی فرمایش کی۔مگر میں نے ان کے والد کی وصیّت سُنا دی اور وہ خاموش ہو رہے۔مجھے شکار کی لت تھی اور اب تک ہے۔امین کو بھی میں ہر جگہ ساتھ

لے جاتا تھا۔ چند ہی روز میں ان حضرت نے نشانہ بازی میں مجھے مات کر دیا۔ اب بھی یہ مجھ سے کہیں اچھا نشانہ لگاتے ہیں +

مجھے سب سے زیادہ دقت امین کے بالغ ہونے کے بعد یہ پڑی کہ قاہرہ بھر کی خواتین اُن پر فدا تھیں۔ ہر طرف سے ڈورے ڈالے جاتے تھے۔ اور دِن میں دو چار مشاطہ پیغام لئے ہوئے موجود ہی رہتی تھیں +

یہ قصّے بجائے خود نہایت دلچسپ ہیں۔ عورتوں کے عشق کا رنگ جس جس پہلو میں ظاہر ہوتا تھا۔ وہ سننے کے قابل ہے۔ مگر یہاں اس کا محل نہیں۔ بہر حال امین کا بچا رہنا کچھ میری احتیاط اور تربیت کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ خود طبعاً سعید واقع ہوئے تھے۔ اور گو اُن کے آباء و اجداد کا مذہب کچھ ہی رہا ہو۔ لیکن وہ اپنی ذات سے (بجز اس کے کہ ڈاڑھی کو قصر کراتے ہیں) اس وقت تک ایک متقی پابند فرائض مسلمان ہیں +

غرض میری زندگی کا یہ زمانہ نہایت لطف کے ساتھ گذرا۔ یہاں تک کہ امین پچیس برس کے ہو گئے۔ اور ان کی سالگرہ کی تاریخ آ گئی۔ درحقیقت یہ قصّہ اسی روز سے شروع ہوتا ہے ؎

افسانہ بود دریں جریدہ   معجون دل و شراب دیدہ

باب سوم

گوہر مخزنِ اسرار ہمان است کہ بود
حقۂ راز بداں مہر و نشان است کہ بود

جِس روز امین کی پچیسویں سالگرہ کی تقریب تھی۔ اس روز صبح ہی سے میری طبیعت میں ایک طرح کی گھبراہٹ تھی۔ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا۔ قلب کی

عجیب کیفیت تھی کہ کسی طرح بیان نہیں کی جا سکتی۔ قیاس چاہتا ہے کہ ابین کی بھی یہی یا اسی کے قریب قریب حالت ہو۔ کیونکہ وہ بھی آج دن بھر خاموش رہے۔ میں نے عصر کی نماز پڑھ کر اپنے مرحوم دوست کا صندوقچہ نکالا۔ اور ابین نے دیکھتے ہی کھولنے کا تقاضا شروع کیا۔ مگر میں نے یہ کہ کر ٹال دیا کہ جہاں تم نے پچیس برس انتظار کیا ہے۔ وہاں کھانے کے بعد تک اور انتظار کر لو ؎

ہم نے پہلے مُصلیوں اور پھر اسباب کو کھانا کھلایا (ایوب سمیت) تینوں نے مِل کر عشاء کی نماز پڑھی۔ خود کھانا کھایا۔ ایوب اپنے گھر جانے لگا۔ مگر میں نے اس کو روک لیا۔ تاکہ وہ بھی ایک طرح کا گواہ رہے۔ دروازہ اندر سے بند کرا دیا ؎

میں نے آج بیس برس کے بعد وہ کنجیاں نکالیں جو ابین کے والد اپنے مرنے کی رات مجھے سُپرد کر گئے تھے۔ ان میں سے ایک تو معمولی زمانہ حال کے قفل کی کنجی تھی۔ دوسری ذرا پُرانے زمانہ کی۔ تیسری بُہت ہی پُرانی چھوٹی سی چلبیا کی شکل کی تھی جیسی آپ نے ریل گاڑیوں کی کنجیاں دیکھی ہیں۔ فرق صرف اِس قدر تھا کہ یہ سپاٹ ہوتی ہیں۔ اور اُس کے آخر میں کچھ دندانے تھے۔ تینوں کنجیوں کو زنگ لگا ہوا تھا۔ میں نے پہلے ایک چاقو سے زنگ صاف کیا اور تیل لگا دیا ؎

میری اور ابین کی عجیب حالت تھی۔ کہ سینہ میں سانس بند ہوا جاتا تھا۔ اور دل دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ایوب بھی ہماری صورتوں کو دیکھ کر بالکل پریشان خاموش کھڑا منہ تک رہا تھا ؎

غرض میں نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے صندوقچہ اپنی طرف بڑھایا۔ اور ابین زیادہ توجہ کے ساتھ صندوقچہ کی طرف جُھک گئے۔ ہاتھ میں مارے رعشہ کے سکت باقی نہ تھی۔ اس لئے ذرا دِقّت سے قفل کُھلا۔ ڈھکنا اُٹھایا تو اُس کے اندر ایک اور چھوٹا سا صندوقچہ نکلا۔ ہم نے اس کو نکال کر رومال سے گرد صاف کی تو معلوم ہوا کہ یہ صندوقچہ آبنُوس کا ہے۔ اور جا بجا تڑخا ہوا تاروں اور پتّروں سے جڑا ہوا تھا۔ اِتنی مدّت کا تھا۔ کہ نیچے کی لکڑی گِھس گِھس کر ٹوٹنے کے قریب ہو گئی تھی اس کو بھی کھولا تو اندر سے ایک اور چاندی کی صندوقچی

کوئی آٹھ گرہ لمبی۔ اور چھ گرہ اُونچی نکلی۔ یہ مصر کی ہی ساخت معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے ڈھکنے پر بُراق نما تصویر تھی۔ اور اس کے چاروں پایوں پر بھی وہی تصویریں تھیں۔ اگرچہ قدامت نے اس پر اپنا روغن پھیر رکھا تھا۔ لیکن اس کی صنعت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ میں نے اس کو نکالا اور کنجی کے دو چار جھٹکوں سے اُس کا بھی قفل کھول لیا۔ اس کے اُوپر ایک قسم کی گھاس (شاید حفاظت کے لئے) پڑی ہوئی تھی۔ جس کو میں تمیز نہ کر سکا کہ کیا تھی۔ اور نہ ویسی اس کے پہلے یا بعد میری نظر سے گذری۔ اس کی ایک تہ میں سب سے پہلے میرے دوست کے قلم کا ایک خط نکلا۔ جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ؛

"بمطالعہ برخوردار ایبن۔ اگر موت اُس کو اس خط کے پڑھنے تک مہلت دے"۔ میں نے یہ خط ایبن کو دیدیا۔ اور اُنہوں نے اس کا لفافہ دیکھ کر وہیں رکھ دیا۔ اور مجھے اشارہ کیا کہ "آگے"؟

پھر ایک چرمی کاغذ نکلا جو بہت ہی احتیاط سے تہ کیا ہوا تھا۔ میں نے کھول کر دیکھا تو وہ بھی ایبن کے والد کے ہاتھ کا تھا اور اُس کی پیشانی پر یہ الفاظ تھے۔

"کپّی کی یونانی تحریر کا ترجمہ"

میں نے اُس کو بھی وہیں رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک اَور تحریر نکلی جو ہرن کی جھلّی پر تھی اور کہنگی کی وجہ سے جا بجا سے تڑخی ہُوئی تھی۔ میں نے اُسکو کھول کر دیکھا تو لاطینی زبان میں اسی تحریر کا ترجمہ تھا۔ اور سولھویں صدی عیسوی کا لکھا ہُوا تھا۔ اس کے بعد اور کچھ ذرا سخت سی چیز معلوم ہوئی۔ جو زرد رنگ کے حریر میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس حریری غلاف کے نیچے ایک اور لتّہ کا غلاف تھا۔ اور اس کے اندر ایک کُپّی کا ٹکڑا تھا۔ جس نے قدامت کا زرد جامہ پہن رکھا تھا۔ یہ کوئی سات گرہ لمبا۔ پانچ گرہ چوڑا۔ اور پاؤ گرہ موٹا ہوگا۔ اس کے مقعر جانب پُرانی یونانی

ؔ بالکل ویسا ہی جیسا ہندوستان میں چمڑہ کو دبغ کر کے بناتے ہیں۔ لیکن نہایت بدقطع۔ اسکی تصویر کو چھاپ دینا نہایت موزوں ہوتا۔ لیکن مجبوری ہے۔ کہ ہندوستان میں ایسی چیزیں چھپنے میں ایسی خراب ہو جاتی ہیں کہ ان کی اصلیت مطلق سمجھ میں نہیں آسکتی (مؤلف)

زبان اور یونانی حروف میں کچھ لکھا ہؤا تھا۔ مجھے تو روشنائی پر تعجب ہوتا ہے۔
کیونکہ دو چار جگہ سے ایسی روشن تھی۔ کہ گویا کسی نے کل ہی لکھا ہے۔ تحریر واسطی
قلم کی بہت ہی خوش خط تھی +

معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ پُرانے زمانہ کا تبرک کسی صدمہ سے
ٹوٹ بھی چکا ہے۔ کیونکہ آٹھ جگہ چاندی کے تاروں سے جڑا ہؤا تھا۔ محدّب
جانب مختلف قلموں کے لکھے ہوئے کچھ نام تھے۔ اور مختصر عبارتیں۔ جن کا
تذکرہ ہم آگے چل کر کرینگے +

گھانس میں پھر ٹٹولا تو صرف ایک چھوٹی سی ریشمی تھیلی نکلی جس میں ایک
تصویر تھی اور ایک انگوٹھی۔ اس تصویر کے دوسری طرف ابن کے والد
کے ہاتھ کے یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے :۔

"میری جان"

اس سے معلوم ہؤا کہ یہ ابن کی والدہ کی تصویر تھی۔ جس پر حسن ہزار جان سے
فدا ہو رہا تھا۔ انگوٹھی قدیم زمانہ کی بھدّی قطع کی بنی ہوئی تھی۔ ایک بیش قیمت
عقیق کا نگینہ تھا اور اس پر یہ صورت کندہ تھی۔
بادی النظر میں ناظرین شاید اس کو ایک بط اور
ایک انڈے اور بد نمائی کے ساتھ ایک درخت کی
تصویر خیال کرینگے۔ لیکن جن لوگوں کو مصرِ عتیق کے پُرانے کتبوں کے دیکھنے
کا اتفاق ہؤا ہو یا اُن کو پڑھنے کی مہارت ہو وہ معلوم کرینگے کہ یہ تصویر نہیں
ہے بلکہ ایک جملہ ہے جس کے معنی ہیں۔ "ملِک ابن الشمس"۔ شاید پھر غلطی کی
جائے۔ اور اس کو اسم معرفہ سمجھا جائے۔ فی الاصل یہ فراعنہ مصر کے اس خاندان
کا طغرا ہے۔ جو خود کو اس نام سے موسوم کرتے۔ اور کہلواتے تھے +

ابن پہلے تو اپنی والدہ کی تصویر بڑی دیر تک نہایت ادب سے دیکھتے
رہے۔ اس کو رکھ کر کہنے لگے۔ "لائیے پہلے والد مرحوم کے خط سے شروع کریں"
خط کی مُہر توڑ ڈالی۔ اور بہ آواز پڑھنا شروع کیا :۔

"برخوردارِ من

"اگر تمہاری زندگی تم سے بیوفائی نہ کرے تو تم اس خط کے کھولنے کے وقت نام خدا پچیس برس کے ہو گئے۔ اور میں! میری بے گوشت ہڈیاں منوں مٹی کے نیچے پڑی ہونگی۔ میرے احباب و واقفین میری صورت تک بھول گئے ہونگے۔ میرے عدم نے میرے وجود کو اس طرح ڈھکا ہو گا۔ کہ میری ہستی کا تمہارے سواء اگر کوئی شبہ بھی نہ کرے تو کچھ عجب نہیں۔ بہرحال تم اس کو پڑھتے ہوئے یہ گمان نہ کر بیٹھنا کہ میں تمہارے جیسے جامہ میں کبھی نہ تھا۔ ضرور تھا۔ اور تمہیں کیا معلوم ہے۔ کہ اب بھی میرا کوئی تعلق تم سے اور تمہاری زمین سے باقی ہو؟ اس کے لئے شاید یہی کافی ہو گا کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ قعر قبر سے قلم و کاغذ کے واسطہ سے ہمکلام ہوں۔ گو میں مر چکا اور اہل دُنیا نے مجھے بھلا دیا۔ مگر جہاں آدمی ایک مُدّت رہا ہو (حتّٰی کہ قیدخانہ) اس کے در و دیوار تک سے محبّت ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی طرح میری رُوح کو تمہاری دُنیا سے محبّت ہو۔ اور جس وقت تم یہ خط پڑھ رہے ہو۔ میں اپنی رُوح کے ساتھ تمہارے پاس موجود ہوں +

"تمہاری پیدایش سے لے کر مرتے دم تک میں نے تمہاری صُورت آنکھ بھر کر نہیں دیکھی ہے۔ اس کی میں آج تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے فدیہ میں ایک ایسی عزیز جان گئی ہے۔ کہ جس کا صدمہ شاید مجھے قبر میں بھی چین نہ آنے دیگا۔ اور اسی صدمہ نے۔ ہائے اسی صدمہ نے۔ مجھے تمہاری صورت نہ دیکھنے دی۔ ممکن تھا کہ اگر میں چند روز اور زندہ رہتا تو اپنے اس احمقانہ خیال پر غالب آ جاتا۔ لیکن اب تو اس حسرت کا اظہار بھی گویا عذر گناہ بدتر از گناہ ہے میری جسمانی و رُوحانی تکالیف ایسی ہیں کہ اب خود میں اُن کے بار اُٹھانے کی طاقت نہیں دیکھتا۔ اور جیسے ہی میں نے تمہاری پرورش اور آسایش کا انتظام کر لیا۔ بس میں وہیں اس خط کے پار اُتر جاؤنگا۔ جہاں سے لوٹ کر آنا کسی ذی رُوح کے اختیار میں نہیں ہے۔ خدا میرے گناہوں کو اور بالخصوص

اِس گناہ کو معاف کرے۔ میں بہرحال اگلے سال تک زندہ نہیں رہنا چاہتا ؛
میں۔ اُفّوہ! یہ عقدہ آج حل ہُوا۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ اُنہوں نے
خودکشی کی ہے۔ امین نے صرف آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور پڑھنا شروع کیا۔
"غرض میرا تو خاتمہ ہو چکا۔ اہل دُنیا میں بھلا دیا جا چکا۔ اور میں ہاتھ پیر ہلانے
کے قابل نہیں رہا۔ اب آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ صرف تم ہی پر میری نظر پڑتی
ہے۔ شاید تم ہمّت کر کے اُس حسرت کا جو میرے ساتھ قبر میں بسمل پڑی ہے۔ علاج
کر سکو۔ میرے دوست حنیف نے اگر تمہاری ولایت منظور کر لی تو وہ تمہاری نسل
کی قدامت کا حال بیان کر دینگے۔ اگر اس میں تمہیں کچھ شبہ رہیگا تو ایک کپّی کا ٹکڑا
رفع کر دیگا۔ وہ عجیب فساد جو اس پر تمہاری مورثۂ علیا کا لکھا ہُوا ہے تمہیں تعجب
میں ڈالیگا۔ میرے والد نے بستر مرگ پر جب یہ مجھے حوالہ کی تھی تو مجھے بھی کچھ کم تعجب
نہ ہُوا تھا۔ میں نے اپنے انیسویں برس میں اُس کی تحقیقات کا ارادہ کیا تھا۔ اور مجھ
سے ڈھائی سو برس پہلے ہمارے ایک اَور بزرگ نے بھی اسی فکر میں سفر کیا تھا۔ لیکن
ناکامیابی ہوئی۔ مجھ پر اس سفر میں جو جو اُفتاد پڑی ہیں ان کا بالتفصیل بیان کرنا
فضول ہے۔ اس قدر ضرور ہے میں بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ افریقہ کے شمالی قطع میں
(جہاں اب تک انسان کا قدم کم پہنچا ہے) جس مقام پر دریائے زمبیسی سمندر
میں گرتا ہے ایک کفِ دست میدان ہے۔ اور پھر دریا کے اس پار کچھ پہاڑیاں
نظر آتی ہیں۔ اُن میں سے ایک کی چوٹی بہت اُونچی نکل گئی ہے۔ اور اوپر جا کر اس
کی قطع بالکل کسی حبشی کے چہرہ کی سی ہو گئی ہے۔ کہ دُور سے دیکھنے والے کو بالکل
یہ شبہ ہوتا ہے کہ کوئی حبشی بیٹھا جھانک رہا ہے۔ اسی کا ذکر تمہیں اِس تحریر میں
ملے گا۔ مجھے اتفاق حسنہ سے اسی ملک کا ایک باشندہ وہاں چلتا پھرتا مِل
گیا۔ جِس کو اس کے ہموطنوں نے کسی جُرم میں ملک بدر کر دیا تھا۔ اُسی کی
زبانی یہ تحقیق ہُوا کہ ان پہاڑیوں کے اس طرف اَور بڑے بڑے پہاڑ ہیں
قدرتی طور پر ان کی قطع پیالے کی شکل کی واقع ہوئی ہے۔ ان ہی پہاڑوں
میں کچھ کھوئیں ہیں۔ لیکن کھوؤں تک پہنچنے کے لئے بڑی بڑی دلدلوں

سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ وہاں وحشی حبشی بستے ہیں۔ اور بگڑی ہوئی عربی زبان بولتے ہیں۔ اُن پر ایک خوب صورت سفید رنگ کی عورت حکمران ہے۔ ان کی یہ ملکہ اپنی رعایا کے سامنے کم ہوتی ہے۔ مگر اس کی قدرت و طاقت کی نسبت عوام کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ صرف زندوں ہی کی نہیں بلکہ مُردوں کی بھی بادشاہ ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے دو روز بعد وہ شخص بخار کے عارضہ سے مر گیا" مجھے بھی بخار شروع ہو گیا۔ اور زیادہ تر دقت یہ ہوئی کہ میرا توشہ ختم ہو چکا تھا۔ لاچار واپس آگیا ؛

"واپسی پر بھی جو جو کچھ مصائب مجھے پیش آئے ان کا ذکر لاحاصل ہے مختصر یہ ہے کہ میڈیگاسکر کے قریب ہمارا جہاز تباہ ہو گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اوروں کا کیا انجام ہوا۔ مگر مجھے جب ہوش آیا ہے تو میں نے خود کو ایک تختہ پر خشکی کے کنارہ پایا۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ وہیں پریشان رہا۔ میرا خاتمہ وہیں ہو گیا ہوتا مگر اتفاق سے ایک جہاز مل گیا۔ اسی پر میں انگلستان پہنچا۔ یہاں شادی کر لی۔ تمہاری پیدائش کے وقت تمہاری والدہ نے انتقال کیا۔ پھر وہاں کسی طرح جی نہ لگا۔ اِدھر اُدھر پریشان پھرتا رہا۔ بزرگوں کی وصیت پوری کرنے کا خیال برابر تھا۔ اِسی غرض سے عربی پڑھنے کا قصد کیا۔ اور یوں کہنا چاہیئے کہ خمیر یہاں مصر میں گھسیٹ لایا۔ سِل کا عارضہ تو تھا ہی اب زندگی دو بھر ہے۔ موت کھڑی بُلا رہی ہے۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے قصہ ہی پاک ہوا چاہتا ہے ؛

"اگرچہ میں مر چکا۔ اور میرے ساتھ تمام ارادے قبر میں جا چکے لیکن تم اس وقت ماشاء اللہ جوان ہو۔ اور تمہارے ساتھ تمہارے عزم اور امیدوں کی بھی اُٹھتی جوانی ہے۔ اس لئے میں تم پر اپنی محنتوں کے نتیجہ کا اظہار کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ خاندانی امانت بھی تمہارے سپُرد کرتا ہوں جو دو ہزار برس سے آباؤ جداً متوارث چلی آرہی ہے۔ اَب تم اس قصہ کے صحیح و غلط ہونے کی نسبت رائے قائم کر لو۔ اپنی ہمت ٹٹو لو۔ ممکن ہو تو اپنے بزرگوں کی وصیت پوری کرو۔ یہی نہیں بلکہ عجائبات عالم کی سیر کرو۔ اور علم طبیعات کے محققین کے حلقہ میں ایک عجیب و غریب

سمجھ کر جائو۔ اور اگر یہ نہیں تو کم سے کم اپنے گھر بیٹھے ہی کسی طرح اس کا اطمینان کر لینا کہ یہ تمام قصّہ ایک عورت کے اختلال حواس کا نتیجہ ہے *

"میں اپنے نزدیک تو اس کو فرضی افسانہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ اُدھر ضرور عجائبات قدرت پوشیدہ ہیں۔ جب ہمیں زندگی کا یقین ہے تو ممکن ہے کہ کچھ ایسے ذرائع بھی خالق ارواح نے پیدا کئے ہوں۔ جن سے انسان اپنی زندگی کو وسیع کر سکے۔ مگر تم میرے اعتقادات سے اپنی رائے نہ قائم کرو۔ بلکہ خود دیکھو اور غور کرو۔ اگر تم ادھر جانا ہی چاہو تو میں نے تمہارے واسطے ذرائع بہم پہنچا دیئے ہیں۔ لیکن اگر تم اطمینان حاصل کر لو کہ یہ محض فرضی بات یا کسی مجذوب کی بڑ ہے تو میری یہ آخری وصیّت ہے کہ تم ان تمام چیزوں کو جو تمہارے ہاتھ میں اس وقت دی جاتی ہیں ضائع کر دو اور اپنی نسل پر سے روز روز کی مُصیبت ہمیشہ کے لئے اُٹھا دو۔ میرے نزدیک اپنی اولاد پر اس سے بڑھ کر اور کوئی احسان نہیں ہو سکتا *

"بہرحال غور کر لو۔ اور جو کچھ کرو بہت سوچ سمجھ کر۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور تمہارا یار و مددگار رہے فقط"

یہاں یہ خط اس طرح ختم ہوُا کہ نہ اس پر تاریخ تحریر ہے۔ نہ راقم کا نام یا دستخط۔

امین۔ "عمو! (امین سے میں خود کو عمو کہلواتا تھا) اب فرمائیے۔ یہ تو سب کچھ معمّا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اصلیّت سے خالی نہیں" *

میں۔ "بھئی کیا بتلاؤں۔ مجھے تو اس سے درستی حواس کی بُو تک نہیں آتی۔ میں تو آج بیس برس ہوئے یہی سمجھے بیٹھا ہوں۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیئے کہ مرحوم نے خودکشی کر لی" *

ایوب۔ "جی بس یہی بات ہے"

امین۔ "(ایک ترجمہ اُٹھا کر) لاؤ اسے بھی پڑھ دیکھیں۔ کوئی نہ کوئی بات تو نکلیگی"

امین نے بآواز وہ ترجمہ پڑھنا شروع کیا جو ان کے والد کے قلم کا لکھا ہوُا تھا:۔

"یہ تحریر ہے منجانب امنیراٹس شاہزادی خاندان فرعون مصر۔ زوجہ فرطیس

(کیلکرٹیس) مقتداء فراعنہ کی بنام اپنے بیٹے زستھیس کے۔ میں تیرے باپ پر عاشق ہوئی۔ اور تمام مذہبی قیود کے خلاف اس کے ساتھ زمانہ فرعون نخنتف[1] میں مصر سے بھاگ گئی۔ ہم نے جنوب کی طرف دریاؤں کے اس پار رُخ کیا۔ ہم پر بارہ دفعہ چاند چمکے۔ اور چھُپ گئے۔ مگر ہم افریقہ کے میدانوں میں ہی پریشان رہے۔ یہ میدان سورج نکلنے کی سمت میں واقع ہیں اور دریا کے اس پار ایک پہاڑ حبشی کے منہ جیسا ہے۔ ایک بڑی کشتی میں دریا پار ہونے کا ارادہ کیا۔ لیکن جنّات نے ہم پر حملہ کیا اور ہماری کشتی کو تباہ کر دیا۔ ہم میں گناہوں کے بوجھ نے بیماری تو پہلے ہی ڈال رکھی تھی۔ اب بہت سے آدمی ڈوب بھی گئے۔ جنّات نے ہم دو کو اور مصیبتوں میں ڈالنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور وحشی حبشی اُس طرف پکڑ لے گئے جہاں سمندر آسمان سے جا ملا ہے۔ دس روز برابر وہ ہمیں لئے ہوئے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس مقام میں پہنچے جہاں پہاڑوں کی کھوئیں۔ اور جہاں کسی زمانہ میں ایک بڑا شہر آباد تھا۔ اب جنّات نے اُسے تباہ کر دیا ہے۔ اور جہاں اور بہت سی کھوئیں موجود ہیں جن کو غیر آدمیوں نے نہیں دیکھا۔ اور جہاں وہ لوگ رہتے ہیں۔ جو مسافروں کے سروں پر لال توا رکھتے ہیں۔ اس قوم پر ایک عورت بادشاہت کرتی ہے جو جادوگرنی ہے اور جس کو اگلا پچھلا علم حاصل ہے۔ جو بہت خوب صورت ہے اور جو اپنے جادو کے زور سے کبھی نہیں مریگی۔ اس عورت نے تیرے باپ کو بُری نیّت سے دیکھا۔ اور مجھے قتل کر کے اُس کو اپنا شوہر بنانا چاہا۔ تیرا باپ میرا عاشق تھا۔ اور اس عورت سے بھی ڈرتا تھا۔ لیکن اس نے بالکل اِنکار کر دیا پھر وہ عورت اپنے جادو کے زور سے بڑے بڑے کٹھن راستے طے کر کے ہمیں اُس جگہ لے گئی جہاں ایک پہاڑ کے اندر ایک بہت بڑا غار ہے۔ اور جہاں قدیم زمانہ کا ایک حکیم مرا پڑا ہے۔ اور ہم کو حیات ابدی کا ایک روشن مینار دکھلایا۔ جس کو سکون نہیں اور ہر وقت چلتا پھرتا رہتا ہے اور جس کی رعد کی سی آواز ہے۔

[1] آخری فرعون مصر جو ۳۳۹ سال قبل از مسیح ایک لڑائی میں شکست کھا کر حبش کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہیں مرگیا +

وہ جادوگرنی اس حیات ابدی کے روشن مینار کے شعلوں میں جا کھڑی ہوئی۔ اور اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ جوان اور خوب صورت ہو گئی۔ پھر اس جادوگرنی نے قسم کھائی کہ اگر تیرا باپ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اور اس کو اپنی بیوی بنالے تو وہ تیرے باپ کو بھی اپنے ہی جیسا بنا لیگی کہ موت کبھی اس کے پاس تک نہ پھٹکنے پائیگی۔ مجھ کو وہ اپنے ہاتھ سے اس لئے قتل نہیں کر سکتی تھی کہ میری قوم کا جادُو اس کے جادُو سے زیادہ قوی تھا اور اس کا اثر اس وقت تک میرے جسم پر باقی تھا۔ تیرے باپ نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کہ اس کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر وہ برابر دیکھتا رہا۔ جادوگرنی کو غصّہ آیا اور اُس نے تیرے باپ کو اپنے جادو کے زور سے مار ڈالا۔ اور پھر بہت روئی اور روتی دھوتی اس کی لاش کو وہاں سے نکال لائی۔ مجھ سے وہ بہت ڈری اور مجھے دریا کے کنارے تک پہنچا دیا۔ میں جہاز میں سوار ہُوئی اور جہاز ہی پر تُو پیدا ہُوا اور میں مُدتوں کی پریشانی اور مصیبتوں کے بعد ایتھنز میں پہنچ گئی۔ اب اے میرے بیٹے ز ستھینس میں تجھ سے یہ کہتی ہوں کہ تو اُس جادُوگرنی کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو تُو جا اور اپنے باپ کے خون کے بدلہ میں اس کو جا کر قتل کر ڈال۔ اور اگر تو ڈرے یا کسی اور وجہ سے نہ جا سکے تو تُو اپنی اولاد کو انتقام کی وصیّت کر جا۔ اور وہ اپنی اولاد کو۔ اور وہ اپنی اولاد کو۔ یہانتک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو۔ کہ اُس جادوگرنی کو قتل کر ڈالے۔ اس حیات ابدی کے شعلوں میں نہا کر حیات ابدی پالے۔ اور پھر فراعنہ کے نام کو زندہ کر کے سلطنت قائم کرے۔ اِن باتوں پر تجھے ذرا کم یقین آئیگا۔ مگر یہ سارے واقعات مجھ پر گذرے ہیں۔ اور میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں اور میں جھوٹ کبھی نہیں بولتی"۔

ایوب "خدا مغفرت کرے۔ ابھی جھوٹ نہیں بولا"!

میں کچھ ایسا منہمک تھا کہ مجھ سے بولا ہی نہ گیا۔ پہلے پہلے تو خیال ہُوا تھا کہ ہمارے مرحوم دوست تو تھے سو تھے ہی یہ شاہزادی تو اُن سے بھی بڑھ کر نکلیں۔

(ہم تو مرشد تھے تُم ولی نکلے) لیکن جیسے جیسے آگے سُنتا گیا میرا خیال بدلنا شروع ہوا۔ کیونکہ کوئی شخص ایک فرضی افسانہ گھڑ کر اپنی اولاد بلکہ نسل بھر کو بیکار فکر اور مصیبت میں ہرگز نہ ڈالیگا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ ضرور یہ قصّہ صحیح ہے۔ اپنا شبہ مٹانے کے لئے میں نے وہ کپّی کا ٹکڑا اُٹھایا اور اُس کو بغور پڑھا۔ اس کی زبان اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت فصیح تھی۔ اور ترجمہ جو میں نے سُنا تھا بالکل درست تھا۔ ایک بات البتہ زیادہ تھی کہ اس کپّی کے بالائی حِصّہ پر سُرخی سے وہی نشان بنا ہؤا تھا جو مہر پر کندہ تھا۔ کچھ شک نہیں ہے کہ یہ فراعنہ کا خاندانی نشان تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ انگوٹھی خود کسی فرعون کی تھی یا کسی شاہزادی کی تھی۔ بہرحال قیاس یہی ہو سکتا ہے کہ یہ شاہزادی امنیرائس کی تھی جو قرطیس کے ساتھ بھاگتے ہوئے اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ یا اُن جواہرات و زیورات میں آئی ہو جو ایسے موقعہ پر آدمی اپنے ہمراہ لے لیا کرتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی مہر کپّی پر کس وقت لگی اور کس نے لگائی۔ بظاہر تو بعد میں لگائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اِسی طرف ایک کونے میں بزبان لاطینی یہ الفاظ بھی لکھے ہوئے ہیں :۔

"خشکی و تری خلا و آسمان پر لاکھوں باتیں ایسی ہوتی ہیں۔
جن کو سمجھنا عقل انسانی سے خارج ہے۔ مگر جھوٹ نہیں ہو سکتیں"

اِن فقروں پر "ولینی" کے دستخط ہیں۔ لاطینی میں "ولینی" زستھینس یا منتقم کا ترجمہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس خاندان کے ناموں میں عام اس سے کہ وہ یونانی ہوں۔ لاطینی ہوں یا فرنچ۔ لفظ انتقام یا امانت کا اشتقاق ضرور ہے۔ بالفعل آپ "امین" ہی کو لے لیجئے۔ آخر یہ کاہے کے امین ہیں؟ اِسی خیال انتقام کے۔ یہاں یہ ظاہر کر دینا بھی خلاف موقع نہیں ہے کہ فی الاصل امین کا نام "امین" نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے والد نے آسانی کے خیال سے یا میری خاطر سے یہ نام بتلایا تھا۔ ناظرین کو شاید خیال ہوگا کہ ان کے والد نے یہ نام بتلاتے ہوئے

سوچا کیوں تھا۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ خط ایبن کے والد کا اِس وقت نکلا ہے۔ اُس میں "ایبن" ہی لکھا ہوا ہے۔ اور یہ خط بہر صورت اُس رات کی گفتگو سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل کو یوں سمجھا لیا ہے کہ غالباً وہ یہ نام پہلے ہی تجویز کر چکے ہونگے۔ اور اس وقت بتلاتے ہوئے حافظ نے اُن سے پس وپیش کرائی ہو گی ٭

میں نے کپّی کو لوٹا تو محدب جانب جیسا کہ میں ظاہر کر آیا ہوں از سرتا پا لوگوں کے دستخطوں اور عبارتوں سے بھرا پایا۔ ان میں سب سے پہلے ٹنھینس ہی کے دستخط تھے۔ جس کے نام نے الاصل یہ تحریر تھی ٭

اس کے نیچے قرطیس نامی ایک شخص کی تحریر تھی ٭

"دیوتاؤں کی مرضی نہ تھی کہ میں جاؤں۔ اَب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں"

یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے یونانیوں میں دستور تھا کہ دادا کا نام پوتے کا رکھا جاتا تھا۔ اِسی بنا پر اس شخص کا نام بھی قرطیس ہوا۔ اس کے بعد پھر بہت سی عبارتیں اور دستخط تھے جو اچھی طرح پڑھے نہ جاتے تھے۔ ایک جگہ نیلی روشنائی سے لفظ "رُوم" لِکھا ہوا تھا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا ہے کہ شاید اس خاندان کے رُوم میں منتقل ہونے کی یادداشت تھی۔ افسوس ہے کہ سن ہزار کوشش کی نہ پڑھا گیا ٭

گننے سے معلوم ہوا کہ اس طرف کُل سولہ آدمیوں کے دستخط تھے۔ اور ایک شخص کے دوسری طرف جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ قیاس نہیں چاہتا کہ دو ہزار برس میں صرف سترہ ہی پشتیں گذری ہوں۔ اس سے دو یا تین پائی جاتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ایک زمانہ لوگوں نے اپنے دستخط کرنے چھوڑ دئے۔ یا مدتوں اس طرف لوگوں نے خیال نہ کیا۔ لیکن مؤخر الذکر صورت میں یہ قرار دینا مشکل ہے کہ کس نے اس خیال کی تجدید کی۔ اور کب کی ٭

نہ معلوم ایبن کے والد کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اُن کا خاندان رُوم سے فرانس اور فرانس سے انگلستان کب منتقل ہوا۔ اس تبرک سے تو کچھ پتہ نہیں

چلنا۔ البتہ سُرخی سے ایک تلوار اور ایک صلیب کی صورت بنی ہوئی ہے۔ اور خون کی سی چھینٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ جس کے معنی میں نے اپنے ذہن میں یہ قائم کئے ہیں۔ کہ اس خاندان کے لوگ کبھی کسی صلیبی جنگ میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس تلوار اور صلیب کے نیچے ایک اور تحریر ۱۵۶۴ء کی لکھی ہوئی ہے:

"عجیب قصّہ ہے جس میں والد کی جان گئی۔ وہ اسی کے فکر میں گئے تھے کہ ان کا جہاز پرتگیزوں نے غرق کر دیا"

سب سے آخر میں ایک مقام پر یہ لکھا ہوا تھا:۔

"آسمان پر لاکھوں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ تمہارا فلسفہ بھی ان تک نہیں پہنچتا"

اب ہمیں صرف دوسرا ترجمہ دیکھنا باقی رہا۔ یہ عبرانی میں تھا۔ میرے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ترجمہ کس غرض سے کیا یا کرایا گیا۔ اور اس سے کس موقعہ پہ کام لیا گیا تھا:

غرض میں نے یہ سب کچھ دیکھ پڑھ کر امین سے کہا کہ "بھئی میں تو رائے لگا چکا تم بولو"؟

امین ۔ "پہلے آپ اپنی رائے بیان کیجئے"

میں ۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کپّی کا ٹکڑا اصلی ہی ہے۔ اور تمہارے خاندان میں چار صدی قبل از مسیح سے برابر امانت چلا آرہا ہے (مسکراکر) اس کے متبرک ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بھی شک نہیں ہے۔ کہ یہ تحریر یا تو خود شہزادی کے قلم کی ہے۔ یا اسکی ہدایت سے اُس کے سامنے ہی لکھی گئی ہے۔ اور جو کچھ اس نے لکھا یا لکھوایا ہے اپنے نزدیک بالکل صحیح سمجھ کر۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ اس کی عقل کو مصیبتوں۔ اور بالخصوص شوہر کے مرنے نے سلیم نہیں رہنے دیا تھا۔ چونکہ اس تحریر کے وقت اُس کا دماغ اس کے قابو میں نہ تھا۔ لہذا یہ قابل اعتبار نہیں ہے"

امین ۔ "لیکن والد مرحوم نے جو کچھ سُنا اور دیکھا ان کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں"؟

میں ”یہ کیا بڑی بات ہے - بھئی سب جانتے ہیں کہ دامن افریقہ پر بڑے بڑے پہاڑ ہیں - ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کی چوٹی دُور سے اِنسانی چہرہ کی سی معلوم ہوتی ہو - یہ بھی معلوم ہے کہ اس طرف کے لوگ بگڑی ہوئی عربی بولتے ہیں - میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ اس طرف دلدل بھی بہت ہے - اچھا پھر اس سے کیا - تم اس کو بھی ثابت کردوگے کہ حبشیوں میں کوئی خوبصورت گورے رنگ کی عورت بھی پیدا ہوگئی ہے - اور سب سے زیادہ یہ عجیب امر کہ وہ موت سے بچ بھاگی ہے - بھائی میں تو تا وقتیکہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں - ایسی ہزلیات کا کبھی اعتماد نہ کرونگا - اور یہ تم اطمینان رکھو کہ کوئی ذی عقل کبھی ایسی صورت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا - بُرا نہ ماننا اصلیّت یہ ہے کہ تمہارے والد اس تحریر کے کچھ ایسے معتقد تھے کہ اسی نے ان کی جان لی - اور اسی اعتقاد کے خبط میں جو کچھ تم دیکھ رہے ہو لکھا ہے - ایّوب! تمہاری کیا رائے ہے - آخر تمہیں بھی اللہ نے عقل دی ہے“

ایّوب ”جی کیا بتلاؤں - آپ پڑھے لکھے ہیں آپ نے سوچ سمجھ کر وہی بات کہی جو میں اسی وقت کہہ دیتا - اور یہ (ابین) تو بچے ہیں“

ابین ”(مسکراکر) ممکن ہے کہ آپ دونوں صحیح کہتے ہوں - میں اِن تحریرات کی نسبت اپنا کوئی خیال ظاہر نہیں کرتا - اتنا ضرور ہے (اور انشاء اللہ اپنے مقدور بھر میں یہ کرکے دکھا دونگا) کہ میں اس قِصّہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا ہُوں خواہ آپ میرا ساتھ دیں یا نہ دیں - میں اُدھر جاکر ضرور پتہ لگاؤنگا“

ابین کو میں نے بالکل مستعد پایا - اگر اُن کا بس چلتا تو شاید وہ اُسی وقت چل کھڑے ہوتے - میں نے دو چار مرتبہ اُن کو پس و پیش سمجھایا - مگر اُن کا ارادہ ایسا نہ ہُوا تھا - کہ وہ فسخ کر دیتے - مجھے ان کی مفارقت کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتی تھی - کیونکہ دُنیا میں سواء اُن کے نہ میرا کوئی بیٹا تھا نہ بھائی نہ دوست آخر میں بھی چلنے کو راضی ہوگیا - بالخصُوص اِس لئے کہ ادھر شکار خُوب ملے گا - باقی اس تحریر کی صحت و غیر صحت کی تحقیقات؟ یہ معلوم!

امین:۔ "اب روپیہ کی کیا سبیل ہوگی"؟

میں نے ان کو تمام حساب دکھلایا۔ اور کہا کہ اگر تم چلنا ہی چاہتے ہو تو پہلے میرا اندوختہ خرچ ہوگا۔ اگر وہ مکتفی نہ ہو تو بنک سے تمہارا روپیہ لے لیا جائیگا"۔

امین:۔ "بس تو ان چیزوں کو تو اُٹھا رکھئے۔ اور آج ہی سے چلنے کا فکر کیجئے۔ نئی بندوقیں خریدنی ضروری ہیں۔ ایّوب! تم بھی چلوگے نا؟ تمہارے بغیر میرا جی کہیں نہ لگے گا"۔

ایّوب (آنسو پونچھتے ہوئے) "میں تو تمہیں کبھی نہ جانے دیتا۔ مگر کیا کروں بچپن سے تمہارا یہی حال دیکھتا ہوں۔ بس جو ضد تمہیں چڑھی چڑھی۔ لیکن جاتے ہی ہو تو بھلا میں یہاں رہ کر کیا کرونگا۔ امین! سچ جانو کہ تمہیں میں نے اپنے بیٹوں سے زیادہ محبّت سے پالا ہے۔ مجھ سے یہاں تمہارے بغیر نہیں رہا جائیگا۔ اور سیر شکار کا تو مجھے شوق ہے نہیں۔ یہ تم دونوں جانو"۔

میں:۔ "ان کا لڑکپن سب کو خراب کریگا۔ ایّوب! اگر چلتا ہو تو اچھی طرح سمجھ سوچ کر یہ نہیں کہ ان کے کہنے میں آجاؤ"۔

ایّوب:۔ "نہیں میں نے سمجھ سوچ لیا"۔

امین:۔ "اچھا تو اب مہربانی کر کے ایک کام اَور کرنا کہ ذرا اس کا کسی سے ذکر نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ پاگل بنائے جاؤ گے۔ اور اگر لوگ مجھ سے تحقیق کرنے آئیں گے تو میرے خطابات پر ایک اَور خطاب بڑھ جائیگا!"

غرض آج سے تین مہینہ بعد ہم زنجبار کی طرف جہاز میں روانہ ہوگئے۔

دہانِ غنچہ بوسیدم زخود رفتن بیاد آمد
بکف دامانِ بوئے گل گرفتم از چمن رفتم

باب چہارم

سر شکم بے تو رفتہ در باشد تماشا کن
بیا در کشتئ چشم نشین و سیر دریا کن

وہ قاہرہ کی چہل پہل۔ وہ جامع ازہر کی لطیف بحثیں۔ وہ بڑی بڑی کتابوں کی جلدیں سب خواب و خیال ہوگئیں۔ اب آنکھوں کے سامنے سمندر دُور تک خالق اکبر کی بچھائی ہوئی سفید آب رواں کی چادر۔ اس پر ایک لطافت کے ساتھ آسمان کا شامیانہ تنا ہوا۔ چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئیں جہاز کی مستانہ رفتار۔ نظارے تھے جن کو چاندنی رات کے ستارے بھی آنکھیں مل مل کر دیکھ رہے تھے۔ باریک ہوا نے جہاز کے بادبان کو کسی ترسے ہوئے عاشق کے آغوش کی طرح پھیلا رکھا تھا۔ جہاز کے تھپیڑوں سے پانی چیخ چیخ اُٹھتا تھا۔ اور جدھر سے موقع پاتا تھا نکل جاتا تھا۔ آدھی رات گذر گئی ہوگی تمام مسافر پڑے سوتے تھے۔ ایک میں اور ایک اَور عرب ملّاح جعفر نامی جاگتے تھے جعفر نے کچھ گنگنانا شروع کیا۔ سماں ایسا تھا کہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا میں دفعتاً اُٹھ بیٹھا۔ اور میرے ساتھ ہی ایوب بھی گھبرا کر "کیا ہے"؟ کہتا ہوا بیٹھ گیا۔ میں نے صرف اُنگلی کا اُدھر اشارہ کیا۔ اور ایوب بھی محو ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں اس نے گانا ختم کر دیا۔ اور ہم تینوں لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔

میں "کپتان کہتا تھا کہ اگر ہوا ایسی ہی موافق رہی تو ہم کل دس بجے تک کنارے جا لگینگے"۔ بھئی میں تو اُترتے ہی اپنی بندوق اُٹھاؤنگا اور تازہ شکار کے کباب کھاؤنگا"

ایوب "اور کھاتے ہی اُس ویران شدہ شہر کی تحقیقات شروع کر دینگے"۔

میں "مہمل! کہاں کا شہر اور کیسی تحقیقات! سہ پہر کو تم جعفر ملاح سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ کچھ معلوم بھی ہُوا؟

ایمن "نہیں کوئی خاص بات تو نہیں معلوم ہوئی۔ البتہ یہ تحقیق ہو گیا کہ اُدھر دلدلیں بہت ہیں۔ سانپ بھی بہت سُنے جاتے ہیں۔ اور شکار کی تو انتہا نہیں۔ آبادی وہاں ہے نہیں۔ بس جہاں دیکھو دلدل ہی دلدل نظر آتی ہے۔ خیر دلدل ہمارا کیا کر لیگی"۔

میں "آپ کے نزدیک کچھ کر ہی نہ لیگی! آخر زہریلے بخارات جو اُٹھتے ہونگے وہ کس گھر جائینگے؟ بھلا خیال تو کرو یہ لوگ جنہوں نے اسی ملک کا دُودھ پیا ہے۔ اس قطعے کو دشوار گزار بتاتے ہیں۔ بھلا ذرا ان میں سے کسی سے کہہ کے تو دیکھو کہ تم کہاں جا رہے ہو اگر چھوٹتے ہی پاگل نہ کہہ دیں تو میرا ذمہ۔ اور ہیں بھی سچے۔ دیکھئے ان آنکھوں کو پھر بھی قاہرہ کی گلیاں دیکھنی نصیب ہوتی ہیں۔ اور خیر میرا تو قاہرہ میں کیا دھرا ہے۔ مجھے تو تمہارا اور ایّوب کا خیال ہے"۔

ایمن "خیر۔ اب جو ہو سو ہو۔ میں تو بغیر تحقیق کئے پھرتا نہیں۔ بیش بریں نیست کہ یہیں کہیں جانوروں کا طعمہ ہو جاؤنگا۔ ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ یہ تو دیکھئے! یہ بادل سا کیا ہے؟"

میں نے ایّوب سے کہا کہ جا کر ملاحوں سے دریافت تو کرو۔ لیکن اتنے ایّوب آتے ہی آتے رہے۔ ایمن خراٹے لینے لگے۔ ایّوب نے آکر کہا کہ "وہ لوگ کہتے ہیں یہ بادل ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندیشہ کا مقام نہیں ہے یہ ہم تک نہیں پہنچیگا۔ اس کا رُخ اَور طرف ہے"۔

ہم اپنے دریائی سفر شروع کرنے سے پہلے کپتانوں وغیرہ سے یہ معلوم کر چکے تھے کہ معلومہ چوٹی تک جہاز نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ کئی چھوٹی نہروں سے عبور کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہم نے احتیاطاً اپنی ضرورتوں کے موافق فرمایش کرکے ایک کارخانہ سے ایک چھوٹی سی کشتی کوئی دس گز لمبی بنوا لی تھی۔ اس کے اندر دو چھوٹے چھوٹے کمرے نکلوائے تھے۔ جن میں نہایت احتیاط کے ساتھ پانی کا رُکاؤ کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک میں ہم نے مایحتاج جنس کپڑے۔ بندوقیں۔ جزدی دوائیں۔ مثلاً کونین اور اَور ضرورت کی چیزیں پہلے رکھ کر جہاز سے بندھوا لی

تھیں۔ تاکہ موقعہ پر ہمیں صرف اس میں کو دکر رسے کھول ڈالنے باقی رہ جائیں۔ اس وقت کہیں ایوب یہ دیکھ آئے تھے کہ ملاح اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک مناسب معلوم ہوا کہ کشتی ہی میں جا سوئیں۔ مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ وہ ادھر گئے۔ اور میں نے یہاں سو جانے کی کوشش کی۔ میں کوئی گھنٹہ بھر کامل کروٹیں بدلتا رہا۔ لیکن نیند نہ آئی۔ امین البتہ بے خبر سو رہے تھے۔ بلکہ سوتے سوتے بڑائے اور ان کی باتوں پر میں زور سے ہنسا بھی مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ خدا خدا کر کے میری آنکھ لگتی ہی چلی تھی کہ یکایک ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ اور اس کے ساتھ ہی پانی کا تھپیڑ منہ پر پڑا۔ ملاح بادبان گرانے کے لئے دوڑے۔ مگر ہوا اس زور کی تھی کہ ان کی ایک پیش نہ گئی رسے کھل ہی نہ سکے۔ میں بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ امین کو بہت جھنجوڑا۔ مگر وہ ایک دو کروٹیں بدل کر پھر خراٹے لینے لگے۔ اس پریشانی میں میں جگاتے جگاتے بہت ہی جلد تھک گیا۔ جان بڑی عزیز ہوتی ہے۔ گھبرا کر میں بھی ایک رسا پکڑ کر کھڑا ہوا۔ ابھی تک چاند اپنے پورے جوبن پر تھا۔ اور سوا ایک طرف کے آسمان بالکل صاف تھا۔ لیکن وہی بادل کا ٹکڑا چاند کی طرف یلغار کئے چلا آرہا تھا۔ آخر چاند چھپ گیا۔ اور اندھیرا گھپ ہو گیا۔ اور اس پر قیامت یہ کہ ہوا اور بھی تیز ہو گئی۔ اور پانی کے تھپیڑے بھی بڑھ گئے۔ میں نے بڑھ کر پھر امین کو اٹھانا چاہا۔ مگر دو ہی قدم چلا ہونگا۔ کہ ادھر تو جہاز نے ایک ٹھوکر لی۔ اور اُدھر پانی کی چادر نے لپیٹا۔ اتنی ہی دور میں چار مرتبہ سر پھوٹا۔ اور دم خفہ ہونے میں تو کوئی کسر رہ ہی نہیں گئی تھی +

اتنے میں بادبان کے ایک طرف کے رسّے ٹوٹے۔ اس وقت بادبان صاحب کی بالکل یہ صورت تھی کہ گویا ایک مری ہوئی چیل بانس میں لٹک رہی ہے۔ اب جہاز رہا سہا اور بھی مخدوش ہو گیا +

ہر شخص سخت پریشان تھا۔ بعض چلا رہے تھے۔ اور بعض خاموش مبہوت کھڑے تھے کہ یکایک مجھے ایوب کی آواز آئی کہ اپنی کشتی میں سے گلا پھاڑ پھاڑ

کر مجھے اور ایبن کو پکار رہا ہے۔ میں نے ایک دفعہ پھر ایبن تک جانے کی کوشش کی۔ مگر کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ قضاء الٰہی پر صبر کر کے میں کشتی میں کود پڑا اور میرے ساتھ ہی جعفر عرب بھی۔ اور اس نے کودتے ہی وہ رسّے کاٹ دئے جن سے ہماری کشتی بندھی ہوئی تھی۔ جعفر ایک تجربہ کار ملاح تھا۔ وہ جہاز کو ڈوبتا دیکھ چکا تھا۔ اگر کہیں وہ ایک منٹ بھی رسّے کاٹنے میں غفلت کرتا تو جہاز ہماری کشتی سمیت ڈوبتا اور ہمارے بنائے کچھ نہ بنتا ؀

ایبن کے ڈوبنے کے صدمہ سے میں اور ایوب سکتہ کی سی حالت میں تھے کہ جعفر نے آواز دی کہ کھڑے کیا ہو جلدی بیٹھ جاؤ ورنہ ڈوبتے ہو۔ وہ پانی آیا ہم دونوں گھبرا کر بیٹھے کیا لیٹے ہی تھے۔ کہ پانی کی سفید چادر ہمارے اوپر سے اس خوبصورتی کے ساتھ گذری کہ ہم پر ایک چھینٹ بھی نہ پڑی۔ اگر کہیں یہ کشتی میں رہ جاتی تو نتیجہ معلوم ؀

ابر چاند پر سے کچھ ہٹ گیا تھا۔ اور قریب قریب کی چیزیں نظر آنے لگی تھیں کہ مجھے دُور سے ایک کالا کالا کمبل یا لکڑ اپنی طرف بہتا ہوا نظر آیا۔ جب قریب پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے۔ وقت تو ایسا تھا کہ آدمی کو اپنی ہی جان دوبھر تھی۔ مگر میری ہمدردی نے گوارا نہ کیا۔ اور میں نے دوڑ کر ڈوبنے والے کا بازو پکڑ لیا۔ میں بہت ہی قوی آدمی ہوں۔ لیکن وہاں اُس لطیف اور پُرزور عنصر کے سامنے انسان کے جزوی عناصر کہاں تک زور کر سکتے ہیں میں نے اگر اپنی مدد کے لئے جعفر کو نہ بلا لیا ہوتا تو بالیقین میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہوتا بہرحال بصد خرابی ہم نے اُس شخص کو نکالا۔ دیکھا تو ایبن! اب یہ خبر نہیں کہ زندہ ہیں یا مُردہ۔ بہرحال ہاتھ پیر پکڑ ایک کمرہ میں جا لٹایا۔ اللہ اللہ کسقدر خوشی اور اطمینان ہوا ہے۔ مگر ساری خوشی اور اطمینان ایک اور موج نے کرکرا دیا۔ لمحہ ہی بھر میں دیکھا تو ہم گھٹنے گھٹنے پانی میں کھڑے تھے۔ جعفر کشتی کی سمت صحیح رکھنے کے اہتمام میں تھا۔ وہ وہیں سے چلایا کہ خدا کے لئے پانی جلدی نکالو۔ ورنہ اب کی موج میں کشتی گئی! ہم دونوں نے پانی نکالنا شروع کیا۔ اور غنیمت ہے کہ دوسری

موج سے پہلے کشتی کو صاف کر دیا ؛
اگرچہ موج نے ہمارے اُوپر تھوڑی دیر کے لئے عنایت کی لیکن دقت یہ ہوئی کہ ہَوا اَور بھی تیز ہو گئی۔ کشتی پہلے ہی پتہ ہو رہی تھی۔ اَب لگی چکر کھانے۔ جعفر کی ایک کوشش بھی کارگر نہ ہوئی۔ کوئی دس منٹ ہم چکر میں رہے ہونگے کہ خدا خدا کر کے کشتی سیدھی ہوئی۔ تازہ مصیبت یہ پیش آئی کہ جہاز کے ٹوٹے ہوئے لٹھے اور تختے ہماری کشتی کے گرد ہو گئے۔ اب ان سے راستہ صاف کرانا ذرا کام تھا۔ چپّو لگانے شروع کئے۔ ایّوب اور میں نے چپّو کبھی لگائے ہوں تو جانیں۔ جعفر کی جگہ سکّان پر ایّوب کو کھڑا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جعفر کے چپوؤں نے بڑا کام کیا ورنہ لٹھے کشتی کا کبھی پیچھا نہ چھوڑتے ؛
ہماری کشتی دو چار سَو ہی قدم گئی ہو گی کہ پھر ہَوا کا جھونکا اور موج کی بلا آئی اور پھر پانی کشتی میں بھر گیا۔ مگر اس مرتبہ پہلے کی بہ نسبت کم۔ عجیب مصیبت تھی تین آدمی کیا کریں۔ جعفر کو چپوؤں پر چھوڑ کر میں نے تنہا سارا پانی نکالا۔ شکر ہے کہ پھر موج نے ہم پر حملہ نہ کیا۔ اور ہَوا بھی رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔ اور کشتی کی سمت بھی صحیح ہو گئی۔ لیکن دریا کے تلاطم میں اب تک کمی نہ آئی تھی۔ مگر خیر گو نہ اطمینان تو تھا۔ میں امین کی طرف دوڑا۔ کانپتے ہاتھوں سے نبض دیکھی تو چلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ امین گھبراہٹ کے ساتھ اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ "کیا اذان ہو گئی؟" میں نے کہا "نہیں ابھی بڑی دیر ہے تم سو جاؤ"۔ وہ پھر لیٹ کے خرّاٹے لینے لگے۔ میرے دل پر امین کے اس سوال کا بڑا اثر ہوا۔ اور کچھ ہنسا بھی کہ آپ اپنے نزدیک قاہرہ میں سو رہے ہیں۔ میں نے خود کو ایک لڑکے کی ناتجربہ کاری کے سپرد کر دینے پر بڑی ملامت کی۔ اور "اگر خواہی سلامت بر کنار است" کے صحیح معنی آج سمجھ میں آئے۔ بہر حال اب کیا ہو سکتا تھا مشکل یہ تھی کہ بظاہر ابھی مصیبتوں کا آغاز ہی تھا۔ طوفان کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ آسمان دُھل کر صاف ہو گیا ہے اور چاند اَور بھی نکھر آیا ہے۔ ہم نے اپنے بال بال بچنے پر دو دو رکعت نماز شکرانہ

پڑھی اگرچہ بہت ہی تھکے ہوئے تھے۔ لیکن ہول سونے نہ دیتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چاند آہستہ آہستہ نئی دُلہن کی طرح لجایا ہُوا گویا ایک کوٹھری میں جا گھسا۔ ستاروں نے خدا جانے کیا دیکھا کہ شرما شرما کر نکل آئے۔ اور کھِل کھِلا کر اپنے ہمجولیوں سے ہنسنے لگے۔ سمندر کی بھی اب آنکھ لگ چلی تھی۔ اور کفِ دریا میدان خالی پاکر کسی شرمیلی موکمر کی طرح گویا پائیں باغ میں ٹہلنے نکل آئے تھے۔ یہ سماں بجائے خود ایسا تھا کہ اگر دو روز باقی رہتا تو سچ کہوں میرا تو جی نہ بھرتا۔ لیکن لِکُلِّ اُمَّتٍ اجلٌ۔ آفتاب کے ہرادلوں کو دیکھ کر ستارے زرد ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ زمین کو نظرِ حسرت سے دیکھ کر رخصت ہونے لگے +

میں نے امین کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اور ہم تینوں نے اوّل وقت صبح کی نماز پڑھی۔ آفتاب اُور بلند ہُوا اور دشت وجبل پر اس کا پرچم اُڑنے لگا۔ روشنی کے فرشتوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ظلمت کو پردۂ دنیا سے محو کر دیا۔ پہاڑ اور میدان۔ دیدہ ونادیدہ اشیا نے اقتباس نور کیا۔ اور ذوی الارواح کو ایک نئی حرارت نے اُٹھا بٹھایا +

اللہ اللہ دُنیا میں بھی عجیب متناقض تماشے نظر آتے ہیں۔ اس وقت ایک ہم ہیں۔ کہ اپنے نزدیک اس لطف میں محو ہیں۔ لیکن کوئی ذرا ان اٹھارہ حسرت نصیبوں کی تو خبر لے جن کی لاشیں بے گور وکفن دریا میں بہتی پھر رہی ہیں۔ کاش قیامت تک بہتی ہی رہتیں کہ غافل اِنسان کو عبرت کا تازیانہ ہوتا۔ اُن کو تو کبھی کا مچھلیوں نے تکا بوٹی کر لیا ہو گا +

آفتاب کا طلوع وغروب بھی خلقت اِنسان و ما یتعلق بہا سے عجیب مماثلت رکھتا ہے۔ اس کا نکلنا اور ڈوبنا اِنسان کی پیدایش وموت کی ایک عجیب بیّن مثال ہے۔ کاش خدا چشم بصیرت عطا فرمائے۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ یہی آفتاب جو آج نکل کر ہمیں محظوظ کر رہا ہے۔ کل ہمارے اٹھارہ ساتھیوں کی قسمت بلکہ زندگی کو ایسا لے کر ڈوبا تھا کہ پھر نہ اُبھرنے دیا۔ اور اُن کے لئے تو قیامت تک گویا آفتاب طلوع ہی نہ ہو گا۔ خدا کی قدرت اس نے نہ معلوم

کس مصلحت سے ہم چار آدمیوں کو بچا لیا۔ لیکن ایک وہ دن بھی آنے والا ہے کہ آفتاب کا طلوع ہمارے لئے آخری ہو۔ اور ہم بھی قیامت تک ان ہی کی فہرست میں داخل ہو جائیں۔ جن پر اس وقت ہم بیٹھے افسوس کر رہے ہیں۔ اور ہمارے اُور ہم جنس اسی طلوع کا لطف اُٹھائیں اور شاید عین شباب میں وہ بھی آفتاب کو ڈوبتا دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے موت کے برحق ہونے کا گمان کرلیں!

غرض اس متلون الکیف چیز کا نام ہے۔ حضرت اِنسان! اللہ۔ اللہ۔ اللہ!

باب پنجم

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

آخر کار آفتاب کے ہراولوں نے اپنے نزدیک اندھیرے کو شکست دے کر اپنا کام ختم کرلیا۔ لیکن بقول محققین علم طبیعات کہ دنیا کی کوئی چیز بکلی معدوم نہیں ہوتی۔ جابجا سایہ پھر بھی باقی رہ گیا۔ آفتاب نے سمندر میں نہا کر زندگی تازہ پائی ہے۔ اور آج گویا کل سے زیادہ زور و شور کے ساتھ اُٹھا ہے۔ میں وظیفہ پڑھتے ہوئے ٹہل رہا ہوں۔ ایوب ایک گوشہ میں بیٹھا تلاوت کر رہا ہے۔ اور اس وقت معلوم ہوا کہ جعفر حافظ ہیں۔ وہ سُکان پر کھڑے ہُوئے اپنے ملکی لہجہ میں قرآن مجید کا اعجاز دکھلا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ جو میری نظر پڑتی ہے تو ہم سے کوسوں دور ایک پہاڑی نظر آتی ہے۔ جس پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی حبشی بیٹھا سیر کر رہا ہے۔ میں عجیب حیرت میں اُس طرف بغور دیکھ رہا ہُوں۔ اور جیسے جیسے ہماری کشتی آگے بڑھتی ہے وہ پہاڑی اور حبشی ہماری طرف بڑھتے آتے ہیں۔ یہانتک کہ اب صاف صورت نظر

آنے لگی۔ یہ پہاڑی سطح زمین پر ڈیڑھ سَو گز سے زیادہ نہ ہوگی۔ لیکن اُوپر جاکر تو میرے اندازہ میں صرف آٹھ دس گز چوڑی رہ گئی۔ اس پر ایک آدھ گز لمبی گردن اور اُس پر ایک بڑا مہیب سر جو اتنی دُور سے بھی بڑا ہی نظر آرہا تھا۔ حبشی کے چہرہ میں اور اس میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہی موٹے ہونٹھ چپٹے گال موٹی اور چوڑی ناک۔ مدوّر سر۔ خونخوار بشرہ۔ اگر کچھ کسر باقی رہ گئی تھی تو سر پہ جو گھاس اُگ آئی تھی اُس نے پُورا کر دیا تھا۔ ایک عجیب چیز تھی۔ اگر میرا قیاس صحیح ہو تو یہ کارکنانِ قضا و قدر کی صناعی نہ تھی۔ بلکہ انسان کے بے بنیان ہاتھوں کا کام تھا۔ ممکن ہے کہ کسی تباہ شدہ قوم نے اس کو ایک قسم کا طلسم بنایا ہو۔ یا اپنے بیرونی دشمنوں کے ڈرانے کو یہ صورت قائم کی ہو۔ بہرحال میں اپنے قیاس کی تصحیح و تغلیط کی کبھی تحقیق نہ کرسکا۔ کیونکہ وہ پہاڑی اگرچہ کچھ ایسی اونچی نہ تھی۔ لیکن خشکی و تری دونوں طرف سے اُوپر چڑھنا محال تھا۔ وہ کسی کا بنایا ہُوا ہو۔ اس میں تو کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ کم سے کم دو ہزار برس اور اس سے خدا جانے کس قدر پیشتر سے گردش زمانہ کا منہ چڑا رہا ہے۔ اور قیاس تو یہی چاہتا ہے۔ کہ قیامت کے بورئیے بھی سمیٹے ۔

ایّوب تلاوت ختم کر کے میری طرف آیا۔ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ میں نے وہ عجیب چیز اُس کو دکھلائی ۔

ایّوب"۔ اللہ اکبر! یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تصویر کھنچوانے بیٹھے ہیں!"
مجھے اس فقرہ پر بڑی ہنسی آئی۔ میرے قہقہہ کی آواز سے ابین بھی جاگ اُٹھے۔ میں اُن کو بیٹھا دیکھ کر اُدھر گیا۔ آنکھ مَلا کر فرماتے ہیں۔ کہ "میرے کپڑے کیوں بھیگے ہُوئے ہیں۔ یہ جہاز نہیں ہے۔ ایّوب میرا بدن بالکل جکڑا ہُوا ہے۔ قہوہ بناؤ"۔

میں"۔ غنیمت سمجھو جکڑے ہوئے ہو اکڑے ہوئے نہیں۔ جہاز ڈوب گیا۔ اور اس کے ساتھ سارے ساتھی۔ خدا نے ہم چار کو بچایا ہے۔ اور تمہارا زندہ رہنا تو بالکل ایک معجزہ ہے"۔

امین "سبحان اللہ! کیا آپ صحیح کہ رہے ہیں؟"

مجھے اِس سوال پر بہت ہی غصہ آیا - میں نے کچھ جواب نہ دیا - اس میں کہیں وہ حبشی کا سر اُن کی نظر پڑ گیا - بس اب کیا تھا - اُچھل پڑے - اور اپنے نزدیک بالکل نئی چیز دکھلا کر کہنے لگے "عمو! دیکھئے وہ رہا حبشی کا سر"!

میں (مسکرا کر) "سوتے ہیں یا جاگتے ہیں"؟

امین "بس اب تمام باتیں صحیح ہیں - کچھ شک نہیں"۔

میں "ضرور صحیح ہیں - تمہاری بات بات میں اب تک لڑکپن ہے - ایک چیز پر تمام باتوں کا مدار نہیں ہو سکتا - یہ تو ہم جانتے ہی تھے اور تمہارے والد نے بھی اس کا ذکر کیا ہے - علاوہ ازیں ممکن ہے - کہ یہ وہ نہ ہو جس کا ذکر تمہاری مورثہ علیا نے کیا ہے"۔

امین "(مسکرا کر) آپ کو تو معقولات نے بالکل اُن یہودیوں جیسا بنا دیا ہے جو موسےٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ پہلے ہمیں خدا دکھلا دو تب ایمان لائینگے - اچھا ہُوا میں نے فلسفہ نہیں پڑھا"۔

میں "درست! اب تمہیں ایک اور نئی بات معلوم ہوگی کہ ہماری کشتی ریت میں پھنسا ہی چاہتی ہے - ایوب چپوؤں کی خبر لو - حافظ جعفر کو ہوشیار کر دو خشکی کی طرف چلنا چاہیئے - تھوڑی دیر خشکی پر اُتر جائیں تو اچھا"۔

یہاں دریا سے ایک نہر جیسی کٹی تھی - جو بظاہر زیادہ چوڑی نہیں نظر آتی تھی - آگے کوئی ایک میل پر خشکی معلوم ہوتی تھی - لیکن اس کے آگے زمین کا پھیر ہماری نظروں کو کام نہیں کرنے دیتا تھا - نہر میں پہنچے تو اس کے کنارے بہت اُونچے پائے - دونوں طرف سیکڑوں گھڑیال پڑے دھوپ لے رہے تھے - اُن سے بچ کر ذرا آگے بڑھے - اور ایک محفوظ جگہ ٹھیرے - کشتی کو ایک بڑے درخت سے مضبوط کر کے باندھ دیا - نہائے دھوئے - کپڑے سُکھائے - اور کھا پی کر اس خشکی کے قطع کو دیکھنا شروع کیا - وہ قطع کوئی دو ہزار گز لمبا اور ہزار گز چوڑا تو بے شک خشک تھا - باقی تین طرف دلدل سے اور ایک طرف دریا سے محصور

تھا۔ جہانتک نظر کام کرتی تھی دلدل ہی دلدل نظر آتی تھی۔ اس قطع کے محفوظ رہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ یہ دلدل کی سطح سے کوئی بیس گز اُونچا تھا۔ اور اس کی تمام صورتیں یہ کہتی تھیں کہ قدرتی نہیں آدمیوں کا بنایا ہوا ہے ۔

امین (وثوق کے ساتھ) "عمو! یہ جگہ کسی زمانہ میں بندر رہی ہے"۔

میں "پھر وہی مہمل! ایسا احمق کون ہوگا کہ ان دلدلوں میں۔ اس وحشی آبادی میں (اگر یہ مقام کبھی آباد رہا ہو) بندر بنائیگا! آخر جہاز یہاں خاک لاتے ہونگے!"

امین "عمو! ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں نہ یہاں دلدل ہو۔ نہ وحشی اقوام بستی ہوں میں قیاس نہیں لگاتا۔ بلکہ ایک دلیل سے کہ رہا ہوں۔ وہ دیکھئے ایک بڑا اتنا ور درخت جڑ سے نہیں اُکھڑ پڑا ہے۔ (مسکراکر) شاید رات ہی کے طوفان سے گرا ہو۔ اس کی جڑ پتھر کی مضبوط بنیاد کو لے کر اُکھڑی ہے۔ اگر بنیاد نہیں تو دیوار تو ضرور ہے"۔

میں "مہمل"۔

یہ کہکر میں دوڑا گیا۔ دیکھا تو واقعی گچ کی دیوار یا بنیاد تھی۔ حیرت میں دم بخود رہ گیا۔ اتنے میں امین بھی مسکراتے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے میرے پاس آگئے۔ میں بیٹھ کر بغور دیکھنے لگا۔ اپنا شکاری چھُرا نکال کر چونہ ہٹانا چاہا۔ مگر خدا جانے کس بلا کا چونہ تھا۔ کہ ٹس سے مس نہ ہُوا۔ اسی کوشش میں ایک جگہ کی مٹی گری اور اندر سے پتھر کا ایک بڑا اکڑا نکلا جو اندازاً آدھ گز مدوّر اور کوئی چار گرہ موٹا ہوگا۔ اس کو نکالنے کی کوشش کرکے بھی تھک گیا ۔

امین "عمو! کہئے اب بھی یقین آیا! اب پھر مہمل کہدیجئے۔ کچھ شک نہیں کہ یہ بندر ہے۔ اور انہی کُنڈوں میں جہاز باندھے جاتے ہونگے۔ اور اب تو میں دعوے سے کہونگا کہ وہ تحریر فرضی افسانہ نہیں ہے۔ اصلیت ضرور نکلے گی"۔

امین گویا میرے خیالات کا اظہار کررہے تھے۔ اور میں خاموش کھڑا اُن کا منہ تکتا تھا

میں "یہ تو ممکن نہیں کہ افریقہ جیسے ملک میں پرانے زمانہ کے تہذیبوں کے آثار نہ پائے جائیں۔ مصرعتیق کے تمدن کو کون نہیں جانتا کہ اتنا پُرانا ہے۔ کہ آدمی

آج اس کی قدامت کا زمانہ بھی مقرر نہیں کر سکتا - پھر بابل اور نینوہ کو لو - پھر ایران[۱] پر نظر ڈالو - علیٰ ہذ القیاس یہودی او ہندی - ممکن ہے کہ ان میں سے کسی قوم کا یہاں قدم پہنچا ہو ؀

امین "تو یہ پہلے ہی کیوں نہ فرمایا تھا؟"

میں (شرماکر) "اچھا اب کیا کیا جائے؟ آئندہ کا فکر مقدم ہے"؀

امین نے کوئی جواب نہ دیا - میں نے آگے بڑھ کر دلدل کو دیکھا تو کوسوں تک پھیلی تھی اور جیسے جیسے آفتاب کی تمازت بڑھتی جاتی تھی اس میں سے زہریلے بخارات زیادہ اُٹھتے معلوم ہوتے تھے - اور گرمی الگ دشمنی کر رہی تھی ؀

میں نے واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ - دلدل کے پار جانا ناممکن ہے اور اگر یہاں ٹھیرتے ہیں تو بخار سے مر جائیں گے - اب تو دو ہی صورتیں ہیں - یا تو نہر نہر ہو کر چلو اور بیماری کی پرواہ نہ کرو - یا پھر دریا کے جھلکہ میں پڑو"؀

امین "میں تو اپنے نزدیک نہر میں چلنا مناسب سمجھتا ہوں"؀

اگرچہ ایوب اور جعفر کو یہ رائے پسند نہ آئی - لیکن میں امین کا مطلب سمجھ گیا اور اصل یہ ہے کہ حبشی کے سر اور اس بندر کی دیوار کو دیکھ کر میری رائے بھی بالکل بدل گئی - میں خود اپنے تعجب کو مٹانا اور اپنی تحقیقات کو بڑھانا چاہتا تھا میں نے بھی نہر میں سفر کرنا مناسب سمجھا - بادبان چڑھا لیا گیا - ہوا ہمارے موافق

---

[۱] مشرقی افریقہ میں زنجبار سے کوئی ۰۰ ہ میل کے فاصلہ پر ایک بڑا ٹیلہ تھا - اتفاقاً دریاؤں کو طغیانی ہوئی - اور اس ٹیلہ کی مٹی بہہ گئی - اور کچھ قبریں معلوم ہوئیں - یہ ایرانیوں کی تھیں اور کم سے کم سات سو برس کی پُرانی معلوم ہوتی تھیں - اگرچہ اس سے بھی پُرانی قبریں ہیں - لیکن اُن پر کتبے نہ تھے - اس کے نیچے ایک بڑے شہر کے کھنڈر معلوم ہوئے - اور وہیں قریب ہی ایک اور شہر نکلا - اُسی میں چند برتن دفن نکلے ہیں جو چینی جیسی مٹی کے نہایت سُبک اور خوبصورت بنے ہوئے ہیں - یہ برتن لندن کے عجائب خانہ میں موجود ہیں - برتنوں کی ساخت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بنانے والے کیسے مُہذّب اور خوش تمیز ہونگے - اس سے قیاس لگ سکتا ہے کہ وہ اس درجہ پر کتنے عرصہ میں پہنچے ہونگے وغیرہ وغیرہ (مؤلف)

خوب تیز چل ہی رہی تھی۔ توکّل پر چل پڑے اور احتیاطاً بندوقیں بھر کر پاس رکھ لیں۔ ہم نے اپنے تجربہ سے دیکھا کہ طلوع و غروب آفتاب کے چند گھنٹہ بعد تک روز ہَوا سُست ہوتی تھی اور باقی تمام دن نہایت تیز۔ میں نے اپنے نزدیک اس کی یہ وجہ قایم کی ہے کہ سُورج کی گرمی سے ہَوا بھاری ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ ایک طرف دریا کی ہَوا نسبتاً ٹھنڈی ہوتی ہے ہَوا اُدھر جا نہیں سکتی۔ اور یہیں پھرتی رہتی ہے۔ صبح و شام جب کسی قدر خنکی ہوتی ہے تو تازہ ہَوا آہستہ آہستہ اس کو نکال دیتی ہے *

شام ہوتے ہوتے ہم نے کئی شکار کئے۔ اور مختلف جانوروں کے تماشے دیکھے۔ دریائی گھوڑے عمر بھر میں پہلی دفعہ یہیں نظر آئے۔ چونکہ یہ باتیں خاص میرے مذاق کے موافق ہیں۔ اس لئے ان کو بالتفصیل بیان کرنے میں عام دلچسپی نہ ہوگی۔ مختصر یہ ہے کہ رات کے وقت پھر ہم نے کشتی کو ایک جگہ باندھا۔ اور پہلے شکار کے کباب کھائے اور پھر سونے کا فکر کیا۔ حشرات الارض کے خوف سے زمین پر اُترنا مناسب نہ سمجھا۔ وہیں کشتی پر ایک لالٹین جلا لی۔ اور ابھی بیٹھے باتیں کر ہی رہے تھے کہ یکایک کنارے کی طرف سے ایک ابر سا اُٹھا۔ اور لاکھوں بلکہ کروڑوں ہی مچھروں نے ہم پر حملہ کیا۔ اتنے بڑے مچھر میری نظر سے تو آج تک کبھی گذرے نہیں۔ ظالم جتا جتا کر حملہ کرتے تھے اور ہوشیار کر کر کے کاٹتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ لالٹین کی روشنی سے اُن کی توجہ اُدھر ہوئی۔ اس پر ملی ایسی لطیف غذا۔ پھر جانے کا کون نام لے؟ آخر ہم نے سوا اس کے کچھ مفر نہ دیکھا کہ کمبل اوڑھ اوڑھ کر وہیں لُڑھک رہے۔ اگرچہ ان کے ڈنک کمبلوں میں بھی اثر کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی کچھ امن تھا۔ ابھی نیند نہ آئی تھی کہ شیروں کے چنگھاڑنے کی آواز آنے لگی۔ کمبل ہٹا کر جو دیکھتا ہوں تو ایک جوڑا تو بالکل کنارہ پر کھڑا ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک نہر میں کودا۔ میں نے اور ابین نے بندوقیں سنبھالیں اور قریب پہنچتے ہی ایک کا شکار کیا۔ دوسرا شیر آگے بڑھا۔ ہمنے بندوقوں میں کارتوس لگائے ہی تھے کہ ایک مگرمچھ نے شیر کی ٹانگ لی۔ زور آزمائیاں ہونے لگیں۔ ایک

مرتبہ تو شیر مگرمچھ کو کنارے پر گھسیٹ لے گیا۔ اُس کو اُلٹانے کے فکر میں تھا کہ شیر کا گلا مگرمچھ کے منہ میں آگیا۔ بس پھر کیا تھا۔ لمحہ ہی بھر میں دو ٹکڑے کر کے پھینک دئے*
یہ واقعات ایسے نہ تھے کہ ہم بے فکر ہو کر سو جاتے۔ اس لئے باری باری پہرہ مقرر کیا۔ حافظ جعفر کا پہلا پہرہ ہوا اور ہم کو جتنا مچھروں نے سونے دیا باطمینان سو گئے*

باب ششم

دلِ خوں گشتہ بہ بندِ ہوسے اُفتاد است
مُرغِ بسمل شدۂ در قفسے اُفتاد است

صبح کو جو اُٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر ہنستا ہے۔ اور اپنی صورت کی خبر نہیں لیتا۔ مچھروں نے کاٹ کاٹ کر سب کے چہرے سجا دئے تھے۔ اور جابجا بڑے بڑے سُرخ دودڑوں نے چہروں کو اور بھی بھیانک کر دیا تھا مجھے یہ معلوم ہوا کہ مجھ پر مچھروں کا بہت ہی کم اثر ہوا ہے۔ اس پر مجھے اَور بھی دوسروں پر ہنسنے کا موقعہ ملا+ مچھروں کی میرے اُوپر عنایت محض اس وجہ سے تھی کہ میرا چمڑہ سخت اور سیاہ تھا۔ اور خون رقیق نہ تھا۔ اور پھر چہرہ پر بال زیادہ تھے۔ ہم میں سے جو جتنا گورا تھا اُتنا ہی سوجا ہوا تھا۔ خاص کر امین*
غرض ہمارے سُوجے ہُوئے ہونٹھوں سے جتنا ہنسا گیا ہنس کر ضروریات سے فارغ ہوئے۔ نماز پڑھی۔ معمولات ختم کئے۔ اور آگے روانہ ہوئے۔ دوپہر ڈھلے ایک خشکی مل گئی۔ اُتر کر کباب لگائے۔ گوشت جتنا ہمارے پاس تھا سکھایا۔ اور کچھ اَور شکار کیا۔ چونکہ دیر بہت ہو گئی تھی۔ اسلئے وہیں مقام کر دیا۔ رات کو بجز اسکے کہ مچھروں کی وہی آفت تھی ہم بڑے اطمینان سے سوئے۔ صبح ہی پھر سفر سر

پر سوار ہوا۔ اور اسی قطع سے تین روز برابر چلتے رہے۔ کوئی ٹھکانا ہو تو کہیں۔ کوئی منزل ہو تو بتلائیں۔ کوئی نئی بات قابل تذکرہ نہیں ہوئی۔ بجز اس کے کہ شکار اچھا ملا اور سب سے زیادہ یہ کہ عجیب قطع کے خوبصورت اور خوشبودار پھول دیکھنے میں آئے جو سوا اس جنگل کے اَور کہیں نہ تھے۔ درخت میدان میں کہیں نہ تھے۔ صرف نہر کے کناروں پر بڑے تناور اور سایہ دار درخت تھے۔ شاید خشکی آب و ہوا کی وجہ ہو +

پانچویں روز کہ ہم اپنے اندازہ میں سمندر سے کوئی ڈیڑھ سو بلکہ دو سو میل نکل آئے ہونگے۔ وہ معمولی ہوا بند ہو گئی۔ اس سے ہم نے جانا کہ آب و ہوا میں بھی اب فرق آ جائیگا۔ دوپہر کے قریب ہمیں ایک اَور نہر اُسی نہر سے نکلی ہوئی ملی جو سولہ سترہ گز چوڑی ہوگی۔ ہم نے یہاں اُتر کر کچھ مُرغابیاں شکار کیں۔ اور پھر اس نہر کو بغور دیکھنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ اس میں سے کشتی کا لے جانا قریباً ناممکن ہے۔ کیونکہ نہر میں پانی بہت ہی کم تھا۔ اور اس پر گھاس کی بیلیں اس قدر پھیلی ہوئی تھیں کہ کشتی کا دو قدم چلنا بھی مشکل تھا۔ اس پڑتال سے اتنی بات اَور معلوم ہوئی کہ یہ نہر قدرتی نہیں ہے۔ بلکہ کسی کی کھودی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے کنارے بہت ہی مضبوط اور سڈول تھے۔ عمق اور عرض ہر جگہ یکساں تھا۔ بجز اس کے کہ مینہ کے پانی نے کہیں کہیں سے کنارے کاٹ دئے تھے۔ یہ نہر اپنی اصلی صورت کو لئے ہوئے تھی +

ہم اگر اسی نہر میں چلتے رہتے جس میں اَب تک تھے اس کے منتہا کا شبہ تھا دوسرے یہ کہ دلدل کے قلعوں نے اور بھی ہمّت توڑ دی تھی۔ لاچار اب بجز اسکے مفر نہ تھا۔ کہ ہم اس نہر کی آزمایش کریں۔ خاص کر اس لئے بھی کہ اس نہر کی سمت میں دُور سے کچھ پہاڑیاں بھی نظر آتی تھیں۔ لامحالہ کشتی کو اُدھر پھیرنا پڑا۔ کچھ دور تک تو ہمارے چپوؤں نے کام دیا۔ لیکن پھر گھاس مانع آئی۔ اور کشتی کھینچنی پڑی جعفر و ایّوب نے ایک طرف اور (چونکہ میں زیادہ قوی سمجھا جاتا تھا) میں دوسرے کنارہ پر کشتی کھینچنے لگے۔ ابن جعفر کی تلوار لے کر کشتی پر بیٹھے گھاس کاٹ کاٹ کر

آگے راستہ بتاتے جاتے تھے۔ شام کو تھوڑی دیر کے لئے ایک جگہ سستانے اور کھانا کھانے کے لئے ٹھیر گئے۔ لیکن آدھی رات گئے پھر چل پڑے تاکہ خنکی میں کچھ راستہ طے کرلیں۔ دن بھر میں سواء ٹھیک دوپہر کے کہیں نہ ٹھیرتے تھے۔ چار روز تک برابر یہی مصیبت تھی۔ جو کچھ اس درمیان میں پیش آیا اُن کو بیان کرنا لاحاصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مصیبت تھی کہ خدا کسی پر نہ ڈالے۔ اور وہ اذیت تھی جو آج تک عمر بھر میں کبھی نہیں اُٹھائی۔ گرمی۔ لُو۔ زمین کی تنجیر۔ ہاتھ چھلے ہوئے۔ پیروں میں چھالے۔ پنڈلیوں تک کانٹے۔ اُس پر مچھر دشمن۔ غرض ایک مصیبت ہو تو کہوں۔ بس صرف مرگ ناگہانی کی کسر تھی۔ بیمار شاید اس سبب سے نہ ہوئے کہ دست آور دوائیں اور کونین روز استعمال کرتے تھے۔ اور سب سے بڑا علاج محبت۔ یہ طوعاً و کرہاً کرنا پڑتا تھا۔ چوتھے روز پہاڑیاں جن کو ہم دُور سے دیکھ کر بڑھے تھے قریب ہوئیں۔ لیکن چار قدم چلنے کی بھی اب ہمت نہیں رہی تھی۔ یہی جی چاہتا تھا کہ جو ہو۔ یہیں پڑ مرد۔ چار ناچار شام کو ایک جگہ ٹھیر رہے۔ کچھ نیند آئی تو پریشان خواب آنے لگے۔ ایک مرتبہ بہت ڈر معلوم ہوا۔ لاحول پڑھ کر ذرا آنکھ جھپکی ہی تھی کہ کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ منہ کھول کر جو دیکھتا ہوں تو ایک شخص میرے سر پر کھڑا ہے۔ اور اس کا لمبا نیزہ میرے سینہ پر ہے۔ چیخ مار کر اُٹھ بیٹھا۔ اور ہمراہی بھی جاگے۔ دیکھا تو ایک ہی نہیں۔ کئی آدمی نیزے لئے موجود ہیں ÷

یکایک ان ہی میں ایک نے لفظ "امان[1]" کہا۔ ہم نے سمجھا کہ چھٹکارا ہوا۔ وہاں اُلٹے باندھ لئے گئے ÷

ایک شخص (بگڑی ہوئی عربی میں) "تم لوگ کون ہو؟ دریا پار ہونے کی تم نے جرأت کیسے کی؟ جلدی بولو ورنہ ابھی قتل ہوتے ہو!"

میں "ہم مسافر ہیں۔ اور تقدیر ادھر گھیر لائی ہے"÷

شخص "ابوی[1]! قتل کردیں"؟

[1] یہ لفظ ہمارے ہندوستان کے ابّا۔ اباجی۔ اباجان۔ بابا وغیرہ کا مرادف ہے (مؤلف)

میں نے پھر کر دیکھا تو ایک بوڑھا شخص کنارے پر کھڑا ہے۔ اِسی شخص کو "ابوی"
کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا ؛

بڈھا۔ "ان کا رنگ کیا ہے"؛

شخص۔ "سفید"؛

بڈھا۔ "پھر نہ قتل کرنا۔ آج چوتھا سورج چڑھا ہے مجھے "**ملکہ مطاع الکل**"
نے حکم دیا تھا۔ کہ کچھ سفید آدمی آرہے ہیں۔ اُن کو قتل نہ کرنا۔ اور ان کو اُن
کے اسباب سمیت زمین پر اُتار لانا اور ہمارے سامنے حاضر کرنا"؛

شخص (ہم سب کو گھسیٹ کر) "چلو"۔

مردہ بدست زندہ کی مصداق کنارے پر پہنچے۔ دیکھا تو اسی قبیل کے پچاس
آدمی نیزے لئے ہُوئے اَور کھڑے ہیں۔ چاند ابھی تک اچھی طرح نکلا نہ تھا۔ اُسی
مدھم روشنی میں میں نے بغور دیکھ کر اتنا معلوم کر لیا کہ یہ سب کے سب بجز اس
کے کہ چیتے کی کھال باندھے تھے باقی بدن سے ننگے تھے۔ اُن کا رنگ حبشیوں میں
کُھلا ہُوا تھا۔ قد آور اور قوی بازو معلوم ہوتے تھے۔ سب عربی زبان بولتے
تھے مگر ذرا بگڑی ہُوئی۔ مگر نہ اتنی کہ ہم نہ سمجھ سکیں۔ ہماری عربی وہ خوب
سمجھ لیتے تھے ؛

ایک شخص نے ہم سب کو پھر بغور دیکھا۔ اور مجھے دیکھتے ہی چلّایا۔ "ابوی!
ان میں ایک کالا ہے۔ اسے مار ڈالیں؟"

میرا خون جتنا مچھروں سے بچا تھا اب خشک ہو گیا ؛

بڈھا۔ "نہیں ابھی نہ مارو۔ یہاں آؤ"؛

بڈھے نے جھک کر کچھ اُس کے کان میں کہا۔ وہ اچھا۔ اچھا کہتا ہُوا وہاں
سے ہٹ آیا۔ مگر میرے پاس آکر بہت دیر دانت پیستا رہا۔ اور اس کے ساتھ
اس کے ساتھی بھی ؛

بڈھا۔ "سب آگئے ؟"

ایک شخص۔ "ہاں سب آگئے"؛

بڈھا:- "اچھا تو جس چیز کو یہ تیراتے ہوئے لائے ہیں اُس میں سے سب کچھ نکال لاؤ"۔ لمحہ ہی بھر میں تمام اسباب کا ڈھیر ہمارے سامنے لگ گیا ٭

میں چُپ - امین حیران - جعفر کو سکتہ - ایوب کو رعشہ - عجیب وقت تھا ٭

یہ بھی ہوچکا تو ہمارے واسطے ایک سواری آئی جس کو ڈولی کہہ سکتے ہیں - ہر ایک کے ساتھ چار چار آدمی اُٹھانے والے اور دو کوتل ٭

امین:- "غنیمت ہے سواری تو آرام کی ملی - کل جو ہوگا دیکھا جائیگا - عمو! لے دیکھئے یہ لوگ عربی بولتے ہیں - اب بھی مہمل کہہ دیجئے"!

مجھے اپنی جان کے لالے پڑ رہے تھے - امین کے یہ الفاظ سخت ناگوار گذرے میں تو اشارہ پاتے ہی اپنی ڈولی میں بیٹھ گیا - اور میرے ساتھی اپنی اپنی میں - ڈولی اُٹھائی گئی تو معلوم ہوا - کہ بہت ہی آرام کی ہے - کسی گھاس کو کپڑے کی طرح بُنا تھا - اس میں چار ڈنڈے لگے تھے - اور ایک لمبا ڈنڈا سب سے اُوپر اُٹھانے کے واسطے ٭

میرے بیٹھتے ہی چار آدمیوں نے ڈولی اُٹھائی اور بھاگنے لگے - اور بھاگتے ہوئے کچھ گاتے جاتے تھے - جن کو میں ہرگز نہ سمجھ سکا - کوئی آدھ گھنٹہ تو میں جاگتا رہا ہونگا - اس کے بعد کی مجھے خبر نہیں - اس آدھ گھنٹہ میں جو جو کچھ خیال میرے ذہن میں گذرے - شاید دس برس میں بھی نہ آئے ٭

میں اپنے اندازہ میں سات آٹھ گھنٹے سے کسی طرح کم نہ سویا ہونگا - کیونکہ جب میری آنکھ کھلی ہے تو سُورج خوب چڑھ آیا تھا - اور ہمارے مفت کے کہار اُسی طرح بھاگ رہے تھے - میں نے جھانک کر دیکھا تو شکر کیا کہ وہ نہر اور دلدل اب نہیں نظر آتی - بلکہ بجائے اس کے ایک سرسبز پیالہ کی شکل کی پہاڑی ہمارے پیروں میں لوٹ رہی تھی! اب یہ معلوم نہیں کہ یہ وہی پہاڑی تھی جس کو ہم نے دُور سے دیکھا تھا یا کوئی دوسری تھی - مجھے معلوم نہ ہو سکا - کیونکہ ہمارے لئے مہربان یہاں کے حالات کسی طرح نہ بتلاتے تھے - پھر میں نے ان لوگوں کو دیکھا - تمام کو قدآور پایا - ان میں سے کسی کا قد بھی چھ فٹ سے کم نہ ہوگا - سب کا رنگ

سیاہ زردی مائل تھا۔ اور سر کے بال عام حبشیوں کی طرح گھونگھر والے نہ تھے
نقشہ خوب صورت تھا اور سب سے زیادہ دانت۔ لیکن اس پر خونخواری ہر
ایک کی صورت پر برستی تھی ؂

جس بات سے مجھے اور زیادہ تعجب ہُوا وہ یہ تھا کہ میں نے اُن کو کبھی
مسکراتے بھی نہیں دیکھا۔ بعض وقت وہ گاتے ضرور تھے۔ اور باتیں کرتے بھی کم
سُنا۔ خدا جانے یہ کس قوم کے ہونگے؟ ان کی زبان تو بگڑی ہوئی عربی ضرور تھی
لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ عرب بھی نہ تھے۔ میں اِن تمام باتوں پر غور کر کر کے
اپنی جان کی سلامتی کی دُعا مانگ ہی رہا تھا کہ پیچھے سے ایک ڈولی آئی۔ اس میں
ایک بڈھا سفید کفنی جیسی پہنے بیٹھا تھا۔ میں نے فوراً سمجھ لیا کہ وہی بڈھا ہے
جو "ابوی" کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ بڈھا خود ایک عجیب چیز تھا۔ لمبی ڈاڑھی
اُسکی گود میں کھیل رہی تھی۔ آگے کو مڑی ہوئی ناک۔ اس پر زہر میں بجھی ہوئی تیز تیز
آنکھیں لیکن بُشرہ سے تجربہ کاری اور سلیم الطبعی برستی ہوئی۔ یہ آپ کا حلیہ تھا۔
اور ایک زرد ململ کی سی کفنی آپ کے زیب بر تھی ؂

بڈھا "۔ اجنبی تو جاگتا ہے"؟

وہ مخاطب ہُوا تو مجھے معاً خیال ہُوا کہ اس کی خوشامد کر کے دیکھنا چاہئے۔
شاید جان بچ جائے ؂

میں "ہاں ابوی! جاگتا ہُوں" ؂

میرے ابوی کہنے پر بڈھا کچھ مُسکرایا ؂

بڈھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے ملک میں بھی سفید ڈاڑھی کی عزت کرنی سکھلائی
جاتی ہے۔ یہ بتلا کہ تو اس ملک میں جہاں اجنبی کا قدم بہت ہی کم آتا ہے۔ کیوں
آیا ہے؟ کیا تجھے اپنی جان عزیز نہیں"؟

میں "۔ ابوی! ہم پُرانی چیزیں دیکھتے دیکھتے اُکتا گئے۔ اب نئی نئی باتیں معلوم
کرنے آئے ہیں۔ ہم بہادر لوگ ہیں اور موت سے نہیں ڈرتے۔ کیونکہ وہ تو ایک
دن آہی رہیگی۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنے معلومات بڑھالیں"؂

بڈھا۔ "شاید یہ بات صحیح ہو۔ مگر مجھے تو جھوٹ معلوم ہوتی ہے۔ خیر "ملکہ مطاع الکل" شاید تیری خواہش پوری کردیگی"

میں "ابوی! یہ "ملکہ مطاع الکل" کون ہے"؟

بڈھا "(مسکراکر) بیٹا! اگر ملکہ کو تیرا زندہ دیکھنا منظور ہوا تو تجھے معلوم ہو جائیگا"

میں "ابوی! آپ کا زندہ دیکھنے سے کیا مطلب ہے"؟

بڈھا ہنس دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا +

میں "ابوی! تمہاری قوم کا کیا نام ہے"؟

بڈھا "ہم قبیلۂ بنوالحجر کے لوگ ہیں"

میں "ابوی! اگر میں تمہارا نام پوچھوں تو کچھ بے ادبی تو نہیں ہے"؟

بڈھا "میرا نام یاقوت ہے"

میں "اچھا ابوی! اب یہ اور بتلادو کہ ہم کہاں جارہے ہیں"؟

یاقوت "یہ تجھے معلوم ہو جائیگا۔ گھبرا نہیں"

یہ کہتے ہی یاقوت نے اپنے حمالوں کو اشارہ کیا اور وہ ڈولی لے اُڑے +

باتیں جتنی معلوم ہوئیں اگرچہ کچھ بھی نہ تھیں مگر عجیب تھیں "ملکہ مطاع الکل" خاصتًا مجھے تعجب میں ڈالتی تھی۔ اور قبیلۂ "بنوالحجر" بھی ایک نئی چیز تھا +

قاعدہ کی بات ہے کہ صدمہ یا سانحہ کا اثر دفعتًا تو قلب پر بہت ہی سخت پڑتا ہے لیکن جیسے جیسے اس پر وقت زیادہ گذرتا جاتا ہے۔ اُس صدمہ میں کمی آتی جاتی ہے چنانچہ رات کو جس قدر مجھے اپنی جان کا ڈر تھا۔ اس وقت اُس کا اثر بہت کم پاتا تھا۔ اور رفتہ رفتہ تو اس طرف کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ ڈولی کے ہچکولوں سے مجھے پھر نیند آگئی۔ نہ معلوم کتنا سویا ہونگا۔ جب جاگا ہوں تو ہماری ڈولیوں کی قطار ایک پہاڑی پر سے گذر رہی تھی۔ جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں آتش فشاں رہی ہوگی۔ اب اُس کی راکھ میں سیکڑوں خوشنما درخت کھڑے تھے۔ اور دلکش بوٹیاں لہرا رہی تھیں۔ کوسوں تک سبزہ زار مخمل کے فرش کو شرما رہا تھا اور خاص کر اُونچی پہاڑیوں تک اس سبزہ کا عمل دخل

عجب جوبن دکھلاتا تھا۔ اگرچہ اس پہاڑی کے دامن پر بڑے بڑے جھاڑ تھے۔ لیکن بلندی۔ عین وسط میں سبزہ اس پر پھولوں کی مُرصّع کاری۔ قدرتی چشموں کی آبیاری۔ خدا کو یاد دلاتی تھی۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا ہے۔ یہ پہاڑی ضرور کسی زمانہ میں آتش فشاں رہی ہے۔ پھر کچھ مدت بعد برساتی پانی کی جھیل بنی اور شدہ شدہ یہ قدرتی باغ بن گیا۔ میرے بعد کے تجربے (جن کا میں آگے چل کر ذکر کرونگا) میرے اس قیاس کی تائید کرتے ہیں۔ ضرور ہے کہ میرا یہ نتیجہ صحیح ہو +

جس بات سے مجھے اور زیادہ تعجب ہوا وہ یہ تھی کہ اگرچہ نیچے میدان میں لوگ بکریاں چراتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ لیکن مکان کا تو کیا ذکر کہیں جھونپڑا تک نظر نہیں آتا تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ یہ لوگ کہاں رہتے ہونگے۔ لیکن یہ عقدہ بھی جلد حل ہو گیا +

غرض کوئی آدھ کوس چل کر ہماری ڈولیاں ٹھیرائی گئیں۔ میں اپنے مُنہ بولے باپ کو ڈولی سے اُترتا دیکھ کر اُتر پڑا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر ایمن۔ ایوب اور جعفر بھی اُتر پڑے +

اب ہمیں معلوم ہوا کہ جہاں ہم ٹھیرے ہیں یہ ایک چبوترہ تھا جو ایک کھو کے سامنے بنا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے ہمارے تمام اسباب (حتےٰ کہ چپّو اور بادبان) کا بھی ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور حمالوں کے سوا ہنوالجبر کا ایک غول ہمیں گھیرے ہوئے تھے۔ جو سب ایک ہی قد و قامت اور صورت و شکل کے تھے۔ البتہ رنگوں میں فرق تھا۔ بعض بالکل سیاہ تھے۔ اور بعض گندمی رنگ کے۔ اور ہر شخص ایک نیزہ ہاتھ میں لئے تھا۔ اَوروں کی طرح یہ بھی ایک چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے۔ ان میں چند عورتیں بھی تھیں جو بجائے چیتے کی کھال کے بغل سے لے کر گھٹنوں تک ہرن کی کھال لپیٹے ہوئے تھیں۔ عورتیں جتنی دیکھنے میں آئیں سب خوب صورت تھیں۔ اُبھرا ہوا ماتھا۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ سُتواں ناک۔ بھرے بھرے گال۔ بال سب کے لمبے اور گھونگھر یالے تھے۔

اُن میں سے دو ایک یاقوت کی سی کفنی زرد ململ کی بھی پہنے ہُوئے تھیں - بعد میں معلوم ہُوا کہ یہ کفنی محض حفظ مراتب کے لئے ہوتی ہے نہ ستر پوشی کے واسطے - ہمارے اُترتے ہی یہ تمام عورتیں ہمیں گھیر کر کھڑی ہوگئیں - اور سخت تعجب سے بغور ہم کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ اتفاقاً ایمن کے سر پر سے کہیں ٹوپی سرک گئی یہ گورے - خوب صورت قوی جوان تو تھے ہی - اس پر دیکھے سنہری بال سب کی سب کچھ کچھ زیر لب کہہ کہہ کر حیرت میں رہ گئیں - اسی پر خاتمہ نہیں ہوا - ایک عورت جو اُن سب میں خوبصورت اور نازک تھی - اور جو ایمن کو پہلے ہی سے گھور گھور کر دیکھ رہی تھی آگے بڑھی اور بے تکلّف ایمن کے گلے میں باہیں ڈال کر مُنہ چُوم لیا - خدا جانے ایمن کو کیا سُوجھی کہ (باوجودیکہ اُن کو میرا اور ایّوب کا بہت ہی لحاظ تھا) انہوں نے بھی فوراً اُس عورت کا مُنہ چُوم لیا - میری تو شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوگئیں لیکن ایّوب کو تاب نہ رہی بڑے ہی غصّہ میں فرمانے لگے "ایمن! سخت بے حیا ہو گیا ہے - کیا ضرور ہے کہ جانوروں کے ساتھ تو بھی جانور بن جائے"*

مَیں تو بہت ہی ڈرا تھا کہ دیکھئے کیا فساد ہو - مگر مجھے سخت تعجب ہُوا کہ لوگوں میں گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ معلوم ہوئے - اور عورتیں کچھ مسکرا کر رہ گئیں - غنیمت ہے کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت - تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں معلوم ہُوا کہ ان عجیب الخلقت لوگوں میں تمام وحشی اقوام کے خلاف عورتوں کو مردوں پر تفوق ہوتا ہے بلکہ نہ صرف عورتیں مردوں سے افضل ہی سمجھی جاتی ہیں بلکہ نسل عورتوں سے ہی منسوب ہوتی ہے - اور ماں کی طرف سے چلتی ہے - ہم نے لوگوں کو کسی خاص ماں اور دادی کی اولاد ہونے پر اتنا ہی فخر کرتے سُنا ہے جتنا ہمارے یہاں کسی بڑے آدمی کی اولاد ہونے پر - وہاں باپ کو یاد کرتے کبھی سُنا ہی نہیں گیا - اگرچہ ممکن ہے کہ ان کا باپ اپنی قوم میں بڑا ہو - قبیلہ بھر کا ایک باپ ہوتا ہے - اور بس - مثلاً یاقوت کہ قریباً سات ہزار آدمیوں کا باپ تھا*

نکاح یا شادی کا عجیب قاعدہ ہے - ایجاب پہلے عورت کی طرف سے ہوتا

ہے اور وہ اِس طرح کہ عورت بھرے مجمع میں دُولھا کا مُنہ چُوم لیتی ہے۔ جس طرح ابھی اس عورت نے کیا (جس کا نام بعد کو معلوم ہُوا اُستن تھا) اگر وہ مرد بھی عورت کا مُنہ چُوم لے تو یہ بمنزلہ قبول کے ہے۔ نکاح یا شادی ختم ہو گئی بس بعینہٖ اِسی طرح جیسے امین سے اس وقت حرکت سرزد ہُوئی۔ یہ نکاح برابر اس وقت تک قائم رہتا ہے کہ دونوں میں سخت ناراضی ہو جائے یا ایک مر جائے۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کی تبدیلی بہت ہی جلد جلد ہوتی رہتی ہوگی۔ مگر نہیں۔ اکثر مر کر ہی یہ تعلق ختم ہوتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی رقیب پیدا ہو جائے تو آپس میں لڑائی نہیں ہوتی بلکہ شوہر بے تامل اپنی بیوی کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اور فوراً ہی وہی ایجاب و قبول کی رسم ادا ہو جاتی ہے +

ایک مشہور مقولہ ہے کہ مراسم وہ چیز ہیں کہ ان کی ادائیگی کے بعد ممنوعات جائز ہو جاتی ہیں۔ اور بد اخلاقی عین تہذیب ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے گو ہماری نظروں میں یہ ایجاب و قبول غیر منتفی۔ اور یہ نکاح وحشیانہ سمجھا جائے۔ مگر اس مُلک کے رواج سے لاباس بہ ہی نہیں بلکہ جائز ہے +

باب ہفتم

دیوانہ بہ زنداں نشود تنگ کہ آنجا
صد دامن ویرانہ دلہا خراب است

اگرچہ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ایّوب کی طرف بہت ہی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ میرے اُوپر کسی کی عنایت مبذول نہیں ہوئی۔ یاقوت ہمیں کھوہ کے اندر لے گیا۔ اور اُستن سایہ کی طرح ہمارے ساتھ ہو گئی ہم

کوئی پانچ ہی قدم چلے ہونگے - کہ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ کھو قدرتی نہ تھی - بلکہ آدمیوں کی بنائی ہوئی ہے - اندر پہنچ کر ایک بڑا کمرہ کوئی چالیس گز لمبا اور بیس گز چوڑا بنا ہوا تھا - اور اس کمرہ میں سے اور مختلف راستے چھوٹے چھوٹے کمروں کی طرف کھلے ہوئے تھے - اندر اس قدر سخت سردی تھی کہ وہاں بغیر آگ کے ٹھیرنا مشکل تھا - اس لئے وسط کمرہ میں آگ جل رہی تھی - ہمیں یاقوت ہم سب کو لے کر بیٹھ گیا - تھوڑی دیر میں چند آدمی بکری کا گوشت اور تازہ دودھ اور مکّی کی روٹیاں لے کر آ گئے - ہم سب کا بھوکوں کے مارے بہت ہی بُرا حال تھا - اگرچہ گوشت کے لئے بہت ہی جی للچایا - مگر مجبوراً دکان سے روٹیاں منگوانی پڑیں ؛

جب ہم کھانا کھا چکے تو یاقوت جو بہت ہی غور سے ہمیں کھاتے دیکھ رہا تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "یہ جو کچھ ہو رہا ہے سخت عجیب معاملہ ہے - کبھی یہ نہیں دیکھا اور سُنا گیا کہ کوئی اجنبی یہاں آیا اور بنو الحجر نے اس کی تواضع کی ہو - یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ہم جیسے پتھر موم ہیں - میں نے پہلے تمہیں ادھر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا - اور تمہارے مار ڈالنے کے واسطے حکم دے چکا تھا لیکن یکایک "ملکہ مطاع الکل" کا تاکیدی حکم پہنچا کہ تم سب کو زندہ پیش کیا جائے - میں مجبور ہو گیا - ورنہ تم یہاں اِن صورتوں میں نظر نہ آتے "؛

میں "ابوی! معاف کرنا" "ملکہ مطاع الکل" - تو شاید یہاں سے دور رہتی ہے - پھر اس کو ہمارے آنے اور تمہارے حکم کا کیونکر حال معلوم ہو گیا "؛

یاقوت (یہ دیکھ کر ہم تنہا ہیں) "کیا تمہارے ملک میں کوئی بھی ایسا نہیں رہتا جو بغیر کانوں کے سُنے اور بغیر آنکھوں کے دیکھے - اگر رہتا ہے تو ایسے سوالات کیوں کرتے ہو - اُس کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے "؛

میں یہ باقل و دل جواب سُن کر بالکل خاموش ہو گیا - کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اَور کیا سوال کروں - ایک مخمصہ تھا جس سے نکلنا محال معلوم ہوتا تھا؛

یاقوت "اس کے بعد ملکہ کی اور کوئی ہدایت میرے پاس نہیں آئی - اِسی

خیال سے میں اب وہاں جاتا ہوں "۔
میں "ابوی! پھر تم کتنے روز میں واپس آجاؤ گے "؟
یاقوت "اگر میں دن رات ان ہی ڈولیوں پر چلتا رہوں اور وہاں ٹھیرا نہ لیا جاؤں تو پانچویں روز واپس آجاؤں گا - دلدل بہت پڑتی ہے ورنہ شاید جلد آجاتا - لیکن تم گھبراؤ نہیں - تمہاری یہاں پوری طرح خبرگیری ہو گی - اور بہت آرام سے رہو گے - مجھے بھی تمہارے اوپر کچھ رحم آتا ہے - اگرچہ اس عظیم الشان قہار ملکہ کے سامنے کسی کو بولنے کی جرأت نہیں ہوسکتی - لیکن جہاں تک مجھ سے ممکن ہو گا تمہارے بچانے کی کوشش کرونگا - لیکن سچی بات یہ ہے - کہ اس میں مجھے بہت ہی شک ہے - کیونکہ میری اتنی عمر آئی ہے - میری ماں بھی میری پردادی سے سنی ہوئی یہی کہتی تھی کہ کبھی کوئی اجنبی اس سرزمین پر آکر باقی نہیں رہ سکا ہے - بلکہ فوراً ہی ملکہ کے حکم سے مار ڈالا گیا ہے "۔
میں "ابوی! کیا تمہاری پردادی کے وقت میں بھی یہی ملکہ حکمراں تھی ؟ یہ کیونکر ہوسکتا ہے - میں تو جانتا ہوں کہ اگر تمہاری ہی جیسی تمہارے خاندان کی عمریں ہوئی ہونگی تو یہ ملکہ تمہاری پردادی کے وقت میں پیدا ہی نہ ہوئی ہو گی "۔

یاقوت کے جانے کے بعد ہمیں آپس میں بہ آزادی باتیں کرنے کا موقعہ ملا ۔
میں "ایمن! تم نے سنا یہ جانگلو کیا کہتا تھا - بھئی میں تو اس "ملکہ مطاع الکل" کے نام سے گھبراتا ہوں - ظالم کے ہاتھوں کوئی زندہ ہی نہیں رہنے پاتا - اور ذرا دقیانوسی عمر تو دیکھو! "۔
ایمن "جی ہاں - سب سن رہا تھا - آپ مہمل کہ دینگے لیکن ہو نہ ہو یہ ملکہ وہی عورت ہے جس کو میری مورثہ علیا نے جادوگرنی لکھا ہے - اگر اس کی عمر کی طرف خیال کیا جائے تو کچھ شک نہیں رہتا کہ وہی ہے "۔

واقعات پیش آمدہ ایسے تھے کہ میرے حواس ہی بجا نہ تھے - اگرچہ جی چاہا کہ "مہمل" کہ دوں - مگر دو تین آدمیوں کی آنکھوں میں کیسے خاک ڈال دیتا -

ظہر کا وقت ہو گیا تھا - نماز پڑھی - اور میرے کہنے سے سب نہانے کے واسطے تیار ہو گئے - اتفاق سے ایک شخص بھی آ گیا - ہم نے اُسی سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی - وہ فوراً ہمیں لے جانے پر تیار ہو گیا - ہم نے جزدی کپڑے لئے اور چرٹ سُلگا کر اس کے ساتھ ہو لئے - کھوہ کے باہر ایک جم غفیر ہمارے دیکھنے کو کھڑا تھا - لیکن ہمارے مُنہ سے دھواں نکلتا دیکھ کر سب یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ یہ جادُوگر ہیں - یہ سیر بھی قابل دید تھی - خیر - ہمارے راہبر نے ہمیں ایک قدرتی صاف و شفاف چشمہ پر جا کھڑا کیا - وہاں کمبخت عورتیں گھبر کھڑی ہوئیں - یہ مرض بے درمان تھا - ہم لاچار بے تکلّف نہایت اطمینان سے نہائے اور عصر کی نماز وہیں پڑھ کر واپس ہُوئے +

کھوہ تک واپس آتے آتے مغرب کا وقت ہو گیا - اندر دیکھا تو وہی غول بیابانی پھر موجود ہے - مٹی کے چراغ روشن ہیں - اور تیل کی ناخوش آئند بُو اڑ رہی ہے اور لوگ بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں - ہم نے نماز پڑھنی شروع کی - یہ لوگ روٹی پانی کو بھُول کر ہماری نماز کی سیر کرنے لگے - کوئی ہنستا تھا - کوئی چُپ تھا - ایک نے کہا کہ یہ لوگ جادُو کر رہے ہیں - اِسی پر سب کا اتفاق ہُوا اور وہ لوگ گھبرا کر بھاگ گئے +

نماز کے بعد ہم معمولات سے فارغ ہوئے تھے کہ ہمارے واسطے بھی کھانا آ گیا اور کھانا کھاتے ہی ہمیں سو جانے کا حکم ہُوا - ایک شخص چراغ لے کر میرے ساتھ ہو لیا - اور پہلو کے کمرہ یا ڈربے میں لے گیا - یہ جگہ کل چار گز مربع اور قد آدم اُونچی تھی - اس کے ایک طرف ایک پتھر تھا جو زمین سے گز بھر اُونچا ہو گا - اسی پہاڑ سے کھوہ کے ساتھ تراشا گیا ہو گا - یہی پتھر میرا چھپر کھٹ تھا اس کمرہ بھر میں اگر دنیوی سامان تھا تو یہی - لطف یہ ہے کہ کوئی طاقچہ یا روشندان تک نہ تھا - مجھے فوراً یہ خیال ہُوا - اور بعد میں اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی کہ یہ مقام درحقیقت مقبرہ تھا - اور اس پتھر پر لاش مصالحہ

لگا کر رکھی جاتی ہو گی - یہ خیال آتے ہی جی کانپ گیا - مگر علاج کیا ہو سکتا تھا - رات گذارنی ضروری تھی مجبوراً یہیں رہنا منظور کرنا پڑا +

میں اپنا اوڑھنا بچھونا لئے پھر اُسی بڑے کمرہ میں گیا تو یہ جھگڑا سُنا - کہ ایّوب کے واسطے بھی ایسا ہی کمرہ تجویز کیا گیا تھا - لیکن وہ وہاں ٹھیرنا پسند نہیں کرتا - اور میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے - اور ہمارے میزبان اُسے مجبور کر رہے ہیں - میری سفارش کا اتنا اثر ہوا کہ وہ میرے ساتھ کر دیا گیا +

رات فی الجملہ آرام سے کٹی - البتہ خواب پریشان آتے رہے - منجملہ اُن کے ایک یہ تھا کہ میں زبردستی زندہ دفن کیا جا رہا ہوں +

ایک دفعہ جو آنکھ کھلی تو ڈھول بجتا سُنا - معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی - اوّل وقت تھا - اُٹھا ساتھیوں کو جگایا - نماز پڑھی اور اس وقت تک کی سلامتی پر شکر کیا +

کھانا کھانے کے بعد عجیب لطف ہوا - ایّوب اپنے خیال میں بیٹھا تھا کہ ایک جوان عورت اس کی طرف بڑھی - اور اُس کا مُنہ چُوم لیا - ایّوب چونک اُٹھا - کھڑے ہو کر اس عورت کو دھکیل کر فرماتے کیا ہیں "مُردار! یہ کیا"؟ وہ پھر ہاتھ پھیلا کر بڑھی - اس وقت ایّوب کی حالت بہت ہی غیر تھی پیچھے ہٹتا جاتا تھا اور بُرا بھلا کہ رہا تھا - اور وہ عورت تھی کہ بلا کی طرح اُسے چمٹی جاتی تھی - امین بیٹھے قہقہہ لگا رہے تھے - ہنسی مجھے بھی بہت آئی - بہت ضبط کیا - ایّوب امین کو ہنستا دیکھ کر اور بھی ناراض ہوا - اور کہنے لگا کہ "امین! او امین! ارے بیہودہ ہنس رہا ہے - خدا کے واسطے اسے پکڑ - اری چڑیل! میں ایسا آدمی ہی نہیں اسے کوئی خدا کے واسطے اُسے پکڑ لو - اری کُتیا! دُور رہو - میں نے کبھی ایسا نہیں کیا - مجھے کوئی بدچلن مقرر کیا ہے - امین خدا کے واسطے "+

کسی کو اُٹھتا نہ دیکھ کر ایّوب پہلو کے کمرہ میں بھاگا - بنو الجر سب ہنسنے لگے اور وہ عورت سخت طیش میں کچھ دیر تو وہیں کھڑی رہی - آخر چل دی - اور ایّوب کانپتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا - اور سخت شکایت کرنے لگا - امین نے کچھ مذاق کرنا چاہا - لیکن میں نے اُن کو اشارہ سے روک دیا +

میں نے دیکھا کہ ہمارے میزبانوں کو ایوب کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی ہے۔ میں نے رفع دخل کے لئے ان کو سمجھایا کہ ہمارے مُلک میں علے الاعلان ایسی حرکت سخت مکروہ ہے۔ اور بڑی شرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ اس پر ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ اور ایبن کی مثال پیش کی۔ مجھے ایبن کی حرکت پر غصہ تو پہلے ہی آرہا تھا۔ اب برس پڑا۔ مگر وہ فرمانے لگے کہ عمو! واللہ میں نے مذاق میں ایسا کیا تھا۔ اب اس کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔ میں یہ کہہ کر چُپ ہو رہا کہ تمہارے بے تُکے پن کی بھی انتہا نہیں۔ خیر۔ خدا خدا کر کے ان کو سمجھایا۔ مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی تسکین نہیں ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہُوا۔ چنانچہ آگے چل کر معلوم ہوگا +

ظہر کی نماز پڑھ کر ہم سیر کرنے نکلے۔ ہم نے وہاں دو قسم کی گائیں دیکھیں ایک تو قدآور۔ مگر دُبلی پتلی۔ معلوم ہُوا کہ یہ صرف دُودھ کے کام آتی ہیں۔ دوسری چھوٹے قد کی۔ مگر موٹی تازی۔ یہ کھانے کے لئے مخصُوص تھیں۔ بکریوں پر لمبی لمبی پشم ہوتی ہے۔ اُن کا دُودھ کام میں نہیں آتا۔ محض کھانے کے لئے پالی جاتی ہیں۔ زراعت کی یہ شکل تھی کہ ہل تو وہاں کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ پھاوڑوں سے زمین گوڑ لیتے تھے۔ اور بیج ڈال کر چلے آتے تھے۔ اُس میں شک نہیں کہ پھاوڑوں سے کام لینے میں بڑی محنت پڑتی ہے۔ لیکن کل سے زیادہ کام لے لیا جاتا ہے۔ یہ تمام کام مرد ہی کرتے تھے۔ عورتوں کو ایسی محنت کے کاموں میں کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ وہی تفوق ہو جو اس نازک دلرُبا جنس کو مردوں پر حاصل ہے +

آیندہ چار روز میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ اُستن سایہ کی طرح ایبن کے ساتھ تھی ہی۔ ہم نے اسی سے اس عجیب الخلقت کا حال دریافت کیا۔ اس کی زبانی معلوم ہُوا کہ ان کی اصلیت کا پتہ نہیں لیکن اس کے قیاس میں یہ ان ہی مہذبین کی اولاد ہیں جو اِن کھوہوں وغیرہ کے بانی تھے ؎

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

اگرچہ اس کے قیاس کی جو کچھ وقعت ہو سکتی ہے ظاہر ہے۔ لیکن اِس خصوص میں اس پر اعتماد کرنے کے سوا، چارہ نہیں تھا۔ وہ کہتی تھی کہ لوگ کہتے ہیں کہ جہاں "ملکہ مطاع الکل" رہتی ہے اُس کے قریب بڑی بڑی سنگی عمارات کے کھنڈر پڑے ہیں۔ اور بڑے مضبوط بلند ستون اب تک کھڑے ہیں اس مقام کا نام "کور" ہے۔ پُرانے عقلمند لوگ کہتے ہیں کہ یہاں کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ چونکہ یہ کھنڈرات تمام آسیب زدہ ہیں۔ اس لئے ان کے پاس تک جانے کی بھی کسی کو ہمت نہیں پڑتی۔ شہر "کور" کے علاوہ مُلک بھر میں جابجا کھنڈرات ملتے ہیں۔ اور وہ تمام آسیب زدہ ہیں۔ کھوئیں بھی اُن ہی لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو یہاں آباد تھے۔ موجودہ نسل کسی ضابطہ یا قانون کو نہیں مانتی۔ بلکہ رواج کے پابند ہیں جو سالہائے دراز سے ان میں چلا آتا ہے اگر کوئی شخص رواج سے ذرا بھی تجاوز کرے تو اس کی کم سے کم سزا موت ہے۔ اپنے اپنے قبیلہ میں باپ یا "ابوی" حاکم اعلےٰ سمجھا جاتا ہے۔ میں نے پُوچھا کہ سزا دینے کی کیا ترکیب ہے۔ تو وہ مسکرا کر کہنے لگی کہ اگر یہاں رہے تو کسی روز دیکھ ہی لوگے +

ان کی ایک بادشاہ بھی ہے جو ملکہ "مُطاع الکل" یا صرف "ملکہ" یا "حَیّیہ"[1] کے نام سے پُکاری جاتی ہے۔ یہ ملکہ باہر کم نکلتی ہے۔ وہ بھی ان موقعوں پر کہ اس کو کسی نہایت اہم مقدمہ میں خود حکم سزا دینا ہوتا ہے۔ اِسلئے اس کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے اور سچ پوچھو تو اس دیکھنے کو دیکھنا بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ سر سے لے کر پیر تک وہ ایک کپڑا لپیٹے رکھتی ہے۔ اس کے چہرہ کا تو کیا ذکر کسی نے کبھی اس کا ہاتھ پیر بھی نہیں دیکھا۔ لطف یہ ہے کہ اس کے محافظ تن[2] یا خدمتگار جتنے ہیں۔ سب کے سب گونگے۔ اِسلئے اس کے متعلق کوئی بات بھی نہیں معلوم ہو سکتی۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ اس کا ثانی نہ کبھی دُنیا میں ہوُا نہ ہوگا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ مُدت سے زندہ ہے اور اس کو کبھی

[1] حیّیہ۔ ہمیشہ زندہ رہنے والی [2] محافظ تن۔ باڈی گارڈ۔

موت نہ آئیگی۔ لیکن اُستن کو اس خاص اعتقاد میں اَوروں سے اتفاق نہ تھا۔
اس کا یہ خیال تھا کہ ملکہ ایک خاص عمر میں اپنے لئے ایک شوہر انتخاب کرتی ہے
اور جب اس سے ایک لڑکی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ شوہر مار ڈالا جاتا ہے۔ اور اس
کی لاش ضائع کر دی جاتی ہے۔ وہ لڑکی برابر پوشیدہ پرورش پاتی رہتی ہے۔
اور اپنی ماں کے مرنے کے بعد تخت نشین ہو جاتی ہے۔ چونکہ خدمتگار تمام گونگے
ہیں اور خود ملکہ نقاب ڈالے رہتی ہے۔ اِسلئے یہ بھید نہیں کھلتا۔ بہرحال
یہ ملکہ نہایت عظیم الشان اور طاقتور سمجھی جاتی ہے۔ اُس کے احکام کی تعمیل میں
ذرا بھی تساہل کرنا گویا دانستہ خود کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے ✤

مجھے اُستن کا یہ قیاس جو ہر طرح قرین عقل تھا بہت ہی پسند آیا۔ اور میرے
خیالات میں ایک قسم کا تغیر پیدا ہو گیا ✤

میں نے اس سرزمین کی وسعت اور تعداد آبادی کے متعلق سوالات کئے۔
مگر ان کا جواب تسلی بخش نہ ملا۔ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ اس مُلک میں یا قوت
کے قبیلے جیسے کم سے کم دس قبیلہ اَور آباد ہیں۔ اور خاص ملکہ کا قبیلہ اس کے
علاوہ ہے یہ تمام قبائل کھوؤں میں ہی آباد ہیں۔ دلدلیں اس مُلک میں بڑی
کثرت سے ہیں۔ اور اُن کو عبور کرنا یہیں کے باشندوں کو آتا ہے۔ قبائل آپس
میں لڑ بھی پڑتے ہیں۔ یہ لڑائی برسوں برابر جاری رہتی ہے۔ یہانتک کہ ملکہ
ممانعت کرا بھیجتی ہے۔ اس کے بعد ایک متنفس کے خراش آنا بھی سخت جرم ہو
جاتا ہے۔ یہ لڑائیاں اور وبائی بخار اگر نہ پھیلتا رہے تو شاید یہاں کی آبادی
بہت ہی بڑھ جائے۔ لیکن موجودہ صورت میں بڑھنا ناممکن ہے۔ اس ملک
والوں کو غیر ممالک سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ اور دلدلوں کی وجہ سے بیرونی حملوں
کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ ایک دفعہ سمندر کی طرف سے ایک فوج نے حملہ کیا تھا۔ لیکن
بغیر لڑائی بھڑائی کے ہی یہ فوج دلدلوں میں پھنس کر غارت ہو گئی۔ اور جو باقی بچے
اُن کو بخار نے سنگوا لیا۔ یہ بات اس نے بہت ہی صحیح کہی کہ اگر ہمیں یا قوت
یہاں تک نہ پہنچاتا تو ہم کسی حال میں یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ اور اسی

قبیل کی اَور سینکڑوں باتیں ہمیں اِن چار دن میں اُستنن کی زبانی معلوم ہوئیں ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں ہمارے نزدیک عجائبات تھیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اکثر باتیں تحریر کی تصدیق کرتی تھیں۔ ملکہ کے حالات ہمیں جتنے زیادہ معلوم ہوتے جاتے تھے اسی قدر ہمارے استعجاب میں ترقی ہوتی جاتی تھی۔ اگرچہ اُستنن کے قیاس سے میرے خیالات میں اس کی نسبت گونہ تغیر آگیا تھا۔ لیکن ایمن اپنے اسی عقیدہ پر تھے کہ یہ ملکہ وہ شخص ہے جس کو اس تحریر میں جادوگرنی کہا گیا ہے۔ مجھے اس خیال کی تردید کے ذرائع حاصل نہ تھے۔ اور نیز میں اِن خیالات کو کئی مرتبہ حمل بتلا کر شرمندہ بھی ہو چکا تھا اس لئے سوائے خاموش ہو جانے کے کچھ چارہ بھی نہ دیکھتا تھا۔ ایّوب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ جب سے میں نے اس زمین پر قدم رکھا ہے۔ میرے حواس بالکل جاتے رہے ہیں۔ اب باقی رہے حافظ جعفر اُن کو وہ چپ لگی تھی کہ کسی عنوان ٹوٹنے میں ہی نہیں آتی تھی۔ خدا جانے اُن کو ایسا کہاں کا خوف آگیا تھا کہ ان چار ہی روز میں قاق ہو گئے تھے۔ دن بھر قرآن مجید پڑھنا اُن کا مشغلہ تھا۔ زبردستی کھانا کھلا دیا تو کھا لیا۔ پانی پلا دیا تو پی لیا۔ ورنہ ایک طرف ٹکی لگائے بیٹھے ہیں۔ قرآن شریف ہے اور وہ ہیں بمشکل اِتنا تو معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک یہاں جتنے آدمی نظر آتے تھے۔ سب خبیث ارواح تھیں۔ بھئی سچ یُوں ہے کہ بعض وقت اُن کا یہ خیال مجھے بالکل صحیح معلوم ہوتا تھا۔

غرض بُرے یا بھلے وقت گذرتا چلا گیا۔ یہانتک کہ یاقوت کے جانے کے بعد پانچویں رات کو ایک عجیب واقعہ گذرا جو سُننے کے قابل ہے۔

ہم سب عشا کی نماز پڑھ کر وہیں اپنے قصر یا محل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے دو چراغ روشن تھے۔ کافی روشنی ہو رہی تھی۔ ہم آپس میں کچھ باتیں کر رہے تھے اور اُستنن ہمارے پاس اپنی عادت کے موافق بیٹھی تھی کہ یکایک گھبرا کر اُٹھی اور ایمن کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسی بگڑی ہوئی عربی میں ایک نظم پڑھی جس کا یہ ترجمہ ہو سکتا ہے:۔

"تُو میرا ہے اور میں شروع ہی سے تیرے انتظار میں تھی۔

"تُو بہت ہی خوبصورت ہے۔ تیرا جتنا گورا کوئی نہیں ہو سکتا۔

"ایسا خوبصورت مرد۔ اور ایسے قوی بازو کہاں ہوتے ہیں۔

"تیری آنکھیں ایک آسمان ہے جن میں روشنی تاروں کی طرح چمکتی ہے۔

"تیری صورت دیکھتے ہی میرا دل تیری طرف مائل ہو گیا۔

"جیسے ہی میری آنکھیں تجھ پر پڑیں میں تجھے چاہنے لگی۔

"اے میری جان۔ بس فوراً ہی میں نے تجھے اپنا بنا لیا۔

"اور تیرے سینہ سے اس واسطے لپٹ گئی کہ تجھے کوئی آسیب نہ پہنچے۔

"میں نے تیرے سر کو اپنے بالوں سے ڈھک لیا کہ کہیں اس پر دھوپ نہ پڑے

"بس میں بالکل تیری ہو گئی۔ اور تو میرا ہو گیا۔

کچھ روز اسی طرح گذرے تھے کہ یکایک نحوست نے آگھیرا اور مصیبت کا دن آگیا

"ہائے میری جان۔ نہ معلوم اس روز تجھ پر کیا افتاد پڑی۔

"لیکن میں نے تجھے اس کے بعد نہیں دیکھا۔ اور میں اندھیرے میں کھڑی رہ گئی۔

"وہ جو اُستن سے زیادہ حسین اور طاقتور تھی تجھے چھین لے گئی۔

"لیکن پھر تو میرے پاس آیا۔ اور تیری آنکھوں نے تجھے اندھیرے میں ڈھونڈا

"لیکن اس کا حُسن تجھ پر غالب تھا۔ وہ تجھے بیابان میں لے گیا۔

"اور پھر ہائے پھر۔ میری جان"

بیچاری اُستن آخری مصرعہ بھی پوری طرح نہ کہنے پائی تھی کہ اُس کی زبان بند ہو گئی کانپ رہی تھی۔ خوف کے تمام آثار اُس کے چہرہ پر تھے۔ ایک طرف کو ٹکٹکی لگائے ہوئے تھی۔ مگر ابھی تک ایبن کے سر پر سے ہاتھ نہیں ہلا تھا۔ یکایک گھبرا کر ہاتھ بھی ہٹا۔ اور زیادہ کانپنے لگی۔ اور بالکل زرد ہو کر اپنی اُنگلی سے اُس طرف اشارہ کیا جدھر اُس نے تکی لگائی تھی۔ دو تین منٹ اِسی طرح کھڑی رہی۔ اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئی +

عجب نظارہ تھا۔ جس کے تصور سے اب تک میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں۔ ایبن کو تو خیر اس سے ایک طرح کی محبت ہو ہی چلی تھی۔ اس کا گھبرا کر اٹھنا اور اُستن کا سر زانو پر لے بیٹھنا تو کچھ بعید نہ تھا۔ میری خود بُری کیفیت تھی اور سخت پریشان تھا +

غنیمت ہوا کہ دو چار ہی مرتبہ مُنہ پر چھینٹیں دینے سے اُس کو ہوش آ گیا۔ اور اُٹھ بیٹھی۔ جب کچھ بولنے کے قابل ہوئی۔ تو ایبن نے پوچھا کہ "اُستن یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا"؟

اُستن۔ "کچھ نہیں۔ میں تو اچھی خاصی ہوں۔ اپنے مُلک کے رواج کے موافق ذرا گائی تھی"۔

ایبن۔ "خوب! لیکن ہم تمہاری نظم کا مطلب نہیں سمجھے"۔

اُستن۔ "نہیں کچھ نہیں۔ مطلب ہی کیا ہوتا"۔

ایبن۔ "اچھا تم کیا دیکھ کر ڈری تھیں"؟

اُستن۔ "نہیں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ دیکھو مجھ سے کچھ پوچھو نہیں۔ کچھ بتلا کر میں تمہیں بھی کیوں ڈراؤں۔ لیکن (ایبن کا مُنہ چُوم کر) میری جان! جب میں یہاں نہ رہوں اور تم رات کو اپنا ہاتھ پھیلاؤ اور میں نہ ملوں تو مجھے بھول نہ جانا۔ اگرچہ میں تمہارے پیر دھونے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ یہ ملاقات کی گھڑیاں اطمینان اور خوشی سے گزار دو۔ قبر میں محبت کی گرمی اور عشق کا ذائقہ نہ ہو گا۔ بلکہ یہ وقت یاد آ کر دُکھ دیگا۔ آج رات تو ہماری ہے کل دیکھئے کس کی ہو اور ــــــــ"

اُستن آگے کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ مگر چُپ رہ گئی +

سیر از جہاں شدم بگداز فناء خویش
چوں رشتہاء سوختہ گشتم غذاء خویش

دوسرے روز جو کچھ واقعہ گذرا اس کے خیال سے ہی میرا خون خشک ہوا جاتا ہے۔ اور مجھ ہی پر کیا شاید اُن لوگوں کا بھی جن کو دل گردہ کا دعویٰ ہو۔ صبح ہی ہمیں شام کی دعوت کا حکم سنایا گیا۔ مجھے خدا جانے کیوں اس دعوت کا نام ہی سُن کر ہول ہوا۔ ہر چند مسافرت اور پریشانی کا عذر کیا۔ مگر ایک پیش نہ گئی۔ میزبانوں کو کبیدہ ہوتا دیکھ کر بجبر و اکراہ منظور کر لی۔ ایبن اور اُستن تو کہیں سیر کرنے گئے ہوئے تھے۔ مغرب کی نماز پڑھتے ہی ہماری طلبی آئی۔ میں ایوب اور حافظ جعفر باہر نکلے ہی تھے کہ اُدھر سے وہ دونوں بھی آ گئے۔ دعوت کا نام سُن کر میں نے دیکھا کہ اُستن کو سخت پریشانی ہوئی۔ وہیں ایک آدمی جاتا ملا۔ اُستن نے اُس کو الگ لے جا کر کچھ باتیں کیں۔ اور اس کو اطمینان تو نہیں کچھ تسکین سی ہو گئی اگرچہ گھبراہٹ بدستور باقی رہی +

غرض جب ہم چاروں اور پانچویں اُستن ایک دوسری کھوہ کے دہانے پر پہنچے ہیں تو دیکھا کہ وہاں آگ جل رہی ہے۔ اور چند آدمی اس کے گرد بیٹھے ہیں ان ہی میں وہ شخص بھی تھا جس کی یاقوت سے اتر کر عزت کی جاتی تھی۔ اُستن کی اس سے کچھ رد و بدل ہوئی۔ جس کو خوب نہ سمجھ سکے۔ مگر ہم نے یہ دیکھا کہ وہ شخص اُستن پر ناراض ہوا اور اس کو وہیں بٹھا لیا +

ہم کھوہ کے اندر گئے تو وہاں بھی آگ جل رہی تھی۔ اور بہت سے آدمی اُس کے گرد ایک حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ اور وہ عورت بھی موجود تھی۔ جو ایوب پر نظر

عنایت کر چکی تھی۔ تمام لوگ اپنی عادت کے موافق بالکل خاموش بیٹھے تھے اور اُن کے نیزے ہر ایک کے پیچھے دیوار سے لگے رکھے تھے۔ ان میں سے ایک یا دو آدمی تو وہ کفنیاں پہنے ہوئے تھے۔ جن کا تذکرہ میں کر چکا ہوں۔ باقی تمام وہی چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے +

ایوّب:۔ "اب دیکھئے کیا ہوگا۔ وہ کمبخت چڑیل بھی یہیں موجود ہے۔ اگر کہیں یہاں بھی میرے سر ہو گئی تو بھاگنا بھی مشکل ہوگا (مجھے مخاطب کر کے) آپ نے دیکھا نہیں اُن سب نے مجھے بُری نظروں سے گھورا تھا۔ اور اے لیجئے وہ حافظ کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا۔ اور سُنئے وہ مردار اس سے کیسی گھُل گھُل کر باتیں کر رہی ہے۔ شکر ہے کہ اِس وقت میرے اُوپر عنایت ہی رہی"۔

واقعی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے راستہ ہی وہ عورت بیچارے حافظ کو لے گئی۔ اور حافظ مردہ بدست زندہ کے مصداق قرآن شریف پڑھتے ہوئے خاموش جا بیٹھے +

میں:۔ "بھئی خدا خیر ہی کرے! میں اِن جانوروں کی نظریں اچھی نہیں پاتا۔ لیکن اب تو جو کچھ ہو۔ بھرنا ہی پڑیگا۔ میں تو اپنا تپنچہ لے آیا ہوں۔ کسی اور کے پاس بھی ہے؟"

ایوّب:۔ "میں بھی احتیاطاً لے آیا تھا۔ لیکن امین کے پاس صرف شکاری چھُرا ہی ہے" مجھے ہتیار پاس ہونے کی وجہ سے کسی قدر اطمینان ہوا۔ اور ہم سب وہیں دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے +

ہمارے بیٹھتے ہی ایک شخص ایک برتن لے کر اُٹھا جس میں کوئی چیز خمیر کی ہوئی تھی۔ اور اس کے کف باہر نکل رہے تھے۔ یہ برتن ہر شخص کے سامنے پیش کیا گیا اور ہر ایک نے اُسے ہاتھ لگا کر اپنے سینہ سے مل لیا۔ چنانچہ ہم نے بھی ان ہی کی تقلید کی۔ ہمیں اب تک نہ کھلا کہ اس سے کیا مُراد تھی۔ بہر حال مجھے اس برتن کی کیفیت بیان کرنی ہے۔ جس کا وجود ان وحشیوں میں کسی قدر مستبعد ہے۔ میرے نزدیک یہ صراحی نما گلی برتن اس زمانہ کے بنے ہوئے تھے کہ

شہر کو اپنی اصلی رونق پر تھا۔ اور یہاں کی صنعت و تجارت زوروں پر تھی۔ اس کے دونوں طرف دستگی لگی ہوتی ہیں۔ اور اکثر مقبروں میں ایک قسم کے برتن پائے جاتے ہیں۔ جن کا حال میں آگے بیان کرونگا۔ غالباً مصریوں کے دستور کے موافق مُردوں کے نہلانے۔ ان کی شکمی آلایش صاف کرنے اور مصالحہ بھرنے بھرانے کے کام میں آتے ہونگے۔ اور پھر یہیں مقبروں میں چھوڑ دئے جاتے ہونگے لیکن امین کی یہ رائے ہے کہ لاش کو رکھتے وقت یہ برتن بھی اس اعتقاد سے کہ مُردوں کے کام آئیگا ان کے پاس رکھ دیتے ہونگے۔ میرے نزدیک اُن کی رائے زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ ان برتنوں کا قد گز بھر سے لے کر ایک گرہ بھر تک کا دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی شکل و صورت میں تفاوت ہوتا ہے۔ مگر ہر ایک بڑی اعلیٰ صنعت کا نمونہ ہوتا ہے۔ ان پر تصویریں ایسی اچھی بنی ہوئی دیکھی ہیں کہ بعض وقت سخت حیرانی ہوتی ہے۔ اکثر پر تو وہی حُسن و عشق کا پُرانا دکھڑا ہوتا ہے۔ مگر ذرا زیادہ واشگافانہ جس کہ شاید اس زمانہ میں بد تہذیبی سمجھا جائیگا بعض پر بچے کھیلتے ہوئے بنے ہیں اور بیشتر شکار یا جنگ کا نظارہ دکھلایا ہوتا ہے مثلاً اس برتن پر جو ہمارے سامنے آیا تھا ایک طرف تو ایک شخص کی تصویر بنی ہوئی تھی جو ایک ہاتھی پر اپنے نیزے سے حملہ کر رہا تھا۔ اور دوسری طرف ایک شکار گاہ تھی جس میں ایک شکاری بھاگتے ہوئے ہرن کے نیزہ لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ +

جس طرح لوگوں نے مصر کے پُرانے کتبوں اور تصویروں سے اس ملک کے طرز تمدن۔ وضع۔ تراش خراش۔ ماند و بود۔ خیالات بلکہ جذبات تک کے صحیح نتائج اخذ کئے ہیں۔ میرے نزدیک اگر وہی عمل یہاں کیا جائے تو بہت بڑی کامیابی کی اُمید ہے۔ کاش مجھے کچھ وقفہ وہاں اور ملتا تو میں دنیا کے سامنے ایک مجموعی تصویر ضرور پیش کرتا +

اس برتن کے پھرائے جانے کے گھنٹہ بھر بعد تک کوئی اَور رسم نہیں ہوئی۔ اِس اثنا میں بولنا تو ایک طرف کسی کا ہاتھ پیر ہلنا بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اتنا البتہ ہوتا تھا۔ کہ اگر کسی وقت آگ ذرا مدھم ہو جاتی تھی تو اُس پر اَور

لکڑیاں ڈال دی جاتی تھیں۔ ہم بھی بیٹھے آگ کے شعلوں کو دیکھ دیکھ کر جی بہلاتے تھے۔ غرض گھنٹہ بھر بعد ایک شخص اُٹھا۔ اور بڑے بڑے چار چمٹے اور ایک آور آہنی بڑا سا برتن آگ کے پاس لا رکھا۔ میں ان چیزوں کو دیکھ کر (اگرچہ ان کا طریق استعمال نہیں معلوم ہوا) بہت ہی گھبرایا +

ہم بیٹھے گھبرا گئے۔ اور مجھے تو خود پر خواب مقناطیسی کا گمان ہونے لگا تھا کہ یکایک ایک شخص کی بلند آواز سے چونک اُٹھا +

شخص "ہمارے کھانے کا گوشت کہاں ہے"؟

اس پر تمام وحشیوں نے اپنے ہاتھ آگ کی طرف پھیلائے اور متفق اللفظ اُسی بلند آواز سے کہا "ابھی آتا ہے"!

وہی شخص "کیا کوئی بکرا ہے"؟

تمام "ہاں بے سینگ کا بکرا ہے۔ بلکہ بکرے سے بھی زیادہ۔ اسکا کھا لینا ضروری ہے" یہ کہتے ہوئے سب نے اپنے نیزے ہاتھ میں لے لئے۔ اور جملہ ختم کرتے ہوئے پھر رکھ دئے +

وہی شخص "کیا کوئی بیل ہے"؟

تمام (نیزے پکڑ کر) "ہاں بے سینگ کا بیل ہے۔ بلکہ بیل سے زیادہ۔ اس کا کھا لینا ضروری ہے" اس کے بعد تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔ اور وہی عورت حافظ جعفر سے محبت کی باتیں کر رہی ہے۔ اور حافظ بیچارہ بالکل مبہوت و مدہوش ہے۔ میں تو خیر ابین کی اس وقت ڈر کے مارے بہت ہی بُری حالت تھی +

وہی شخص "گوشت تیار ہے؟"

تمام "ہاں تیار ہے"!

وہی شخص "گوشت پکانے کے واسطے برتن لال ہو گیا"؟

تمام "ہاں لال ہو گیا۔ لال ہو گیا"!

ابین (گھبرا کر) "عمو! وہ یاد ہے۔ اور جہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو مسافروں کے سروں پر لال تو ار کھتے ہیں" مجھے تو وہی صورت معلوم ہوتی ہے۔ ذرا دھیان

رکھئیگا۔"

میں ابھی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دو جانگلو اٹھے۔ اور چاروں چیٹوں کو آگ میں رکھ دیا۔ اور اس عورت نے ایک مضبوط سَن کے رسّے کا پھندا جعفر کے شانوں پر ڈال کر اتنا کسا کہ غریب کو ہاتھ ہلانے مشکل پڑ گئے۔ ایک اَور شخص نے اُس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ اور پہلے دو آدمیوں نے آگ ہٹا کر اندر سے ایک توا نکالا۔ جو بالکل سُرخ ہو رہا تھا۔ جان کس کو عزیز نہیں ہوتی۔ اس وقت حافظ کا جان بچانے کے لئے تڑپنا اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو شاید اتنے بھی حواس باقی نہ رہتے۔ جتنے اس وقت میرے ہیں +

مجھ سے نہ رہا گیا میں نے ایّوب سے تمنچہ چھین کر اپنی طرف سے ہی احتیاط کر کے اُس عورت کے گولی ماردی جو حافظ جعفر کو پکڑے ہوئے تھی۔ جس قدر میں اس عورت کو قتل کر کے خوش ہوا ہوں شاید کوئی شخص ایک ہاتھی مار کر بھی خوش نہ ہوگا۔ کیونکہ بعد میں معلوم ہوا کہ اُسی عورت نے ان لوگوں کو حافظ جعفر کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ ورنہ ان لوگوں کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اور حافظ سے بعد ایّوب کی باری آنے والی تھی۔ اور یہ سب کچھ محض اتنے کے لئے تھا کہ ایّوب نے اس کے ایجاب کو نہایت حقارت سے رد کیا تھا +

وہ عورت تو مُردار ہو کر گری ہی تھی۔ لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ جعفر نے ایک چیخ ماری اور وُہ بھی دُنیا کے پھندوں سے چھوٹ کر اُسی عورت کی لاش پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مجھ کمبخت کی ہی گولی نے حافظ کی جان لی۔ کس قدر ملال اور خوف ہوا ہے۔ کہ اب تک بھی اکثر مجھے اس گناہ عظیم کی یاد آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی ہے۔ خدا رحم کرے۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ میری نیّت ہرگز نہ تھی کہ ایک مسلمان عرب کے خون سے میں اپنے دامن پر دھبّا لگاؤں۔ مگر پھر بھی یہ خیال ہے کہ اس قتل خطا نے میرے نامۂ اعمال کی رہی سہی سفیدی پر سیاہی پھیر دی ہوگی۔ جعفر بیچارہ اللہ مغفرت کرے نہایت متقی شخص تھا۔ اس کی شہادت سے اتنا مجھے ضرور اطمینان ہے کہ اگر کہیں ان

مردم خوار حیوانوں کی خواہش پوری ہوتی تو وہ موت زیادہ سخت ہوتی بہ نسبت
اس گولی کے۔ اور نتیجہ بہر حال یہی ہوتا جو اس وقت ہوا +
بنوالجبر خونخواروں نے کبھی بندوق یا گولی تو دیکھی نہ تھی۔ ہر شخص کو اتنا تعجب
ہوا کہ وہ سب کے سب بڑی دیر تک ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔
بالآخر ایک شخص کو کچھ ہوش ہوا۔ اور اس نے امین کی طرف اپنا نیزہ اُٹھایا
اب بھاگنے کے سوا مفر نہیں تھا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ کھوہ کے دہانہ پر بھی یہی
آدم خوار کھڑے ہوئے تھے۔ اور ہمارے پیچھے تو یہ لوگ اپنے نیزے تانے چلے
ہی آتے تھے۔ بہر حال جس طرح بنا ہم باہر نکل آئے اور تینوں وہیں پہاڑ سے
کمر لگا کر اس طرح کھڑے ہوئے کہ امین بیچ میں اور ایوب اور میں ان کے پہلو
میں۔ ہم کو سینہ ہدف کئے ہوئے دیکھ کر وحشی کچھ جھجھکے۔ لیکن انہوں نے پھر
نیزے اُٹھائے۔ اور ہم نے اپنے تمنچوں سے کام لینا شروع کیا۔ اور امین نے
اپنا چھرا نکالا۔ حالت ایسی تھی کہ ہم کو اپنی زندگی کی بالکل اُمید باقی نہ رہی تھی۔ ہم
ایک دوسرے سے نہایت حسرت کے ساتھ دعا دے کر رخصت ہوئے۔ اُدھر
سے نیزے اُٹھے اور ادھر سے ہم نے اپنے تمنچوں سے اور ایوب نے اپنے چھرے
سے جواب دینا شروع کیا۔ ہماری نالیں خالی ہوگئیں۔ از سر نو بھرنے کی مہلت
نہ تھی۔ ایوب نے اپنا چھرا نکالا۔ ابھی ہاتھ بھی اُٹھانے نہ پایا تھا کہ ایک شخص نے
اس کا ہاتھ پکڑ گھسیٹ لیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد ایوب پر کیا افتاد
پڑی۔ یہ میں نے ضرور دیکھا کہ ایوب گرتے ہوئے اس شخص کو بھی لے گرا
جس نے اُسے گھسیٹا تھا۔ پھر دو آدمی اپنے اپنے نیزے چھوڑ کر میری طرف
جھپٹے اور مجھے گرا لیا۔ شاید خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے اِسی موقعہ کے
لئے مجھے قوت عطا فرمائی تھی کہ میں گرتے ہوئے سنبھلا۔ اور ان میں سے ایک
آدمی کو اُٹھا کر دوسرے پر دے مارا۔ دونوں کے سخت ضرب آئیں اور دونوں
گرے۔ میں ایک کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اور دوسرے کا ہاتھ سے گلا دبایا۔ ایک
کی پسلیاں توڑ دیں۔ اور دوسرے کا گلا گھونٹ دیا۔ غنیمت تھا کہ اس رستخیز

میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ میں بالکل نہتا تھا۔ اگر کہیں دو ہر شخص اپنے ہم جنسوں کی مدد کے لئے آپہنچا ہوتا۔ تو یہاں چڑیا سی جان جاتی ہی رہتی۔ سر جو اُٹھاتا ہوں تو ایک شخص ابین کا چھرا چھین رہا ہے۔ اور در نے اس کو بھی مل کر ڈھا لیا۔ ابین بھی گرتا گرتا ایک مرتبہ پھر سنبھلا اور ایک لاش کی ٹانگیں پکڑ کر دو تین خونخواروں پر دے ماریں۔ یہ ترکیب کسی قدر کارگر ہوئی۔ ابین جھپٹ کر دوسری لاش اُٹھاتے ہی تھے کہ آٹھ دس آدمی لپٹ گئے۔ دو نے ہاتھ پکڑے۔ دو نے پیر۔ آگے لے جانے لگے۔ ابین ایک مرتبہ پھر تڑپ کر قابو سے نکل گیا۔ دو چار مُکّے ادھر اُدھر چلا کر پھر پکڑا گیا۔ اور ایک شخص اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ نیزہ منگوایا گیا۔ اور جیسے ہی ایک شخص کو میں نے اُدھر نیزہ لے جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں +

لحہ کے لحہ میں پھر کشا کشی شروع ہوئی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ ظالموں نے ابین کو بھی ذبح کر ڈالا ہوگا۔ زبردستی آنکھ کھول کر میں نے دیکھا کہ اُستن ابین پر پڑی ہے۔ اور دو تین آدمی اس کو پکڑ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ لیکن اس کے بازو ابین کے گلے میں اور اس کی ٹانگیں ابین کی ٹانگوں سے ایسی لپٹی ہیں کہ کسی طرح چھٹنے میں نہیں آتیں۔ وحشیوں نے اُسے جا بجا سے کونچا بھی مگر اس پر کوئی اثر نہ ہؤا۔ آخر وہی شخص جس نے جعفر کی شہادت سے پہلے سوالات کئے تھے کہنے لگا کہ "نیزے سے کام لو۔ اور ان دونوں کو ایک ہی جگہ چھید کر رکھ دو۔ بڑی شوہر والی بنی ہے"۔ ہائے کیا قیامت کا وقت ہے کہ میں ایک آدمی کو نیزے اُٹھاتے دیکھتا ہوں اور کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ بے بس ہو کر آنکھیں بند کر لیں کہ یکا یک باہر سے ایک شخص کی غیبی فرشتہ کی طرح نہایت تحکمانہ لہجہ میں آواز آتی ہے۔ "بس"! اور میں بیہوش ہو جاتا ہوں۔ اور اس عالم بیہوشی میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتہ مجھے اُوپر اُٹھائے لئے جاتے ہیں +

باب نہم

عشق از یں بسیار کردست وکند
سبحہ را زنار کردست وکند

جب مجھے ہوش آیا ہے تو میں نے خود کو اسی کھوہ میں پڑا پایا ہے جس میں تھوڑی دیر پیشتر یہ سانحہ گذرا تھا۔ میں فوراً اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو میرے سامنے وہی آگ کا ڈھیر ہے۔ اور وہ تو اب تک لال ہوا پڑا ہے۔ میرے پہلو میں امین بیہوش لیٹا ہوا ہے۔ اور رستن اُس کا زخم ٹھنڈے پانی سے دھو رہی ہے۔ اور ایوب ایک طرف دیوار سے لگا بیٹھا ہے۔ میں نے دیکھ کر شکر کیا کہ اس کے کہیں کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ البتہ مُنہ اور ہاتھوں پر بڑے بڑے خراش تھے۔ ہمارے سامنے ان لوگوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ جن کو ہمارے ہاتھوں نے جہنم میں پہنچایا تھا۔ میں نے گِنا تو جعفر اور اس عورت کی لاش سمیت چونتیس ۳۴ تھیں۔ اور ما بقی لوگوں کی کئی آدمی مشکیں کس رہے ہیں۔ اور ان کے سامنے ہمارا مہربان یاقوت نہایت تیز نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا ہے۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر وہ میرے پاس آ کر نہایت اخلاق سے میرا حال پُوچھنے لگا۔ میں نے کہا کہ اور تو کچھ معلوم نہیں مگر تمام جسم میں درد پاتا ہوں +

پھر امین کے زخم کو بغور دیکھ کر کہنے لگا کہ بڑا بُرا زخم ہے۔ اور بڑی بُری جگہ پسلی کے نیچے ہے۔ غنیمت ہے کہ رودوں تک آسیب نہیں پہنچا +

میں "ہزار شکر ہے کہ تم عین وقت پر پہنچ گئے۔ ورنہ ہماری لاشیں ہی دیکھتے اور تمہارے یہ خونخوار بچے ہمارا خون پی چکے ہوتے۔ ہمارے ایک ساتھی کو گویا وہ کھا ہی گئے" +

یاقوت"۔کچھ فکر نہ کرو۔ یہ سب لوگ "ملکہ مطاع الکل" کے سامنے پیش ہونگے اور
ان سے وہ انتقام لیا جائیگا کہ جس کے خیال سے بھی آدمی کانپ جائے۔ جو
لوگ تمہارے ہاتھوں مارے گئے وہ لاکھ جگہ اچھے رہے کہ عذاب سے بچے۔
یہ قصّہ تو بیان کرو۔ کیونکر یہانتک نوبت پہنچ گئی"؟

میں نے مختصر الفاظ میں تمام قصہ بیان کر دیا +

یاقوت"۔ یہاں کی یہی رسم ہے کہ اگر کوئی اجنبی یہاں آنکلتا ہے تو یہ لوگ
اُس کے سر پر لال توا رکھتے ہیں۔ اور پھر اس کو کھا جاتے ہیں" +

میں"۔ کیا خوب! مسافر نوازی کا بہت ہی اچھا قاعدہ ہے۔ ہمارے ملک میں اگر
اس طرح کوئی مسافر آنکلے تو اُس کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور خاطر کرتے ہیں۔ اور
یہاں مسافر کے سر پر لال توا رکھ کر اس کو کھا جاتے ہیں" +

یاقوت"۔ اپنے اپنے ملک کا رواج ہی تو ہے۔ میں تو خود اس رواج کو اچھا
نہیں سمجھتا۔ لیکن آخر رواج ہے۔ پردیسیوں سے نفرت تو مجھے بھی ہے۔ اور
ذرا غور کرو۔ ان لوگوں کا اعتبار ہی کیا جو دریاؤں میں لکڑیاں ڈال کر
مرغابیاں کھاتے ہوئے یہانتک پہنچیں۔ اصل یہ ہے کہ اگر تمہارا یہ ساتھی (ایوب)
اس عورت کی اس قدر توہین نہ کرتا تو یہانتک نوبت نہ پہنچتی۔ اس شخص سے جو
آغاز ہوا وہ صرف اسلیئے تھا کہ تم لوگ رُعب میں آجاؤ۔ اگر تم اس شخص کی
حمایت میں اس عورت کو نہ مار ڈالتے تو بس صرف اس شخص تک اور نوبت پہنچتی۔
اور تم پر کوئی آنچ نہ آتی۔ اب صرف تمہیں صدمہ پہنچانے کے بدلہ میں دیکھنا ان کے
ساتھ کیا نوبت گذرتی ہے۔ میں جیوٹ والے لوگوں پر جان دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مجھے
بڑی خوشی ہوئی۔ کہ تم سب بڑے بہادر ہو۔ ایک شخص کی تو تو نے پسلیاں ہی توڑ
ڈالیں۔ اگرچہ تیری صورت اچھی نہیں۔ اور تیرے لمبے لمبے ہاتھ ہیں۔ مگر تو بہادر
ضرور ہے خدا جانے تیرا کیا نام ہوگا۔ مگر میں تو تجھے آج سے "نسناس" کہا کرونگا۔ تیرا
دوسرا جوان ساتھی بیشک شیر ہے۔ خوب لڑا مگر افسوس ہے کہ بہت ہی برا زخم
کھایا۔ اسکا نام آج سے میں "اسد" رکھتا ہوں۔ تیسرا ابھی کچھ کم نہیں۔ مگر بھدّا ہے

وہ آج سے "کبش" کہلائیگا"۔

میری یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ خطابات کس تقریب سے عطا فرمائے گئے۔ اِن خطابوں نے عجیب قبولیت پائی کہ شاید اس ملک میں ہم اب بھی ان ہی ناموں سے موسوم ہوتے ہونگے۔

یاقوت "ہاں یہ تو بتلا کہ تو نے دُور سے ہی بیٹھے بیٹھے اس عورت کے جسم میں روزن کیسے کر دیا۔ یہ سُنا ہے کہ تو ایک مرتبہ زور سے چیخا تھا۔ اور تیرے مُنہ سے کچھ دھواں بھی نکلا تھا"۔

مجھے ابین کا فکر لگا ہوُا تھا اور خود بھی بہت تھکا ہوُا تھا۔ کسی طرح بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ لیکن یاقوت جیسے صاحبِ قوت شخص کو جواب نہ دینا بھی خالی از خدشہ نہ تھا۔ اِس لیئے میں نے مختصراً بندوق کی ہیئت اور بارُوت کی ہیئت سمجھائی۔ وہ جانور کیا خاک سمجھتا۔ کہنے لگا میں یوں نہیں سمجھونگا کرکے دکھلا دو۔ کہنے لگا کہ ان ہی میں سے ایک آدمی کھڑا کرتا ہوں۔ اس کو مار کر دکھلا دے ایک آدمی کو کون پوچھتا ہے۔ مجھ سے یہ معلوم کرکے کہ ہم بلا وجہ کسی آدمی کو قتل نہیں کرتے۔ اور نہ بے رحمی کے ساتھ انتقام لینا چاہتے ہیں۔ اس کو سخت تعجب ہوُا۔ بہر کیف میں نے اس کی تسلّی کردی کہ جب میں اچھا ہو جاؤنگا تو تمہیں کوئی جانور شکار کرکے دکھلا دُونگا۔ بلکہ ممکن ہوُا تو تمہارے ہی ہاتھ سے شکار کرادونگا"

میرے اس وعدہ پر اس پیرِ فرتوت کو اتنی خوشی ہوئی۔ کہ شاید کسی ناسمجھ بچے کو نیاہ دینے کے وعدہ پر بھی اتنی نہ ہوتی۔

اتنے میں ابین نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ میں اور ایوّب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور یاقوت سے پیچھا چھوٹا۔

ایوّب نے اور میں نے حافظ جعفر کی تجہیز و تکفین کی اور وہیں باہر دونوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔

اِنسان پر جو جو افتاد پڑتی ہیں یا پڑ سکتی ہیں اُن کو دیکھتے وہ لوگ بہت ہی خوش قسمت معلوم ہوتے ہیں جن کو گور و کفن میسر آجاتا ہے۔ ورنہ سیکڑوں بے کس

تو ایسی کس میرسی میں مرے یا مارے جاتے ہیں کہ وہیں پڑے پڑے درندوں پرندوں اور حشرات الارض کی خوراک بن جاتے ہیں۔ لیکن بہرحال یوں بکیس مریں یا مقبروں میں دفن ہوں نتیجہ سب کا ایک ہے۔ وہی اعمال کی جزا و سزا جو ایک کے واسطے مقرر ہے دوسرے کے واسطے بھی ہے۔ پھر ذرا قبرستان کی سیر کیجئے۔ اور دیکھئے کہ مرنے والوں میں سے ہر فرد ایسا تھا۔ جس کے اُٹھنے سے ایک خاندان میں اور بعض وقت اُس سے بھی گذر کر شہر بھر میں قیامت زا کہرام برپا ہوگا۔ مگر آج تلاش کر کے بھی کوئی ایسا شخص نکال دیجئے جو یہ کہہ دے کہ "یہ ہمارے بزرگ تھے"۔ پس اس خصوص میں بھی دونوں کا حشر ایک سا ہی ہؤا۔ اس قادر مطلق کی نظر میں تمام دنیا مساوی ہے۔ مگر اکرمکم عند اللہ اتقاکم خدا ان ہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے +

رات کو ہم دونوں ابین کو اسی کھوہ میں اُٹھا لے گئے۔ جہاں ہم ٹھیرائے گئے تھے۔ اُستن نے تنہا ابین کی خبرگیری کا بیڑا اُٹھایا۔ میں اور ایوب جا کر سو رہے۔ مجھے تکان تھپک تھپک کر سُلانا چاہتی تھی۔ لیکن جعفر کی دردناک موت کا سماں چٹکیاں لے لے کر جگا دیتا تھا۔ آخر نیند آگئی۔ اور خواب میں حافظ جعفر۔ نہیں بلکہ جعفر شہید کو باغ میں ٹہلتا ہؤا پایا۔ میں نے دیکھا کہ اُنہوں نے (خدا اُن کی مغفرت کرے) میرے سلام کا جواب دیا ہے۔ اور مُسکرا کر یہ فقرے کہے ہیں:۔

"جو شخص زندہ ہے وہ موت کو جانتا ہے۔ اور جو مر گیا اس کو پھر موت نہیں"۔
"عالم ارواح میں زندگی و موت دونوں کا ذکر نہیں ہوتا۔ تمام چیزیں ہمیشہ زندہ"
"رہتی ہیں۔ البتہ ایک خاص وقت میں وہ سو جاتی ہیں۔ اور اُن کو لوگ بھول"
"جاتے ہیں۔ بھلا یہ باغ زمین پر کہاں ملتا"۔

مجھے یہ فقرے لفظاً لفظاً اس وقت تک یاد ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم حافظ کو میری طرف سے کوئی ملال نہیں۔ خدا بھی اپنے فضل و کرم سے میرا گناہ معاف کر دے تو کیا بڑی بات ہے +

دن خوب چڑھ آیا تھا کہ میری آنکھ کھلی۔ میرا عضو عضو دُکھ رہا تھا۔ اور کسی طرح اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اتنے میں ایوب بھی لنگڑاتا ہؤا آیا۔ اس کی زبانی معلوم

ہؤا کہ امین رات کو سوئے تو بہت آرام سے۔ لیکن اس وقت ان کو سخت نقاہت ہے۔ یہاں علاج معالجہ کا کون موقعہ تھا۔ میری تجویز سے ایوب نے انہیں کچھ کونین کھلادی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد قہوہ پلادیا۔

میں وہیں پڑا ہؤا کروٹیں بدل رہا تھا۔ کہ یاقوت کو آتے دیکھ کر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن کن انکھیوں سے اُسے "تاڑتا رہا۔ پہلے اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور پھر آپ ہی آپ کہنے لگا:۔

یاقوت۔ "بڑا ہی بدصورت ہے۔ بس بالکل بندر۔ میں نے نسناس بہت ہی موزوں نام تجویز کیا ہے۔ لیکن خدا جانے مجھے اس سے محبّت کیوں ہے! ایک تو مرد اور پھر پردیسی۔ مثل مشہور ہے کہ جس شخص کا اعتبار نہ ہو اس کو زندہ نہ رکھنا چاہئے۔ اور عورت سے تو دُور بھاگنا چاہئے۔ یہ کسی نہ کسی روز تجھے ضرور موت کا دروازہ دکھلائیگی۔ مگر خیر مجھے اس نسناس سے محبّت ہے۔ ملکہ بھی اسے پسند کریگی۔ اور ضرور اس پر اپنا جادو چلائیگی۔ بیچارہ لڑائی کے بعد تھک گیا ہے۔ چلو سونے دو"۔

یہ کہکر وہ دو ہی قدم آگے گیا ہوگا۔ کہ میں نے انگڑائی لے کر آواز دی "ابوی کیا تم تھے"

یاقوت۔ "ہاں میں ہی تھا۔ تو ابھی سوجا۔ میں تجھے پوچھنے اور یہ کہنے آیا تھا کہ تیرے دشمن سب "ملکۂ مطاع الکل" کے تخت گاہ کی طرف روانہ ہو گئے"۔

میں۔ "نہیں اب سونے کا تو کیا وقت ہے۔ یہاں پڑے میرا جی بہت ہی گھبراتا ہے۔ خدا کے واسطے مجھے باہر لے چلو"۔

یاقوت۔ "تیرا جی یہاں ضرور گھبراتا ہوگا۔ یہ جگہ ہی ایسی ہے۔ میں نوعمر تھا کہ اتفاق سے میں نے اسی تخت پر جہاں تو لیٹا ہے ایک بہت ہی حسین عورت کی لاش دیکھی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت عورت تھی۔ میں اکثر رات کو چراغ لے کر یہاں آیا کرتا تھا۔ اور اس کی صورت دیکھا کرتا تھا۔ اس کی صورت و شکل میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔ اگر اس کا جسم سرد نہ ہوتا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ

وہ سوتی ہے یا مردہ ہے۔ ہر شخص یہی جانتا کہ جب اس کی نیند پوری ہو جائیگی۔ تو وہ اُٹھ بیٹھے گی۔ اُس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ اور بھورے بال اِس قدر لمبے تھے کہ اُس کے پیروں تک بچھے ہُوئے تھے۔ "ملکہ مطاع الکل" کے تخت کے پاس اب بھی ایسی لاشیں بہت رکھی ہُوئی ہیں۔ دیکھنا وہ لوگ کیسے عقلمند تھے کہ اپنے محبوبوں کو ہمیشہ کے لئے اس طرح سجاتے تھے کہ اُن کی شکل و شباہت میں ذرا فرق نہ آنے دیتے تھے۔ غرض میں روز یہاں آ آکر اس کو دیکھا کرتا تھا۔ یہانتک کہ میں بالکل اس کی صورت کا دیوانہ ہو گیا۔ ناتجربہ کار لڑکا تو تھا ہی۔ دیوانہ ہُوا بھی تو کس پر؟ مُردہ پر جس کے جسم میں خدا جانے کبھی جان تھی بھی کہ نہیں میں اس کی صورت دیکھ دیکھ کر اپنے دل کی حسرت نکال لیا کرتا تھا۔ اس عشق نے میری عقل میں بڑی ترقی کی۔ یہ بات میں نے اُس جنون میں ہی معلوم کی کہ آدمی کی زندگی کی میعاد بہت ہی کم ہے۔ اور موت ہی ازلی و ابدی چیز ہے۔ اور جتنی چیزیں سورج کے نیچے نظر آتی ہیں ایک روز یوں ہی معدوم ہو جائیں گی اور دُنیا ان کو بھول جائیگی۔ غرض یہ باتیں مجھے اُسی لاش سے حاصل ہوئیں۔ ایک روز میری ماں کو کچھ شبہ ہو گیا۔ اور مجھے بہت ہی متغیر دیکھ کر اس نے چھپ کر میرا پیچھا کیا۔ اور اس لاش کو چومتے ہوئے دیکھ کر مجھ پر بہت ناراض ہوئی۔ اور اپنے چراغ سے اُس مُردہ کے بالوں میں آگ لگا دی۔ جو مُردے اس ملک میں اس طرح رکھے ہُوئے ہیں وہ جلتے خوب ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ لاش بھی جل گئی دیکھ وہ چھت میں اب تک اسی کا دُھواں لگا ہُوا ہے۔"

میں نے آنکھ اُٹھا کر جو دیکھا تو واقعی اب تک چھت میں دُھواں لگا ہُوا تھا۔ دیواروں پر بھی ضرور ہوگا۔ لیکن شاید اتنے عرصہ میں اُتر اُتر گیا ہوگا +

یاقوت: "میری ماں آگ لگا کر مجھے اپنے ساتھ لے گئی۔ مجھے بڑا صدمہ ہُوا اور کچھ بہانہ کر کے میں پھر یہاں آیا۔ دیکھا تو ساری لاش جل چکی ہے۔ مگر گھٹنوں تک ابھی آگ نہیں پہنچی۔ مجھ سے اور تو کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک پیر گھٹنے سے کاٹ کر یہیں چھپا دیا تھا۔ ایک مدت تک میں روز اُسے بھی آکر چوما کرتا تھا مگر جتنے

ہوتے پھر خیال جاتا۔ وہ پَیر اب بھی شاید یہیں پڑا ہو گا۔ میں اس روز سے آج ہی یہاں آیا ہوں"۔

یاقوت نے یہ کہہ کر تخت کے نیچے اپنا ہاتھ ڈالا اور تھوڑی سی تلاش کے بعد ایک لمبوتری گٹھری بالکل مٹی میں بھری ہوئی نکالی۔

یاقوت "نسناس! دیکھ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ لے دیکھ وہ پیر یہ رہا"۔ کپڑے کی خاک جھاڑی اور پیر نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔ واقعی یہ پیر کسی گوری چٹی حسین و نازنین عورت کا تھا۔ اور اس قدر تازہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی کاٹا گیا ہے۔ یہ وزن میں بہت ہی ہلکا تھا۔ گوشت اور ہڈیاں اپنی اصلی صورت پر باقی تھیں۔ اور اس میں سے ایک بھینی بھینی خوشبو نکل رہی تھی۔ لطف یہ ہے کہ مصری لاشوں کی طرح اس کی رنگت میں بھی فرق نہیں آیا تھا۔ اگرچہ دُنیا میں پُرانے مصری اس فن میں بڑے کامل سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے باشندوں کے سامنے وہاں کے لوگ بالکل عطائی ہی ہیں"۔

مَیں نے اُس پَیر کو اُسی تخت پر رکھ دِیا جس پر اس کی مالک ہزاروں برس سوتی رہی تھی۔ عجیب عجیب خیالات میرے ذہن میں آئے۔ اس مُلک کے زمانہ تہذیب کا نقشہ۔ اس نازنین کی تصویر۔ جیسی کچھ میرے تصوّر میں آسکتی تھی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ ہائے خدا جانے بچپن میں کن کن نازوں کی گود میں پلی ہو گی۔ یہ پَیر خدا جانے کھیل کود میں کہاں کہاں پھرتے ہونگے۔ پھر جوانی میں اِن ہی قدموں نے کیا کیا قیامت نہ اُٹھائی ہو گی۔ کس کس کے دل پسپا نہ کئے ہونگے۔ کس کس کی امید دل کو نڑپایا ہو گا۔ اور آخر خدا جانے کس کس خوش نصیب کی زیب پہلو ہُوئی ہو گی۔ کن کن کنیزکوں نے یہ قدم دھوئے ہونگے اور کیسے کیسے قیمتی قالینوں کو روندا ہو گا۔ وہ مرد میدان جن کی گردنیں اہل دنیا کے سامنے کبھی خم نہ ہوتی ہونگی یہیں آکر جھکی ہونگی۔ اور آج کیا ہے؟ بیکسی اور وہ بھی کس بلا کی! کہ آدمی قیاس ہی نہیں کر سکتا کہ یہ تھی کون۔ بے لبسی۔ اور وہ بھی اس قیامت کی۔ لاش جلا دی گئی اور کسی کے مُنہ سے اُف تک نہیں نکلی۔ کون جانتا ہے کہ اس نازنین نے

اپنے اصلی مستقل مکان تک پہنچنے میں دنیاوی محلات کے کن کن درجوں میں قدم رکھا ہوگا۔ اور کہاں کہاں کی حسرتیں اس کے ساتھ ہی گئی ہونگی +

میں نے اُس پیپر کو پھر اُسی کپڑے میں لپیٹ دیا جو میرے نزدیک مرنے والی کا کفن تھا۔ کیونکہ یہ بھی کچھ تھوڑا سا جل چکا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس کو اپنے ساتھ ہی رکھونگا۔ مگر چلتے ہوئے بالکل بھول گیا۔ پھر میں یاقوت کے ساتھ امین کے دیکھنے کو گیا۔ میں نے اُن کو بالکل خوش پایا زخم اُن کا بےشک بہت ہی بُرا تھا اور خون ضائع ہونے سے نقیہ بہت دیکھا۔ ماشاءاللہ گورے چٹے تو بہت تھے۔ اس وقت بالکل سفید معلوم ہوتے تھے۔ ہم سب اُن کو اُٹھا کر باہر ہوا میں لے گئے اور وہیں سایہ میں بیٹھ کر کھانا کھایا +

یہ دو دن ہمارے بھی اطمینان سے کٹے۔ تیسرے روز تک ہیں اور ا تو ب اچھے ہو گئے۔ امین بھی بہ نسبت پہلے کے بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اُستن ہی اپنی تجویز سے کچھ مرہم پٹی کرتی تھی۔ میرے نزدیک اب زخم کی حالت کچھ بہتر تھی +

چونکہ یاقوت ہماری روانگی کے لئے سخت متقاضی تھا۔ لہٰذا امین نے دوسرے روز "شہر کور" اور "ملکہ مطاع الکل" کی طرف روانگی کا وعدہ کر لیا +

امین کا زخم ابھی تک پُوری طرح مندمل نہ ہُوا تھا۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ہچکولوں سے انگور نہ پھٹ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یاقوت یہ نہ کہتا کہ اس کو اپنی جان کا خوف ہے تو امین کے تندرست ہونے تک میں کبھی چلنے کی حامی نہ بھرتا۔ مگر مقدر +

باب دہم

بخیال چشم کہ می زند قدح جنوں دل تنگِ ما
کہ ہزار میکدہ میدود برکاب گردشِ رنگ ما

صبح ہی صبح پانچ ڈولیاں تیار ہوئیں۔ جن میں سے تین تو ظاہر ہے کہ ہمارے واسطے ایک یاقوت کے واسطے۔ جس کی ہمرہی میں نے مغتنمات سے سمجھی۔ اور پانچویں شاید اُستن کے واسطے ؛

ہلیں ”ابوی! یہ اُستن بھی ہمارے ساتھ ہی جائینگی“؟

یاقوت ”اُن کی مرضی ہے۔ جائیں یا نہ جائیں۔ ہمارے ملک میں عورتیں بالکل آزاد ہوتی ہیں۔ ہم ایک حد تک اُن کی پُوری مدارات کرتے ہیں۔ کیونکہ دُنیا کا قیام محض اُن ہی کی وجہ سے ہے۔ اکثر دادی بننے تک وہ ناگوار نہیں ہوتیں۔ لیکن پھر ان کی آزادی ناگوار ہونے لگتی ہے۔ اور ہم جوانوں کی عبرت کے واسطے انہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ تمام عورتوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مرد اُن سے ہر حال میں زیادہ قوی ہیں۔ میری بیوی بھی اِسی طرح تین برس ہوئے کہ مار ڈالی گئی۔ لیکن تب سے میری زندگی بہت ہی خوش گذر رہی ہے“ ؛

یہ عقدہ کہ ان وحشیوں کی نظروں میں عورتوں کی اس قدر وقعت کیوں ہے۔ اس وقت جا کر حل ہوا۔ کیا یہ لوگ دنیا کا قیام محض ان کی ذات سے سمجھتے ہیں؟

ہلیں ”یعنی بیوی کے مار ڈالے جانے سے تمہیں آزادی زیادہ مل گئی۔ اور خرخشے کم ہو گئیں۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کے وجود سے آدمی کو چین نہیں ملتا“؟

یاقوت (بہت غور کرکے) ”بس یہی بات ہے۔ اسی وجہ سے تو اس مُلک میں تمام

جوان ہی عورتیں نظر آتی ہیں۔ یہ اُن ہی کا قصور ہے۔ اور یہ عورت اُستن تو بہت ہی دل گردہ کی ہے۔ اور اسد کو بہت ہی پیار کرتی ہے۔ تو نے دیکھا نہیں کس طرح اس نے خود کو اس پر سے قربان کر دینا چاہا تھا۔ اور ہمارے ملکی رواج کے بموجب اس کا نکاح بھی اسد سے ہو چکا ہے۔ اس کو حق ہے کہ ساتھ جائے بشرطیکہ ملکہ مطاع الکل اس کے خلاف حکم نہ دے دیں۔"

میں:۔"اور اگر یہ ملکہ کا حکم نہ مانے تو کیا ہوگا؟"

یاقوت:۔"اگر آندھی ایک درخت کو جھکا دینا چاہے اور وہ نہ جھکے۔ تو اُس کا یہی انجام ہوگا نا کہ آندھی اس کو دو ٹکڑے کر کے پھینک دیگی۔"

میرے جواب کا انتظار نہ کر کے یاقوت اپنی ڈولی میں جا بیٹھا۔ اور ہم اپنی اپنی ڈولی میں۔ اور فوراً روانہ ہو گئے۔ ہمارے ساتھ پچاس آدمی تو حفاظت اور ہمارا اسباب اُٹھانے کے لئے تھے۔ اور فی ڈولی چھ چھ آدمی ڈولیوں کے واسطے +

ہمارے قافلہ نے گھنٹہ بھر میں یہ پہاڑی طے کی۔ اور گھنٹہ بعد دوسری پہاڑی پر پہنچے۔ ہم سے کوئی نو دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آتی تھی۔ جس پر آفتاب کی شعاعیں پڑ پڑ کر چار چاند لگے ہوئے تھے۔ اس کے گرد کوسوں تک سبزہ بیٹھا یہ سیر دیکھ رہا تھا۔ دو پہر کو ہم اس دلدل کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ کھانا کھایا۔ اور پھر اُسی دلدل پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دُور تو کچھ راستہ دلھن جیسا بنا نظر آتا تھا۔ لیکن آگے بڑھ کر اس کا نشان تک نہ تھا۔ مجھے اس وقت تک سمجھ میں نہ آیا کہ یہ وحشی اُس دلدل کے دریا کو کس طرح عبور کر گئے جہاں چھوٹی چڑیاں بھی میرے نزدیک پھنس کر رہ جائیں۔ صرف اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ ہمارے قافلہ کے آگے آگے دو آدمی لمبے لمبے بانس جیسی لکڑیاں لئے ہوئے کہیں کہیں اس دلدل کے عمق کا اندازہ کر لیتے تھے۔ اور بس۔ اس کی بھی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ اس دلدل کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ جہاں آج گڑھا تھا۔ کل نہ ہوگا اور دوسری جگہ اس سے بھی گہرا گڑھا پڑ جائیگا۔ مجھے ایسا سخت سفر یا ایسا ناخوش آیند نظارہ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی

یا تو یہی دلدل تھی یا بڑے بڑے مینڈک اُچھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ یا آبی چڑیاں
اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ کہیں کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور بس۔
ان سب پر قیامت تھے وہ زہریلے بخارات جو اس دلدل سے اُٹھتے تھے اور
تنفس کے ساتھ ہی تیر و نشتر کا کام کرتے تھے +

خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک مرتفع و مسطح زمین ملی۔ باوجودیکہ سخت گرمی
تھی اور مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے کسی طرح آرام ملنے کی اُمید نہ ہو سکتی تھی۔
لیکن یہ قدرتی فرش سچ جانئے کہ قاہرہ کے اعلےٰ درجہ کے آراستہ مکان چھوڑنے
کے بعد بدرجہا غنیمت معلوم ہوا۔ نماز پڑھی۔ کھانا کھایا۔ میرے ساتھی تو خدا جانے
سوئے یا نہیں۔ لیکن میری نیند تو کوسوں اُڑ گئی +

یہ سفر ایبن کو بہت ہی مضر ہوا۔ اسی روز دوپہر کو بخار ہو گیا۔ چہرہ زرد ہو گیا
اور سخت کرب رہا۔ خدا اُستن کا بھلا کرے۔ بیچاری رات بھر مچھر اڑایا کی۔ میں نے
احتیاطاً کچھ کونین کھالی۔ عجب نہیں کہ اسی کی یبوست نے میری نیند اُڑائی ہو۔
میں چت لیٹا ہوا قدرت کاملہ کی سیرگاہ کی سیر کر رہا تھا +

ستارے یکے بعد دیگرے ہزاروں نہیں لاکھوں پر پہنچ گئے۔ میں تو ڈرا کہ
کہیں یہ آسمان کی پرانی چھت ان قندیلوں کے بوجھ سے نہ ٹوٹ پڑے۔ جو بجائے
خود ایک دنیا کو اپنے پہلو میں چھپائے بیٹھے ہیں۔ یہ نظارہ فی حد ذاتہٖ انسان کی
غلط فہمی کے لئے عجیب تازیانہ تھا۔ میں بہت دیر تک تو اس عالم بالا کی سیر اور
ان مرئیات کے فلسفہ کے مشغلہ میں لگا رہا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں میں نے چاہا
کہ اپنے تخیلات کا جولانگاہ اس میدان کو نہ بناؤں۔ جس میں قدم قدم پر خلجان
خار راہ ہوتے ہیں۔ اور قاعدہ بھی ہے کہ انسان جب ان لامحدود قدرتوں کو (اور
پھر قدرتیں بھی کس کی؟ قادر مطلق کی) اپنے محدود علم کا آشیانہ بنانا چاہے تو
وہ ایک کرہ سے دوسرے کرہ تک جانے میں بہت ہی جلد تھک کر بیٹھ جاتا ہے
یہ معلومات ہمارے ہاں کی نہیں۔ بلکہ ایک اور ہی فرقہ کے حصہ میں آئی ہیں
جن پر مخلوق کامل کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ہمارا علم ہی

جس کو ہم اپنے نزدیک نہایت کامل سمجھے بیٹھے ہیں۔ ہم کو اندھا کر کے ایک گڑھے میں
ڈال دیتا ہے۔ اور یہی ہمارے دلائل و براہین کی قوت کا نشہ ہم کو ایسا اوندھے
مُنہ گراتا ہے کہ اُٹھنا اور نکلنا بغیر کسی کامل دستگیر کے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر مقدر
نے یہاں بھی دھوکا دیا۔ اور یہ میسر نہ ہُوا تو ہم ہیں اور تحت الثرےٰ کی سیر۔ کیا
یہ اکثر نہیں دیکھا جاتا کہ اِسی کتاب کے مُطالعہ کرنے والوں کی آنکھیں چوندھیا
جاتی ہیں؟ کیا یہ نہیں ہوتا کہ انسان ظلُوم و جھُول آخر کار انہی قدرت کی
صنعتوں کو دیکھتے دیکھتے اس واجبُ الوجود کی ہستی سے اِنکاری ہو جاتا ہے؟
یا یُوں کہو کہ اپنے ہی زور میں آپ آ گرتا ہے۔ حقانیت کے وُجود سے اِنکار کرنا
اور آفتاب سے اِنکار کرنا برابر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس کے مُنہ پر
امتحاناً ایک نقاب ڈال دیا گیا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ آفتاب سے آنکھیں لڑا
کر کون اپنی آنکھ کھوئے۔ بس جہاں زیادہ زور کا وقت آیا اور ہماری آنکھیں
گئیں۔ اور اے دیکھئے وہ چاروں شانے چت گرے۔ یہ سب کچھ علم کا قصور نہیں
بلکہ علم ناقص کا قصور ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ علم کامل حاصل ہونا بھی نہایت
مشکل ہے۔ اور یہ ہم جیسوں کو حاصل ہوتا ہے تو کب؟ جب کہ ہم پر من وجہ
انسانیت کا اطلاق نہیں رہتا۔ کیونکہ یہاں کی آلائشات کسی طرح ہمارا قدم
اس مقام اعلےٰ تک پہنچنے ہی نہیں دیتیں۔ بھری ہوئی مگر ٹوٹی ہوئی کشتی دریا
میں جا رہی ہے۔ اس کا کنارے لگنا بہت ہی مشکل ہے بجز اس کے کہ وہ جس
کے ہاتھ میں نظام کائنات ہے۔ اس کو پہنچا دے۔ ہم جیسے خواب و خور کے بندے
تو محض اِسلئے ہیں کہ ایک محدُود گندے تالاب میں ایک بُلبُلا دیکھتے ہیں۔ اور اپنی
عقل و علم کو بغل میں دبا کر اس کو قبضہ میں لے آنے کے لئے مصروف ہو جاتے ہیں
پھر اگر وہ بُلبُلا ہم نے پکڑ پایا۔ اور کچھ دیر ہم نے اس پر قابُو بھی پا لیا۔ تو اسکا نام
ہم نے رکھا ہے خوشی اور اطمینان۔ لیکن جہاں وہ بُلبُلا ٹوٹا (اور حباب کی عمر ہی کیا)
بس ہم ہیں اور موت کی جُستجو اور قبر کی تلاش۔ دیکھئے اب بھی بہکی ہی نہیں گئی ؎
میں سیدھا لیٹا ہوں۔ ستاروں کی نہ جھپکنے والی آنکھیں مجھ سے آنکھیں لڑا

رہی ہیں۔ قریب ہی دلدل آنکھیں دکھا رہی ہے۔ اور زہریلے بخارات اُٹھ اُٹھ کر کاٹنے دوڑ رہے ہیں۔ کہ عالم خیال میں انسان کی حالت کا نقشہ کھنچ گیا اور مجھے خیال ہوا کہ اگر وہ صانع مطلق اس فانی مخلوق کو بھی اپنی قدرت کاملہ سے وہی کیفیت عطا فرماوے۔ جو ان اشیا کو ہے تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ کاش اطمینان قلب کی (جو ہم کو دم کی دم کے لئے میسّر آتا ہے) جڑ مضبوط ہوتی۔ اور اُس کو بھی قدامت کا رُتبہ حاصل ہو جاتا۔ کاش ان سوہان رُوح کی عمر کم ہوتی۔ جن سے ہمیں عمر بھر واسطہ رہتا ہے۔ مگر معاً خیال ہوا کہ نتیجہ بہت ہی بُرا ہوتا۔ اس کم مایگی پر تو یہ کیفیت ہے کہ ہم اپنے خالق و صانع کے وجود میں بحث کرنے لگتے ہیں۔ اس حالت میں تو شاید اس کے ہم پلّہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگ جائیں۔ ہاں شاید یہ صورت اس وقت میں مفید ہوسکتی کہ ہم چشم بصیرت سے اپنے ہر فعل کے ساتھ ہی اس کے نتیجہ کو دیکھتے ۔

اگر بالفرض ہم میں طاقت دی جاتی کہ جب چاہتے موجودہ چولے کو چھوڑ کر دوسرا چولا اختیار کر لیتے۔ یا ان بخارات کی طرح جو اس وقت دوڑتے پھر رہے ہیں نہایت آزادی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر سُبک روی کر سکتے۔ یا کم سے کم ما یحتاج چیزوں پر ہم کو تصرف کامل عطا ہوتا۔ یا ان ستاروں کی طرح ہم کو بھی قدامت اور گونہ جلا اور روشنی حاصل ہوتی۔ تو اس صورت میں کیا ہم کائنات کے پرزوں کی ماہیّت سمجھ سکتے۔ یا حقانیّت کی روشنی سے جو ہمیشہ اور ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتی ہے محض اپنے علم و عقل کے بھروسہ پر جادۂ مستقیم معلوم کر سکتے۔ نہیں ہرگز نہیں تو اطمینان کامل حرف غلط ہے۔ مُنہ دھو رکھو ۔

یہ اور اسی قسم کے لاکھوں خیالات مجھ پر ہجوم کئے ہُوئے تھے۔ یہ خیالات کچھ نرالے نہیں ہیں۔ بلکہ ہر انسان کو۔ اگر اس میں عقل اور رُوح ہے کسی نہ کسی وقت اسکی حیثیت کے موافق اُس کو ضرور ستاتے ہیں۔ فی الاصل یہ ایک مضمر تحریک ہوتی ہے جادۂ مستقیم کی طرف۔ اب کسی نے تو ان ہی نجوم و مہ و خورشید کو دیکھ کر خالق کو پا لیا اور کوئی ان ہی کو دیکھتے اس کی ہستی کا انکاری ہو گیا۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک لق و دق میدان میں دوڑتے چلاتے پھرنے سے ہم ستاروں کا فلسفہ معلوم کر سکتے ہیں مشکل ہے مگر قلب متاثر ہو تو وہ دیکھئے پو پھٹی۔ وہ آفتاب نکلا اور وہ روشنی ہو گئی۔ اگر یہ نہیں تو سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی ایک اُمید کے سہارے بیٹھا رہے۔ اسی میں چھٹکارا ہے۔ اُمید وہ چیز ہے کہ محض اس کے طفیل میں آدمی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر ہماری تقدیر نے یاوری نہ کی۔ اور ہماری بے بضاعتی نے ہمیں لوٹ لیا تو قبر کا چین بھی گیا۔ وہاں پیر پھیلا کر بھی کوئی ہمیں لیٹنے نہ دیگا۔ اس کے بعد مجھے اس سفر اور مقاصد سفر کا دھیان آیا تو اور بھی بیچینی ہوئی۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ ہم ایک نامعلوم غیر مشخص تحریر پر بھروسہ کر کے خواہ مخواہ مہلکہ میں پڑ گئے۔ آخر یہ ملکہ ہے کون جو اپنے ہی جیسے عجیب و غریب رعایا پر اس شدومد کے ساتھ حکمرانی کر رہی ہے؟ پھر وہ حیات ابدی کا روشن مینار کیا معنی رکھتا ہے؟ لُطف یہ ہے کہ اس کو ایک جگہ قیام نہیں۔ کیا اس کائنات کی چار دیواری میں کوئی ایسی چیز بھی موجود ہو سکتی ہے جو انسان کے گوشت پوست کی دیواروں کو بوسیدہ ہونے اور گرنے سے محفوظ رکھ سکے؟ امکان کا میدان تو بہت وسیع ہے۔ لیکن یقین۔ یہ اب تک نہیں آتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عارضی طور پر اپنی زندگی بڑھا لینی قالب انسانی میں رُوح داخل ہو جانے سے زیادہ تو عجیب نہیں ہے۔ بھلا اگر یہ قصّہ صحیح ہو تو پھر؟ بلا شبہ وہ شخص جس کو ایسی عجیب و غریب چیز مل گئی ہے۔ آسانی سے تمام دنیا پر قابض ہو سکتا ہے۔ دُنیا بھر کی قوت و دولت و حشمت۔ علم و عقل حاصل کر سکتا ہے۔ ہماری عمر کا مساوی زمانہ وہ ایک ایک علم کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ پھر جب یہ صُورت ہے۔ اور یہ ملکہ بھی "ہمیشہ زندہ رہنے والی" مانی جاتی ہے تو یہ اِن کھوؤں۔ اِن وحشیوں میں کیوں پڑی ہے؟ اس خیال نے میرے دل میں تھوڑی دیر کے لئے یک سوئی پیدا کر دی۔ اور مجھے اطمینان ہو گیا یہ قصہ ہی سرے سے لغو اور بے بُنیاد ہے۔ اگر اس ازدیاد عمر کا غالب نتیجہ یہی ہے کہ آدمی وحشیوں میں ہاتھ

پَنبر توڑ کر بیٹھ رہے تو میرا تو دُور ہی سے سلام ہے +

اگر حیات ابد یافت خضر ہمت گو؟ کہ چیں زموج برابر دے حیواں اندازو

میں تو وہی جامع ازہر کی دیواروں کے سایہ تلے ایک آن مقرر میں جان نکل جانے کو فوز الکبیر سمجھونگا - اور ان خونخواروں میں خونخوار ہو کر رہنے کو حیات خضر کے بدلہ میں بہت ہی گراں جانونگا - یُوں میری زندگی کون اچھی گذر رہی ہے - لیکن اس ملکہ کی زندگی کو پھر بھی نہایت ذلیل سمجھتا ہوں +

موجودہ حالت تو یہ ہے کہ ع اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے - کا مضمون اس پر بہت ہی صادق آتا ہے - کون جانتا ہے کہ آج ہم زمین کے اُوپر ہیں تو کل ہی ان وحشیوں کے ہاتھوں دو گز زمین کے نیچے نہ ہونگے -

اللہ اللہ کر کے نیند آئی اور ان خیالات پریشان کا خاتمہ ہوا - صبح کو جو آنکھ کھلی تو وہ آفتاب جو اپنی آپ دلیل ہے - اور جو اپنے خالق اور خالق الکل کی قدرت وعظمت کی دلیل ہے اُفق سے نکلتا ہوا معلوم ہوا - شعاعیں مشعلیں لئے ہوئے رات کے سیاہ کاروں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں - اور ہمارے درندے حمال روانگی کی فکر میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے - میں نے اُٹھ کر قضا نماز پڑھی - امین کو دیکھا تو سر پکڑے بیٹھے تھے - چہرہ پر زردی تھی - اور آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہُوئے تھے +

میں - "امین! کیا حال ہے؟"

امین - "عمو! کچھ پوچھئے نہیں - مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری جان قبض کی جا رہی ہے - تمام جسم سُن ہے - اور سر تو جیسے ہے ہی نہیں "

مجھے اَور بھی پریشانی ہوئی - نبض پر ہاتھ رکھا تو سخت بُخار پایا - لاچار صُورت دیکھ کر چُپ ہو رہا - ایّوب کے پاس گیا تو اُسے درد کمر نہ اُٹھنے دیتا تھا - اُسے کونین کھلائی - خود کھائی - اور موجودہ حالت نے جو حکیم (یعنی یاقوت) ہمارے ساتھ کر دیا تھا اس سے مشورہ کیا - اُس نے بڑے غور سے دونوں کو دیکھا +

یاقوت - "اسکو (امین) بے شک بخار بہت ہی سخت ہے - لیکن وہ جوان آدمی

ہے۔ بُخار آپ ہٹ جائیگا۔ اور کبش (ایوب) کو کچھ ایسا بُخار نہیں ہے۔ یہ موٹا تازہ آدمی ہے۔ ڈولی میں چلیگا تو ٹھیک ہو جائیگا۔ سارا بخار اسکی چربی پی جائیگا۔"
مجھے اس تشخیص اور اس علاج پر بہت ہی ہنسی آئی +

میں "ابوی! ایسا نہ ہو کہ سفر کا تکان انہیں اور بھی مضرت پہنچائے"

یاقوت "(اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) نہیں۔ اور یہاں رہینگے تو یہ دونوں مر جائینگے بس ان کا علاج ہی ڈولی کے ہچکولے ہیں۔ کل صبح ہوتے ہوتے ہم اس دلدل سے گذر جائینگے۔ تو بس اب جلدی چلو۔ ڈولی ہی میں آج کھانا کھا لینگے"

اب چلنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ ایبن کو خدا کے سپرد کر کے ڈولی میں بٹھایا۔ اور چل پڑے۔ تین گھنٹہ تو کوئی بات قابل بیان نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ایک واقعہ گذرا کہ جس سے ہم یاقوت اور اس کی معیت سے قطعی ہاتھ دھو بیٹھے تھے +

ہماری ڈولیاں اسی دلدل پر چلی جا رہی ہیں۔ حمال گھٹنوں گھٹنوں اس دلدل میں دھسے جاتے ہیں۔ مگر اپنی عقل حیوانی کے طفیل میں آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ کہ یکایک چیخ پکار کی آواز آئی۔ اور دفعتاً پانی میں کوئی بھاری چیز گرتی ہوئی سُنائی دی۔ تمام قافلہ وہیں ٹھیر گیا۔ جھانک کر جو دیکھتا ہوں تو ہماری داہنی طرف دلدل کے پانی نے ایک تالاب جیسا بنا دیا ہے۔ اسی تالاب میں یاقوت کی ڈولی تیر رہی ہے۔ اور یاقوت کا کہیں پتہ نہیں۔ میں فوراً کود پڑا۔ معلوم ہُوا کہ یاقوت کے ایک حمال کو وہیں سانپ نے ڈسا۔ اس نے پہلے تو گھبرا کر ڈولی چھوڑ دی۔ اور پھر حالت غشی میں اضطراراً اس نے پھر ڈولی کا ڈنڈا دونوں ہاتھوں سے پکڑنا چاہا۔ اور حمالوں نے ایک تو دھکا کھایا۔ اور پھر دیکھا سانپ۔ سب نے ڈولی اُٹھا کر پھینک دی۔ اور گھبراہٹ میں پھینکی تو کس طرف؟ جدھر تالاب تھا۔ مارگزیدہ حمال تو اسی وقت مر گیا۔ اور سانپ بھی مار ڈالا گیا۔ لیکن تالاب میں ڈولی کا کپڑا یاقوت کا بلائے جان ہو کر اُسے غوطے دینے لگا۔ تمام حمال کھڑے دُور سے بتلا ہی رہے تھے کہ "ہمارا باپ وہ رہا" لیکن اس کو بچانے کے لئے ایک نے بھی تو قدم آگے نہ بڑھایا۔ میں فوراً تالاب میں کود گیا۔

اور ذرا سی کوشش میں ڈولی تک پہنچ کر کیپڑا اٹھایا۔ اور یاقوت کو گھسیٹ لایا۔ یاقوت کی مضحک صورت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ سر سے پیر تک کیچڑ میں لتھڑا ہوا۔ لمبی ڈاڑھی، نوک دم بنی ہوئی۔ اس پر کیچڑ کا خضاب پانی سے ٹپکتا ہوا۔ مجھے بھی خوب خوب پھبتیاں سوجھیں۔ لیکن افسوس موقعہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آ گیا۔

یاقوت "(اپنے بیٹوں سے) ارے او کُتّو! تم نے یُوں آسانی کے ساتھ اپنے باپ کو ڈوبنے دیا۔ اگر میرا بیٹا نسناس مجھے نہ بچاتا تو میں کبھی کا ڈوب گیا ہوتا۔ خیر تمہاری بات مجھے ہمیشہ یاد رہیگی"۔

میں نے دیکھا کہ یاقوت کے آخری فقرہ سے سب کانپ گئے۔ مگر جواب ایک نے بھی نہ دیا۔

یاقوت "(مجھ سے) نسناس! میں عمر بھر کے لئے تیرا احسانمند ہو گیا۔ اب اِس زمین پر تیری نیکی بدی میں کوئی کام آنے والا ہو گا تو میں۔ تو نے آج میری جان بچائی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی وقت ایسا آ جائے کہ میں تیری اسی طرح جان بچاؤں"۔

اب خدا جانے یاقوت کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ یا ان خونخواروں میں کسی کی جان جانے کی پرواہی نہ تھی۔ یا کیا صورت تھی کہ کسی نے پرواہی نہ کی۔ بہر کیف تھوڑی دیر میں ان کے باپ کا بدن سوکھ گیا اور ہمارا قافلہ آگے روانہ ہو گیا۔

باب یازدہم

محبت جادۂ دارد نہاں در خلوتِ دلہا
چو تارِ سبحہ گم گردید ایں رہ زیرِ منزلہا

غنیمت ہُوا کہ یاقوت کا اندازہ غلط نکلا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ آج غروب کے بعد ہی اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا۔ مگر رات پھر وہیں دلدل کے کنارے ہی

گذارنی پڑی - یہاں نسبتاً مچھر بھی کم تھے - اور گرمی میں بھی تخفیف تھی - میں نے سب سے پہلے امین کو جا کر دیکھا - اور افسوس ہے کہ صبح سے زیادہ خراب حالت میں پایا۔ دن بھر قے ہوتی رہیں - اور اس وقت بالکل غشی تھی - میری رات بھر پلک سے پلک نہیں جھپکی - بیچاری استفن مجھ سے بھی زیادہ مستعد رہی - ایوب کی حالت بھی کچھ تسلی بخش نہ تھی - مگر نہ اس قدر کہ کوئی خاص بے اطمینانی ہوتی ✦

صبح ہوتے امین کو کچھ ہوش ہؤا - لیکن سفر سر پر سوار تھا ہی - نماز پڑھتے ہی ہم پھر چل پڑے - اُستفن پیدل ہو لی - کیونکہ اندیشہ تھا کہ شدت ضعف اور بیہوشی سے امین کہیں گر نہ پڑیں - میں نے دن بھر جب جھانک کر دیکھا ہے اُستفن کو امین پر سے مکھیاں اُڑاتے ہی پایا - مجھے ایک لمحہ بھی امین کے خیال نے نہیں چھوڑا اور اس کے انجام کی نہایت مخوف تصویر میری آنکھوں کے سامنے رہی - میں ہزار اس خیال کو دفع کرنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکتا تھا - کہ خدا بھلا کرے یاقوت اپنی ڈولی میرے برابر لے آیا - اس کی باتوں میں کسی قدر جی بہلا - مگر امین کی نسبت اس کی بھی یہی رائے تھی کہ اگر دو چار پہر اس کی یہی حالت رہی اور کسی آسایش کے مقام پر نہ پہنچ گیا تو جان کا بچنا مشکل ہو جائیگا - اب علاج ہی کیا ہو سکتا تھا میں بھی ٹھنڈے سانس لے کر چُپ ہو جاتا تھا ✦

دوپہر سے کچھ پہلے ہم ایک عجیب پر فضا میدان میں پہنچے - نظر کوسوں تک سبزہ روندتی چلی جاتی تھی - اگر کہیں رُکتی تھی تو اکثر ان پھولوں پر جو دلکش انداز سے اپنی آزادانہ حالت پر وجد کر رہے تھے - اور سبزہ کی سُستی اور بے لبسی پر ہنستے تھے - ہمارے سامنے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑ تھا جو ایک قدرتی بہار کو بغل میں دبائے کھڑا تھا - بس بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک ظالم دیوزاد ایک مرصع زیور پہنے ہوئے پری نگار کو دبوچے کھڑا ہے - شاید کوئی پندرہ سو فٹ کی بلندی پر ایک قلعہ کی سی فصیل نظر آتی تھی جو اندازاً بارہ تیرہ سو فٹ اُونچی ہو گی - مگر بعد میں معلوم ہؤا کہ یہ دیوار نہ تھی - بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار قایم کر دی تھی - اس پہاڑ کا عرض و طول ٹھیک تو نہ معلوم ہو سکا

گرداگرد پچاس مربع میل پر احاطہ کئے ہُوئے تھا - میرے نزدیک ایسا وسیع اور مضبُوط قلعہ جس کے قدرتی بروج آسمان کا مُنہ چُومتے ہیں - اس آسمان کے نیچے تو دوسرا ہوگا نہیں +

میں اپنے مذاق کے موافق اس کا لُطف اُٹھا رہا تھا - اور یاقوت میری صورت دیکھ کر مسکراتا تھا +

یاقوت "ملکہ مُطاع الکل" کا مکان دیکھا - بھلا دنیا میں کسی اور بادشاہ کا بھی ایسا تخت ہوگا"؟

میں "واقعی بہت ہی عجیب وغریب جگہ ہے - مگر ہم اس کے اُوپر کیونکر پہنچ سکینگے؟ یہ تو بہت ہی دشوار گذار جگہ معلوم ہوتی ہے"

یاقوت "(مسکراکر) دیکھتا جا - آپ معلوم ہو جائیگا - اب ذرا اس میدان کو تو دیکھ - تو بڑا عقلمند آدمی ہے - بتلا تو یہ کیا جگہ ہوگی ؟

میں نے دیکھا تو ہمارے سامنے ہی ایک سڑک جیسی پڑی ہوئی تھی - جو سیدھی پہاڑ تک پہنچتی تھی - لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارہ جیسے بنے ہوئے ہیں - جو کہیں کہیں ٹوٹ گئے ہیں - مجھے خیال ہُوا کہ آخر سڑک پر ایسے اُونچے کنارہ کیوں بنائے گئے ہیں +

میں "شاید سڑک ہوگی (کچھ سوچ کر) مگر نہیں - یہ نہر تھی"

یاقوت "شناس تو بالکل سچا ہے - یہ نہر ہی تھی - ہم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں انہوں نے پانی کے واسطے بنائی تھی - اصل میں پہاڑوں کے بیچ میں ایک جھیل تھی - اور بہت نقصان پہنچاتی تھی - ہم سے پہلوں نے پہاڑ کاٹ کر اس جھیل کے پانی کے واسطے راستہ بنایا تھا - پھر یہ نہر کھودی اور وہ پانی اس نہر میں لا ڈالا - اسی نہر میں کو ہو کر وہ پانی حِصّہ زیرین میں پہنچا - اور میرے خیال میں تو اسی پانی نے اِن دلدلوں کی بُنیاد رکھ دی تھی - جن سے ابھی ہم گذر کر آئے ہیں - اچھا - تو جب وہ جھیل بالکل سُوکھ گئی - تو ان لوگوں نے جہاں وہ جھیل تھی ایک شہر آباد کرکے - اس کا نام کور رکھا - جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں -

ان ہی لوگوں نے خدا جانے کتنے روز میں یہ کھوئیں کھود دی تھیں۔ جن کو تو دیکھ چکا ہے۔ اور ابھی دیکھیگا"۔

میں "ہاں شاید۔ لیکن اب وہ جھیل برسات اور چشموں کے پانی سے پھر کیوں نہیں بھر جاتی؟"

یاقوت۔ وہ لوگ بڑے عقلمند تھے۔ انہوں نے پانی کا نکاس ہی دوسری طرف کر دیا تھا (کوئی کوس بھر پر ایک ندی دکھلا کر) یہ جو دریا نظر آتا ہے۔ بس یہی وہاں پانی جمع نہیں ہونے دیتا۔ یہ دریا پہاڑ کے کنارے کنارے ہو کر بہتا ہے۔ شاید پہلے اسی نہر میں سے ہو کر پانی کا نکاس رکھا گیا ہو۔ لیکن پھر ان لوگوں نے اس کا رُخ اس دریا کی طرف پھیر دیا"

میں۔ میرے نزدیک سوائے اس کے کہ کوئی شخص اس دریا کے کنارے کنارے جائے اور کوئی راستہ اوپر جانے کا نہ ہوگا"

یاقوت (مجھے بغور دیکھ کر) نہیں آدمیوں اور جانوروں کے گذرنے کے واسطے ایک اور بھی چور راستہ ہے۔ تو اگر برس روز بھی تلاش کرتا رہے تو تجھے پتہ نہیں لگ سکیگا۔ سال بھر میں صرف ایک دفعہ جب لوگ اپنی بھیڑ بکریاں لینے آتے ہیں تو اس پر آمد و رفت ہوتی ہے"

میں "ملکہ مطاع الکل کیا ہمیشہ پہاڑ پر ہی رہتی ہیں۔ یا کبھی نیچے میدان میں بھی اُتر آتی ہیں"

یاقوت "یوں ہونے کو تو ملکہ ہر جگہ ہیں۔ لیکن رہنے کو جہاں رہتی ہیں۔ رہتی ہی ہیں" یہ مہمل اور بے معنی جواب دے کر یاقوت نے اپنی ڈولی آگے بڑھوالی ۔

اس سدا بہار میدان کو اگر آپ فی المثل قلعہ کا پائیں باغ کہئے۔ اور چھوٹے قد کے پھولدار بوٹوں کو مکمل زیور پہنے ہوئے دلربا مانئے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جابجا بڑے بڑے درخت خواجہ سراؤں کی طرح کھڑے ادب سے پہرہ دے رہے ہیں۔ اور عالم محویت میں بلا لحاظ داب مقررہ اس تو بہ شکن نظارہ کو دیکھ

دیکھ کر جھومے جاتے ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سرو چمان کے رقیب کھجوروں کے درخت بھی نظر آتے ہیں۔ جو سو فٹ سے کم اونچی نہ ہونگی۔ ان میں سے ہر ایک پر شہد کی مکھیوں کا وہ ہجوم تھا۔ کہ اس کے استقلال و تحمل سے دیکھنے والوں کا جی گھبراتا تھا۔ شکار کی یہ کیفیت تھی کہ گینڈے سے لے کر خرگوش تک ایسے آزاد اور نڈر ٹہلتے پھر رہے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ میدان بلا شرکت غیرے ان ہی کی ملکیت ہے۔ اور سچ پوچھئے تو تھا بھی۔ اتنا شکار دیکھ کر میرے منہ میں پانی نہ بھر آنا ناممکن تھا۔ اتفاق سے میرے پاس ڈولی میں ایک بندوق اور کچھ کارتوس بھی تھے۔ میں نے ایک بارہ سنگے کو تاکا اور پیدل ہو گیا۔ میری اس وحشت کو دیکھ کر تمام قافلہ ٹھیر گیا اور ہمارے ہمراہی جانوروں نے میرا تماشا بنا لیا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر کہیں بندوق خالی گئی تو بڑی ہیٹی ہوگی۔ تکبیر پڑھ کر جو بندوق داغتا ہوں تو گولی بارہ سنگے کا شانہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور وہ وہیں بیٹھ گیا۔ حمال غل مچاتے ہوئے دوڑے اور اس کو دبا بیٹھے۔ ابن تو خیر بالکل بیہوش تھے۔ ایوب وحشی نہ تھا۔ باقی تمام نہایت حیرت سے میرا منہ تک کر رہ گئے۔ یاقوت نے آکر مجھے گود میں اُٹھا لیا +

یاقوت "بڑی عجیب بات ہے۔ نسناس تُو بدصورت تو ہے۔ مگر ہے بڑا عقلمند تیری عقلمندیوں کا مجھے اب یقین آیا۔ تُو تو مجھے بھی سکھلا دینے کا وعدہ کرتا تھا"۔

میں۔ "ہاں ہاں سکھلا دونگا۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے"۔

غروب آفتاب سے کوئی دو گھنٹہ پیشتر ہم اس پہاڑ کے سایہ میں پہنچ گئے جو سماں اس وقت میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ بیان ہو نہیں سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ اس پہاڑ کی بلندی اور اس کے دامن کی لطافت نے مجھے بالکل محو کر لیا تھا ہم کچھ اَور بڑھے تھے کہ سایہ نے ہاتھ پھیلا کر اس لطافت کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور ہم ایک درہ جیسے راستے میں داخل ہُوئے جو اسی پہاڑی سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ میرے نزدیک برسوں ہزارہا آدمی لگے رہے ہونگے۔ تب کہیں جا کر

یہ راستہ کٹ سکا ہوگا۔ یہ اب تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ اتنا بڑا کام بلامدد بارود اور ڈائنامیٹ کے کیونکر ہوگیا ہوگا۔ میرے خیال میں جس طرح مصر میں اس قسم کے تمام کاموں کا بار سلطنت کے ذمہ ہوتا تھا۔ اور ہزاروں قیدیوں سے یہ کام لیا جاتا تھا اور تمام خرچ خزانہ شاہی پر پڑتا تھا۔ اِسی طرح یہاں بھی یہ تمام کام سلطنت کو رنے کرائے ہونگے۔ ورنہ کسی فرد واحد کا تو منہ ہرگز نہ پڑیگا کہ پہاڑ کٹوا پھینکے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر یہ لوگ تھے کون؟

آخر ہم اس درہ کے آخری حصّہ پر پہنچ گئے۔ بالکل سامنے ہی ایک ٹنل[1] نظر آئی۔ اس کی محراب میں اور نیز جس قدر نظر اندر جا سکتی تھی وہی تمام باتیں موجود تھیں۔ جو آج اُنیسویں صدی عیسوی کے ٹنل میں ہوتی ہیں۔ یہ ٹنل اس طرح کاٹی گئی تھی کہ اس کا ایک حصّہ تو ندی کے کام آتا تھا۔ اور دوسرا مرتفع حصّہ ندی کے کنارے کنارے راستہ تھا۔ جس پر آدمی اور چوپائے بہ آسانی چل پھر سکتے تھے۔ یہی وہ ندی تھی جس کو یاقوت نے دریا کا خطاب دیا تھا۔ اس ٹنل پر آکر ہمارا تمام قافلہ ٹھیرایا گیا۔ حمالوں نے روشنی کا انتظام کیا۔ اور یاقوت نے مجھ سے آکر کہا کہ ملکہ "مطاع الکل" کا حکم ہے کہ اس میں داخل ہونے سے پیشتر تم سب کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں۔ مجھے اس میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ یاقوت نے کچھ پٹیاں زرد رنگ کے کپڑے[2] کی نکالیں۔ میں نے تو خود باندھ لی۔ لیکن ایّوب نے سمجھا کہ کہیں یہ "لال توا" رکھنے کا مقدمہ نہ ہو۔ وہ کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ مگر خیر میرے سمجھانے سے اس نے بھی بندھوالی۔ اُستن بھی اس سے نہ بچی۔ غالبًا اس خیال سے کہ کہیں ہمیں راستہ نہ بتلائے غرض چراغ جل گئے۔ اور ہم پھر روانہ ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں پانی کی آواز اور پیروں کی گونج سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہم اب پہاڑ کے اندر جا رہے ہیں۔

---

[1] وہ سرنگ جس میں سے ہوکر آج کل ریل چلائی جاتی ہے۔

[2] پہلے میرا خیال تھا کہ یہ کپڑا یہاں بنایا جاتا ہوگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مقبروں میں یہی کپڑا مردوں کا کفن ہوتا تھا۔ وہیں سے لیکر یہ اس بیدردی کے ساتھ خرچ ہو رہا ہے (حنیف)

یہ بہت ہی خوفناک حالت تھی کہ ایک شخص اس ملک کے خونخواروں سے واقف ہونے کے بعد اندھا بنا کر بالکل بے دست و پا ایک ٹنل کے اندر سے لے جایا جائے۔ مگر میں ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ ورنہ کبھی اس جھلکہ میں نہ پڑتا۔ میں بیٹھا ہُوا اپنے نزدیک اس مقام کا لطف اٹھا رہا ہوں کہ ان وحشیوں نے اپنے لہجہ میں اِسی قسم کا گیت گانا شروع کیا۔ جیسا کہ ہمارے گرفتار ہونے کی رات کو گایا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے میری طبیعت میں فرحت پیدا ہوئی یا خوف۔ جو کچھ حالت تھی۔ میں اس کی تصویر کاغذ پر نہیں کھینچ سکتا۔ تھوڑی دیر میں ہوا اس قدر بھاری ہو گئی کہ میں نے تو سمجھا تھا کہ میرا دم بند ہو جائیگا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ڈولی ایک طرف کو پھری اور وہ کیفیت جاتی رہی۔ اور دو تین موڑ پھیروں کے بعد پانی کی آواز بھی نہ رہی۔ لیکن ڈولیوں کا یہ پھر پھراؤ دیر تک قائم رہا۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ان کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں جماؤں۔ شاید کسی بُرے وقت کام آئے مگر نہ ہو سکا تھوڑی دیر میں روشنی معلوم ہُوئی اور ہمیں پٹیاں کھول ڈالنے کی اجازت ہو گئی۔ اب میں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو پر ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے سے مجھے کتنا تعجب ہُوا ہے۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوُا کہ جِس چوٹی کو ہم اُس طرف بہت ہی اُونچا سمجھ رہے تھے۔ ادھر سے بہت ہی قریب تھی۔ شاید کوئی دَو سَو فٹ اُونچی رہی ہو گی۔ اس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ اس طرف کی زمین اُس طرف کی زمین سے کسی قدر اُونچی ہے۔ اب نہ معلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا قدرتی ہی تھی۔ بہر حال اس وقت ہم نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل ایک پیالے کی قطع کی تھی۔ عجب نہیں ہے کہ یہ پہاڑ بھی کسی زمانے میں آتش فشاں رہا ہو۔ گرد و پیش کے میدان میں تمام کھیتیاں لہلہا رہی تھیں۔ اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔ اس کے بعد کچھ کھنڈرات پڑے نظر آتے تھے۔ مگر میں ان کو بغور دیکھ بھی نہ سکا کہ بنو الحجر کے غول بیابانی نے ہم کو آگھیرا اور نظر کی سدِ راہ ہو گئے۔

ابھی ہم ان کو دیکھ ہی نہ چکے تھے۔ کہ اسی فرقہ کی ایک فوج دقیانوسی ہتھیاروں سے سجی ہوئی سامنے آئی۔ ان کے افسروں کے ہاتھ میں ہاتھی دانت جیسی کسی چیز کی چھڑیاں تھیں۔ یہ سب ایک چیتے کی کھال باندھے ہوئے تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہ فوج ملکہ کے باڈی گارڈ کی ہے +

اس فوج کے افسر نے بڑھ کر یاقوت کو اس قطع سے سلام کیا کہ اپنی وہی چھڑی بائیں ہاتھ سے اپنے ماتھے پر ترچھی رکھی۔ اور پھر دل پر داہنا ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھک گیا۔ یاقوت سے کچھ پوچھا (یہ سوال وجواب میں بالکل نہ سمجھ سکا) اور اُلٹے پیروں پھر گئے۔ اور ہماری ڈولیاں اُن کے پیچھے ہوگئیں۔ کوئی آدھے گھنٹہ کے بعد ہمارا قافلہ ایک بہت بڑی کھو کے سامنے ٹھیرایا گیا۔ جس کا دہانہ اندازاً دس گز اُونچا۔ اور تیس گز چوڑا ہو گا۔ یاقوت نے اپنی ڈولی سے اُتر کر مجھے اور ایوّب کو بھی اُترنے کو کہا + امین چونکہ بالکل بیہوش تھا اس لئے اُن کی ڈولی آگے کی گئی۔ اور اس کے پیچھے ہم + اس کھو میں کچھ تھوڑی دور تک تو آفتاب کی روشنی تھی۔ آگے بڑھ کر چراغوں کی قطاریں تھیں۔ مدّت کے بعد آج مجھے قاہرہ کے بازار کے گاس کی روشنی یاد آگئی +

کھو کے اندر سب سے پہلے جس چیز پر میری نظر پڑی وہ تصویریں تھیں جو سنگتراشوں کی اعلیٰ صنعت کی گواہی دے رہی تھیں۔ یہ تصویریں بالعموم اسی قسم کی تھیں جن کا ذکر میں یہاں کے برتنوں میں کر آیا ہوں۔ اکثر میں تو وہی حسن وعشق کے دلچسپ قصّے دکھلائے گئے تھے۔ اور پھر شکارگاہیں۔ مجرمین کی سزائیں دکھلائی تھیں۔ جن میں سب سے زیادہ "لال توا" رکھنے کی سزا کے نقشے تھے۔ غالباً ان وحشیوں نے ان تصویروں سے ہی "لال توا" رکھنا سیکھا ہوگا۔ اگرچہ کشتی اور نیزہ بازی کی تصویریں نظر آتی تھیں۔ لیکن میدان جنگ یا نقشہ جنگ ڈھونڈھے ہی سے ملتا تھا +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ عروج میں بھی ان بانیوں کو خانہ جنگی یا بیرُونی حملوں سے بہت کم واسطہ پڑا ہے یا شاید کبھی نہیں پڑا۔ ہر تصویر کے

شروع ہونے سے پہلے کچھ کتبہ بھی تھا۔ جس کو میں نہ پڑھ سکا۔ اتنا ضرور تھا۔ کہ نہ وہ یونانی خط تھا۔ نہ عبرانی۔ نہ سریانی۔ نہ قبطی۔ البتہ چینی خط سے بہت مماثل تھا۔ اگرچہ کھوہ کے دروازہ کے قریب کسی نامعلوم وجہ سے یہ تصویریں کچھ خراب ہوگئی تھیں۔ لیکن اندر تو بالکل یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا سنگتراش نے آج ہی اپنا کمال ختم کیا ہے +

آگے بڑھے۔ ایک مرد ملا اور اپنی ملکی رسم کے موافق سینہ پر ہاتھ رکھ کر جُھک کے سلام کیا۔ اور خاموش ساتھ ہو لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص گونگا تھا +

دروازہ سے کوئی سو قدم آگے بڑھ کر داہنے اور بائیں طرف اور چھوٹی چھوٹی کھوہ یا غلام گردش کے دروازے تھے۔ بائیں طرف کے دروازہ پر دو شخص پہرہ دے رہے تھے۔ میں نے نتیجہ نکالا کہ "ملکہ مطاع الکل" اِسی طرف رہتی ہے داہنی طرف کی کھوہ میں ہمیں داخل ہونے کا حکم ہوا اس غلام گردش کو چند قدم طے کر کے ہمیں ایک چھوٹا سا کمرہ ملا۔ اس کے دروازے پر کسی گھاس کے بوریئے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ گونگے نے پردہ اُٹھایا اور ہم اس کمرہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایک تو پتھر کی چوکی جیسی تھی۔ اور اُس پر کچھ چیتے کی کھالیں رکھی تھیں گونگے نے ہمیں اشاروں سے سمجھایا کہ یہ ہمارے اوڑھنے بچھونے کے لئے ہیں۔ اور کچھ برتن پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے +

یہاں ہم نے امین کو اسی غفلت میں سوتا چھوڑا۔ اور اس کے ساتھ اُستنن کو۔ اسی قطع کے دوسرے کمرے میں ایوب کو ٹھیرایا گیا۔ اور دو اَور کمروں میں مجھے اور یاقوت کو +

باب دوازدہم

کجا ذزدم دل خوں گشتہ را از ناوک چشمے
کہ در آئینہ ماند ہمچو جوہر عکس مژگانش

میں اپنے کمرے میں آتے ہی سب سے پہلے نہایا۔ غنیمت تھا کہ ہم نے اپنا تمام اسباب جہاز تباہ ہونے سے پہلے ہی اپنی کشتی پر رکھ لیا تھا اور اب بنو الجر کے طفیل مجھے تمام چیزیں سلامت مل گئیں۔ میں نے خود حجامت بنائی۔ کپڑے بدلے۔ افسوس ہے کہ صابن ہمارے ساتھ نہ تھا جس کی سخت ضرورت تھی۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ اس ملک میں ایک قسم کی مٹی ہوتی ہے جو صابن کا اچھا کام دیتی ہے۔ نہا کر مجھے بہت ہی سخت بھوک معلوم ہوئی۔ ایک گونگی عورت نے آکر مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔ میں اُس کے پیچھے ہو لیا۔ دوسرے کمرے میں کھانا رکھا تھا۔ اور ایوّب بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا۔ مگر کچھ وحشت زدہ سا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ خدا جانے اس ملک کی عورتیں میری کیوں دشمن ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مجھے ٹیڑھی ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ بڑی بدتمیز عورتیں ہیں ؞

میں نے اُسے سمجھ لیا کہ اس ملک میں تمیز اور تہذیب کی تو کسی سے امید رکھو نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ تمہیں ٹیڑھی نظر سے دیکھتی ہیں۔ یہ محض وہم ہے مگر ایوب کی تسلی نہیں ہوئی ؞

یہ کمرہ میری "خوابگاہ" سے دوگنا بڑا ہوگا۔ فی الاصل یہ جگہ میرے نزدیک مُردوں میں مصالحہ وغیرہ بھرنے کے لئے بنائی گئی ہوگی۔ کیونکہ فی الاصل یہ تمام کھوئیں اسی غرض سے تھیں کہ مردوں میں مصالحہ وغیرہ بھر کر پتھر کی چوکیوں پر لٹا دیتے تھے۔ اور یہ مردے صدیوں اپنی اصلی حیثیت پر باقی رہتے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ اس فن خاص میں کوئی قوم بھی اس مردہ

قوم کی برابری نہیں کر سکی ہے۔ اگرچہ مصر والے بھی کچھ کم کمال نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر ان سے مقابلہ کیا جائے تو وہ لوگ بالکل ان کا مُنہ چڑاتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کمرے میں جو چوکی تھی وہ اَوروں کے مقابلے میں بہت بڑی اور ذرا زیادہ اُونچی اور اَور چوکیوں کی طرح پتھر کی چٹان سے ہی کاٹی گئی تھی اور اس پر بھی اوروں کی طرح پہاڑ کاٹ کر روشندان بنایا گیا تھا۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ چوکیاں بیچ میں سے گہری بنی تھیں تاکہ مردہ زلزلہ کے صدمے سے نیچے نہ گر پڑے اور اس میں پانچ مختلف قد کے آدمیوں کے برابر گڑھے جیسے ہاتھ۔ پیر۔ سر رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ تاکہ لاش کو بآسانی لٹا کر اس پر عمل کیا جا سکے۔ اگر اس میں کچھ شک رہتا تھا تو وہ تصویریں رفع کرتی تھیں جو دیواروں پر بنی ہوئی تھیں اور جن میں ایک خاص دراز ریش شخص (شاید کوئی بادشاہ ہو) کے مرنے کے وقت سے لیکر مصالحہ وغیرہ بھر کر لٹا دینے کی تصویریں دکھلائی تھیں +

ان میں سے پہلی تصویر اُس شخص کی حالت نزع کی تھی کہ وہ شخص ایک مسہری پر لیٹا جان توڑ رہا ہے۔ مرد عورت کھڑے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حسین و جوان عورتوں کے بال ایک خوشنمائی کے ساتھ شانہ اور سینہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی وضع ہی یہ تھی۔ یا کہ سوگ میں بال یوُں بکھیرے جاتے تھے۔ دوسری تصویر لاش میں مصالحہ وغیرہ بھرنے کی تھی۔ لاش ایک اسی قسم کی چوکی پر یعنی ایک گڑھے میں پڑی ہے (کیا عجب ہے کہ یہی چوکی ہو) اور تین آدمی اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ایک شخص تو کھڑا ہوُا دیکھ ہی رہا ہے۔ دوسرے کے ہاتھ میں نلکی جیسی کوئی چیز ہے۔ جس کا آخری باریک حصّہ سینے کی ایک شریان میں زخم کر کے لگا ہوُا ہے۔ تیسرا ٹانگیں چیرے ہوئے لاش کے اُوپر کھڑا کوئی گرم چیز ایک لوٹے میں لئے ہوئے اس نلکی میں ڈال رہا ہے۔ بھاپ اُٹھ رہی ہے۔ اس خاص تصویر میں دو چیزیں بالکل عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ مؤخرالذکر دونو آدمی ایک ہاتھ سے اپنی ناک دبائے ہوئے ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ اس دوا کے بخارات اس قدر زہرآلود ہوتے ہونگے کہ آدمی کو جان کا خوف ہوگا۔ دوم یہ کہ

تینوں آدمیوں کے مُنہ پر ایک کپڑا لپٹا ہوُا ہے - صرف آنکھوں کی دو دو روزن ہیں - میں اس کی وجہ نہ سمجھ سکا - کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ دوا یا اُس کے بخارات چہرے کو بھی مضرت پہنچاتے تھے تو اس تیسرے شخص پر اُس کا اثر کیوں نہ پہنچتا جو صرف کھڑا دیکھ ہی رہا ہے - اور ان لوگوں پر کیوں نہ پہنچتا جو بالکل قریب ہی کھڑے ہیں +

تیسری تصویر اسی شخص کے امانت رکھنے کی تھی - لاش ایک کھو کے اندر ایک اسی قسم کی چوکی پر جو ہمیں سونے کے لئے نصیب ہو تی رہی ہیں - ٹھنڈی پڑی ہے - کمر سے لے کر گھٹنے تک ایک کپڑا لپٹا ہوُا ہے - سر اور پیر کی طرف چراغ جل رہے ہیں اور اس طرف پہلو میں مختلف برتنوں میں بھری ہوئی کچھ جنس رکھی ہوئی ہے - ان میں اُس قسم کے برتن بھی ہیں جو "لال توا" رکھتے وقت ہمارے سامنے لایا گیا تھا - پوری کھو آدمیوں سے بھری ہوئی ہے اور ایک طرف کوئی شخص کھڑے ہوئے بربط پر کچھ گا رہے ہیں - مردہ کے بائیں جانب ایک شخص ایک بڑی چادر لئے لاش کو ڈھکنے کا منتظر کھڑا ہوا ہے +

یہ تصویریں ایسی خوبصورتی سے بنائی گئی تھیں کہ آدمی ذرا سی کوشش سے لوگوں کے جذبات تک کا اندازہ کر سکتا تھا - میں نے ان کو بالتفصیل اس لئے بیان کردیا ہے کہ ناظرین کو اُس ملک کی آخری رسمیں پورے طور سے معلوم ہو جائیں - وہ حضرات جو زمانۂ قدیم کی تحقیق کا مدار ان تصویروں کو سمجھتے ہیں اور نہایت دور رفہمی کے ساتھ ان کو درایت سے کہیں معتبر جانتے ہیں - نئی تحقیقات کے واسطے مصر عتیق سے زیادہ شہر کور کی کھوؤں میں ایک لامحدود ذخیرہ پائینگے اور (کیا عجب ہے کہ میرا یہ خیال صحیح ہو) یہاں کے باشندے مصر والوں سے زیادہ مہذب ملینگے +

فی الجملہ یہاں بھی کھانا وہی بکری کا اُبلا ہوُا گوشت - تازہ دودھ اور مکی کی روٹیاں تھیں - مگر ذرا وحشیانہ تکلف کے ساتھ لکڑی کے خوانوں میں چنا ہوا - میں نے حسب معمول دودھ سے روٹی کھائی اور فوراً ابین کو دیکھنے چلا گیا - اس وقت اُن کی حالت اَور بھی رَدی تھی - اگرچہ اُن کی آنکھ کھُل گئی تھی - مگر سخت کرب کے ساتھ بے انتہا ہذیان تھا - اُستفن اُن کو سنبھالنا چاہتی تھی اور وہ اپنے نزدیک دریائے نیل

کی کشتیوں کی دوڑ دیکھنے جانا چاہتے تھے۔ بیچاری اُستنن سخت پریشان روتی جاتی تھی اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ میری آواز سُن کر امین کو کسی قدر تسکین تو ہوئی لیکن ہذیان کی وہی کیفیت رہی۔ کسی بات کا جواب مجھے تسلی بخش نہ ملا۔ میں نے بمشکل انہیں لٹایا اور زبردستی کچھ دودھ پلایا۔ تھوڑی دیر میں وہ پھر غافل ہو گئے ✤

میں کوئی گھنٹہ بھر حیران پریشان اُن کے پاس بیٹھا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا علاج کروں کہ یاقوت گھبرایا ہوا آیا ✤

یاقوت "نسناس"! "ملکہ مطاع الکل" نے تیری حاضری کا فوراً حکم دیا ہے۔ یہ وہ عزت ہے جو آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی ✤

میں تو ایک اور ہی اُلجھن میں پڑا ہوا تھا۔ سُن کر خاموش ہو رہا۔ علاوہ ازیں ایک خونخوار نامعلوم ملکہ کے سامنے پیش ہونے کی "عزت" کو میں نفرت سے دیکھتا تھا۔ جانے کو جی تو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن یاقوت کے تقاضے سے بادل ناخواستہ اُٹھا اور چلا۔ اتفاق سے وہیں فرش پر میری نظر ایک چمکدار چیز پر پڑی۔ اُٹھا کر دیکھا تو وہی انگوٹھی تھی جو امین کے والد کی امانت یعنی کپّی کے ٹکڑے کے ساتھ نکلی تھی اور اُس پر ایک بطا اور انڈے کی تصویر بنی تھی جس کے معنی تھے "ملک ابن الشمس"۔ امین نے چلتے ہوئے اُسے نکھروا کر پہن لیا تھا اور اس وقت کہیں کرب و ہذیان میں نکال کر پھینک دی ہوگی۔ میں نے سوچا کہ یہاں پڑی رہی تو گم ہو جائیگی یا ممکن ہے کہ پھر کسی وقت نکال کر پھینک دیں اور گم جائے۔ میں نے اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ ایّوب کو میں نے امین کے پاس بھیج دیا اور خود یاقوت کے پیچھے ہو لیا ✤

غلام گردش طے کر کے اس دروازے پر پہنچے جہاں دو شخص بالکل بتوں کی طرح کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں نے معمول کے موافق سلام کیا اور پردہ اُٹھا دیا۔ اندر گئے تو یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے۔ جن میں ہم تینوں ٹھیرائے گئے تھے۔ آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور عورتیں (مگر چاروں گونگے) ملے۔ چاروں نے سلام کیا۔ آگے دونوں عورتیں ہولیں اور اُن کے پیچھے مرد اور ان کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کر کے آخر ایک کمرے میں پہنچے۔ یہاں

بہت سی گونگی نگر حسین عورتیں کھڑی ہوئی تھیں دو چار قدم آگے بڑھ کر پھر ایک دروازہ ملا۔ چونکہ اس کا جواب دوسری طرف نہ تھا۔ اس لئے خیال ہوا کہ اس کے آگے اَور کوئی کمرہ نہ ہوگا۔ یہاں بھی دو گونگے مرد کھڑے تھے۔ ہمیں سلام کیا اور پردہ اُٹھا دیا یہ کمرہ کوئی پندرہ گز مربع ہوگا۔ آٹھ دس وہی گونگی بری نژاد عورتیں بیٹھی ہوئی ہاتھی دانت کی سوئیوں سے کشیدہ کاڑھ رہی تھیں۔ سامنے کے دروازے پر ایک بہت ہی خوش قطع پھول دار پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس پردے کے پاس دو اَمرد لربا بُت سینے پر ہاتھ رکھے سر جھکائے مؤدب کھڑے ہوئے تھے۔ ہمیں بڑھتا دیکھ کر دونوں نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے پردہ اُٹھایا۔ اندر گھُستے ہی یاقوت نے ایک عجیب حرکت کی۔ یعنی زمین پر لیٹ گیا اور اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنے لگا۔ آپ کی لمبی لمبی ڈاڑھی آگے آگے جھاڑو دیتی چلی جاتی ہے اور آپ ہانپتے کانپتے کتّوں کی طرح بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ مجھے بہت ہی ہنسی آئی۔ ضبط کرنے کے لئے کھانسا تو یاقوت کی نظر پڑ گئی کہ میں کھڑا چلا آ رہا ہوں۔ وہیں اُسی حالت میں ٹھیر گیا اور بہت ہی آہستہ مجھ سے کہا کہ "نسناس لیٹ جا۔ جلدی لیٹ کر میری طرح چل۔ بس اب ہم ملکہ مُطاع الکل کے سامنے پہنچا ہی چاہتے ہیں۔ اگر اس نے تیری یہ گستاخی دیکھ لی تو ہمیں بھسم کر دیگی"۔ عجیب مخمصہ تھا۔ طبیعت اس ذلّت اور حیوانیت کو گوارا نہ کرتی تھی۔ ایک شخص کی خیر خواہانہ بات نہ ماننی داخل حماقت تھی۔ میں نے سوچا کہ میں ایک پردیسی۔ غیر سلطنت کا باشندہ مسلمان۔ ان پابندیوں سے ضرور معاف رکھا جاؤنگا۔ مگر معاً ہی خیال پیدا ہوا کہ اس وحشت کدہ میں ان مراتب قانونی کے طے ہونے سے پہلے ہی جان جاتی رہیگی۔ لاچار یہ سوچتا ہوا کہ یہ تیری ہنسی کی سزا ہے یاقوت کی وضع اختیار کر لی اور چاروں ہاتھوں پیروں سے چلنے لگا۔ یاقوت بیچارہ بڈھا آدمی اس مصیبت کو مجبوری گوارا کر رہا تھا۔ دم چڑھا ہوا تھا اور لمبی ڈاڑھی بار بار گھٹنوں میں پھنس پھنس کر اُس کو جھٹکے دے رہی تھی۔ مجھے اس کی آہستگی پر بہت ہی غصّہ آیا۔ کئی دفعہ جی چاہا کہ ایک لات رسید کروں۔ غرض اسی حیثیت سے ایک اَور کمرے میں پہنچے جس کی دیواروں پر بہت ہی نفیس پردے لٹک رہے تھے۔ سامنے ایک اور دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ مگر قاعدہ کلیہ ہیں صرف

اس قدر ترمیم تھی کہ یہاں کوئی پہرہ دار مرد یا عورت نہ تھی۔ یاقوت اس دروازے کے سامنے بالکل چھپکلی کی طرح چاروں ہاتھ پیر پھیلا کر اوندھا لیٹ گیا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں۔ میں نے ادھر اُدھر کمرے کو دیکھنا شروع کیا۔ یکایک مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ رہا ہے۔ لیکن دیکھنے والے کی صورت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آپ اس کو محض میرا خیال یا خوف کہہ دیجئے یا کچھ ہی کہئے مگر اس میں شک نہیں کہ میرے قلب پر یہی کیفیت طاری تھی اور جیسے جیسے وقت زیادہ گذرتا جاتا تھا۔ مجھ پر خوف اور بھی ترقی کرتا جاتا تھا اور بوٹی بوٹی کانپتی تھی۔ وہ مردوں کا مدفن۔ وہ ہُو کا مقام وہ پردہ۔ وہ چراغ۔ یاقوت کا مردے کی طرح پڑا ہونا۔ کسی اور زندہ شخص کا موجود نہ ہونا اور پھر اس پر یہ معلوم ہونا کہ کوئی شخص مجھے دیکھ رہا ہے۔ وہ چیزیں تھیں کہ انسان خواہ مخواہ خوف زدہ ہو۔ اگر میں ڈر کے مارے کانپ بھی رہا تھا تو کچھ بعید نہ تھا۔

آخر پردے کو حرکت ہوئی۔ دیکھئے اس پردے کے پیچھے سے کون نکلتا ہے؟ کوئی برہنہ خونخوار وحشی ملکہ۔ یا فرانس کی پری تمثال زاہد فریب خاتون۔ کون کہہ سکتا تھا جبکہ دونوں ممکن تھیں۔ پردہ کچھ اور ہلا۔ اور ایک نہایت خوبصورت گورے ہاتھ کی نازک انگلیوں نے پردہ کسی قدر ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی وہ دلکش آواز جو شاید ارگن باجے سے بھی نہ نکلے۔ سُنائی دی۔

آواز (نہایت فصیح عربی میں) "اجنبی! تو کون ہے۔ اتنا کیوں ڈرتا ہے؟" اگرچہ میں ڈرا ہوا تھا۔ مگر نہ اس قدر کہ میرے حواس پر صدمہ ہو یا چہرے پر اثر ہو۔ مجھے اس سوال پر لامحالہ تعجب ہوا۔ ابھی میں نے جواب نہ دیا تھا کہ پردہ ہٹا اور ایک کشیدہ قامت ہیولے میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ ہیولے میں اس واسطے کہتا ہوں کہ صورت تو نظر آتی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے جسم پر سر سے پیر تک ایک حریری سفید کپڑا لپٹا ہوا تھا کہ جس سے دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ کوئی قبر کا مُردہ کفن پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے بہرکیف اس کو دیکھ کر تمام جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پسینہ آگیا۔ اتنا ضرور میں نے کنکھیوں سے دیکھ کر قیافہ لگایا کہ یہ شخص خواہ کوئی ہو حسن کی

دیوی ہے کہ اسکے عضو عضو پر حسن فدا ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی حرکات سے بے انتہا ظالم ہونے کا بھی یقین ہوتا تھا۔ یوں اس کی ہر حرکت کے ساتھ اسکا تمام جسم ہلتا تھا لیکن گردن نہ مڑتی تھی۔

پھر آواز آئی "اجنبی! تو اتنا ڈرا ہوا کیوں ہے؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ آدمی دیکھ کر ڈر جائے۔ اگر یہی ہے تو پہلے اور اب کے آدمیوں میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ پہلے تو مرد اتنا نہ ڈرتے تھے۔"

یہ کہہ کر خدا جانے کیوں میری طرف سے پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ اور غضب ہوا میں نے دیکھا کہ اس کے سیاہ بال ریشم کے لچھوں کی طرح پنڈلیوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ وہ دلکش چیز تھی کہ باقی حسن ایک طرف۔ انسان کا دل ان بالوں کے جال ہی میں اگر پھنس جائے تو نکلنا ناممکن ہو جائے۔

میں "حضور کا حسن مجھے ڈرا رہا ہے۔ اگر میں اس میں محو نہ ہو جاتا۔ تو شاید جواب دینے کی بھی مجھے ہمت نہ رہتی"۔

وہی ہیولے (میری طرف مڑ کر۔ اُسی فصیح عربی میں) اہا! مردوں کو اب تک وہی عورتوں کو پھُسلا لینے کی باتیں آتی ہیں۔ صاف یوں ہی کیوں نہیں کہتا کہ تجھے خوف اس لئے ہوا کہ میری آنکھیں تیرے دل کو ٹٹول رہی تھیں۔ تجھے میری آنکھیں محسوس ہوتی تھیں مگر میری صورت نظر نہ آتی تھی۔ کیوں اسی واسطے ڈرتا تھا؟ میں آخر ایک عورت ہوں تیری اس جھوٹی خوشامد کو معاف کرتی ہوں۔ اچھا اب تو یہ بتلا کہ تو اس سرزمین پر ان کھوؤں کے رہنے والے لوگوں میں۔ ان دلدلوں میں ایک مردہ قوم کے مردہ سایہ سے کیا لینے آیا ہے۔ آخر تجھے اپنی جان ایسی کیوں بیکار معلوم ہوئی کہ تو نے خود کو جبّہ ملکہ "مطاع الکل" کے سپرد کر دیا اور ہاں یہ بھی بتلا کہ میری زبان تجھے کیونکر بولنی آگئی۔ یہ تو وہ زبان ہے جو عرب کا میٹھا دودھ پی پی کر پلتی تھی۔ کیا یہ زبان اب بھی زندہ ہے؟ میں ایک زمانے سے ان کھوؤں میں مردوں کے ساتھ پڑی ہوں۔ مجھے دنیا کا کچھ حال معلوم نہیں۔ میری دل لگی کا سامان صرف دو محسوسات ہیں جو میرے صندوق دل میں محفوظ ہیں۔ کبھی جی گھبراتا ہے تو اُن ہی چیزوں کو سامنے لے بیٹھتی ہوں۔ افسوس کہ میں نے ہی کنواں کھودا اور خود ہی اس میں

گر گئی۔ اور ایسی گری کہ دیکھئے اب کبھی نکلنا ممکن بھی ہوتا ہے یا نہیں۔" یہ آخری فقرہ کہتے ہوئے ہونٹ کانپنے لگے اور کچھ اور کہنے کو تھی کہ یاقوت کو پڑا دیکھ کر رک گئی +

ملکہ "ہیں بڈھے! تو ابھی یہیں پڑا ہے؟ یہ تیرے قبیلہ نے کیا غضب کیا۔ اُن کے کھانے کے واسطے میرے ہی مہمان رہ گئے تھے؟ ایک پر تو ان کا وار چل ہی گیا۔ یہ لوگ اپنے قوت بازو سے بچ رہے۔ ورنہ ان کو بھی کھا جاتے۔ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ تجھے بھی عذاب سے ماردوں" +

ملکہ کی آواز اس وقت غصے سے بہت ہی بلند ہو گئی تھی اور یاقوت اپنی جگہ پڑا کانپ رہا تھا +

یاقوت "حبہ امان! حبہ امان! اپنی عظمت کے صدقے میں اپنے ایک ادنےٰ غلام پر رحم کر۔ اس معاملے میں میرا قدم درمیان نہ تھا۔ نہ مجھے ان کمبختوں کے مشورے کا علم ہوا۔ ایک عورت نے اپنے ملک کی رسم کے موافق کبش کو چومنا چاہا تھا۔ اُس نے سخت نفرت کی۔ بس اس عورت نے انتقام کی یہ سبیل نکالی۔ رعب ڈالنے کے لئے پہلے اس شخص سے شروع کیا گیا۔ اسد اور فنساس نے اس عورت کو بھی مار ڈالا اور اپنے ساتھی کو بھی۔ عورت کے قتل پر اُن شریروں کو بھی غصہ آیا۔ لڑائی ہوئی اور یہ تینوں نہایت بہادری کے ساتھ لڑے۔ لیکن شریروں کی جماعت زیادہ تھی۔ اگر میں عین وقت پر نہ پہنچ جاتا تو وہ اسد کو ضرور قتل کر ڈالتے۔ میں نے جاتے ہی بچا لیا اور اُس مجمع میں جتنے لوگ شامل تھے۔ سب کو ادھر روانہ کر دیا ہے کہ تیرے انصاف کے حوالے کر دئے جائیں۔ چنانچہ وہ پہنچ بھی گئے ہیں" +

ملکہ "میں جانتی ہوں۔ کل عدالت میں اُن کو پیش کیا جائے۔ تجھے میں معاف کرتی ہوں۔ دیکھ اپنے قبیلے کی حفاظت کر! خبردار پھر کوئی معاملہ ایسا سننے میں نہ آئے۔ ورنہ یاد رکھ کہ سارا وبال تیری گردن پر ہوگا۔ چل۔ جا" +

یاقوت نے کھڑے ہو کر تین دفعہ جھک جھک کر سلام کیا اور جس قطع سے آیا تھا۔ اُسی طرح چوپایہ بن کر واپس چلا گیا اور مجھے اس خوفناک سحر کار عورت کے سامنے تنہا چھوڑ گیا +

باب سیزدہم

رخت بے پردہ نتواں دید وشوقِ یک نظر دارم
کجا بُردی سرت گردم نقاب روے زیبا را

ملکہ۔ "کیا کمبخت پرانا احمق ہے۔ انسان اپنی زندگی میں کس قدر کم علم حاصل کر سکتا ہے۔ ایک احمق دریا کو اپنے ہاتھوں سے روکنا چاہتا ہے۔ بھلا دریا اُس کے روکے کب رکتا ہے۔ اگر اس میں کہیں اُس کے ہاتھوں پر نمی بھی آجاتی ہے تو احمقوں کا گروہ چیخ پکار مچا دیتا ہے کہ "دیکھو یہ بڑا عقلمند ہے"۔ ہاں! تجھے یہ جانور نسناس کیسے کہنے لگے۔ ان وحشیوں کا تصور محض جانوروں ہی تک محدود رہتا ہے۔ اس بڈھے کا نام یاقوت بھی میں نے ہی رکھا ہے۔ ورنہ نا معلوم کیا گدھا۔ کُتّا نام ہوتا۔ تیرا اصل نام کیا ہے"۔ (میں یاقوت کے نام رکھنے پر چونکا) ؀

میں۔ "میرے ماں باپ کا رکھا ہوا نام تو حنیف ہے۔ اب یہاں جو کچھ کہلایا جاؤں"۔

ملکہ۔ "کیا۔ حنیف! اچھا نام ہے۔ اب تو یہاں کب تک کھڑا رہیگا۔ چل اندر چل بیٹھیں۔ جی نہیں چاہتا کہ تجھے بھی ان جانوروں کی طرح چلتا دیکھوں۔ ان جانوروں پر میرا خوف اس قدر غالب ہے کہ یہ لوگ میری پرستش کرتے ہیں۔ بعض وقت جب یہ مجھے تنگ کرتے ہیں تو میں اُسی دم اُن کو سزا دے دیتی ہوں۔ لیکن بہرحال میں ان کی خوشامد سے بہت ہی تنگ ہوں"۔ ؀

ملکہ نے اپنے ہاتھ سے پردہ اُٹھایا اور میں کانپتا ہوا اندر داخل ہوا مجھے اپنا ایک ایک قدم آخری معلوم ہوتا تھا۔ عورت ہی کمبخت بلا کی خوفناک تھی ؀

یہ ایک مختصر سا کمرہ کوئی چار گز مربع ہوگا۔ اس میں ایک طرف قرینے سے پلنگ بچھا ہوا تھا۔ سامنے ایک میز جیسی چیز پر کچھ پھل رکھے ہوئے تھے اور آبخورے میں پانی۔ پلنگ کی پائنتی۔ سنگ مرمر کے ایک بہت بڑے خوشنما پیالہ میں پانی بھرا

ہوا تھا۔ دو تین چراغ جل رہے تھے اور تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے کپڑوں اور بالوں میں سے نکل رہی تھی یا کہیں پھول تھے مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ غرض میں اس کمرے میں جا کر کھڑا ہو رہا۔

ملکہ " پلنگ پر بیٹھ جا۔ اب تک تو تجھے مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ ہے نہیں اور ہو تو جلدی تیرا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ مرنے سے ڈرنا ہی کیا "

میں ادب سے پائنتی بیٹھ گیا اور ملکہ سرہانے ہو بیٹھی۔

ملکہ " ہاں حنیف! پہلے تو تُو یہ بتلا کہ تو نے میری پیاری زبان عربی کہاں سے سیکھی؟ یہ زبان بنو قحطان کی ہے اور میرے پیارے وطن یمن سے بہتر کہیں نہیں بولی جاتی تھی تیرے محاورات بھی میرے وطن کے محاورات سے بہت ملتے ہیں۔ لیکن پھر بھی تیری زبان میں وہ شیرینی نہیں جو میرے قبیلۂ حمیر کی زبان میں تھی۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچھ الفاظ میں بھی تغیر و تبدل ہو گیا ہے اور ان کمبخت بنو الحجر کی نہ کہو۔ انھوں نے میری زبان کا ایسا ستیاناس کیا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ان سب کا منہ پھونک دوں۔ میں ان سے جو گفتگو کرتی ہوں تو یہ تھوڑا ہی معلوم ہوتا ہے کہ میں عربی بول رہی ہوں "

میں " عربی میری مادری زبان ہے۔ میرے وطن مصر میں بھی یہ زبان بولی جاتی ہے مگر نہ یمن جیسی۔ میں نے عربی پڑھی ہے۔ اسی وجہ سے ایسی گفتگو کر سکتا ہوں۔ ورنہ میرے ملک کے محاورات اور قطع کے ہیں۔ عربی اس وقت ماشاءاللہ تمام دنیا پر حاوی ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کا قدم نہ گیا ہو۔ عرب۔ عراق۔ شام۔ مصر۔ ترکستان۔ ایران۔ ہند۔ بیشتر حصہ افریقہ میں یہ زبان بولی اور پڑھائی جاتی ہے "

ملکہ " اچھا! عربی کا وجود ابھی تک باقی ہے اور یہ سب ملک بھی جن کا تُو نے نام لیا ہے سب موجود ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ ان میں سے اکثر تباہ ہو چکے ہونگے۔ مصر میں اب بھی خاندان فراعنہ کی سلطنت ہو گی یا ایران کا کیانی خاندان حکمران ہے "

میں " فراعنہ مصر کا تو مدت ہوئی قلع قمع ہو چکا۔ ایرانی بھی تباہ ہو چکے۔ ان کے بعد بھی کتنے ہی خاندان بادشاہ رہ چکے ہیں۔ لیکن سلطنت نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی "

ملکہ "۔ اور ہاں یونان؟ اس نام کا کوئی ملک اب بھی باقی ہے۔ میں یونانیوں کو بہت

ہی پسند کرتی تھی۔ خُوبصورت لوگ ہوتے تھے اور بلا کے ذہین۔ لیکن نہایت قسی القلب اور متلون"۔

میں:- "ہاں یونان تو موجود ہے۔ لیکن وہاں کی ذہانت اور طبّاعی مدّت ہوئی کہ تشریف لے جاچکی۔ آج کل کے یونانی پُرانے یونانی نہیں رہے۔ اب تو کندہ ناتراش اور سخت بزدل ہوتے ہیں"۔

ملکہ:- "اور یہودیوں کا کیا حال ہے؟ یہ کمبخت اب بھی باقی ہیں۔ سلیمان کی بنائی ہُوئی عمارت ابھی قائم ہے یا نہیں۔ اس میں کس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ جس مسیحا کو وہ لوگ ڈھونڈھتے پھرتے تھے وہ ملا بھی"۔

میں:- "یہودی بھی کہنا چاہیئے کہ تباہ ہی ہو گئے۔ دنیا کے پردے پر کہیں ان کی سلطنت نہیں۔ پریشان حال پھرتے ہیں۔ یروشلیم پر بھی بڑی بڑی تباہیاں آئیں۔ پہلے بابل والوں نے جلایا۔ مگر ہیروڈ نے پھر بنا دیا تھا"۔

ملکہ:- "کون ہیروڈ؟ میں نہیں جانتی۔ خیر"۔

میں:- "ہیروڈ نے ان ہی بنیادوں پر پھر بنایا تھا۔ مگر رومتہُ الکبرےٰ والوں نے پھر تباہ کر دیا۔ لیکن وہ بھی نہ رہے اور تباہ ہو گئے"۔

ملکہ:- "معلوم ہوتا ہے کہ رومتہ الکبرےٰ والے بھی بڑے دلاور تھے۔ لیکن قیام کسی کو نہیں۔ آخر وہ بھی تباہ ہو گئے"؟

میں:- "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت رفت و منزل بدیگرے پرداخت"

ملکہ:- "اہا! تو فارسی بھی جانتا ہے؟ یہ فارسی ہی تھی۔ مگر میرے زمانے میں یہ اَور طرح بولی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو فاضل شخص ہے"۔

میں:- "بقول آپ کے ذرا ہاتھوں پر نمی آگئی ہے اور احمقوں کے گروہ نے عقلمند کہنا شروع کر دیا ہے"۔ میں کہنے کو تو یہ فقرہ کہہ گیا۔ مگر کانپ ہی گیا کہ کہیں ملکہ کو ناگوار ہو اور مصیبت آجائے"۔

ملکہ:- "(مسکرا کر) یہ شعر کس کا ہے۔ ایک ایک حرف صحیح لکھا ہے۔ میں جس زمانے میں اُس نواح میں تھی تو رُوم۔ رومتہُ الکبرےٰ نہیں بنا تھا۔ تو یونانی بھی جانتا ہے"؟

میں "ہاں جانتا ہوں - مگر بے تکان بول نہیں سکتا - اسی طرح عبرانی بھی - یہ دونوں زبانیں اب مُردہ زبانوں میں شامل ہوگئی ہیں "

ملکہ (اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر) "آہا! تب تو تُو بے شک فاضل ہے - ان یہودیوں کا کیا حال ہے؟ کمبخت سخت جاہل تھے - مجھے ہمیشہ کافر ہی کہا کئے - اُن کا مسیحا بھی آیا "

میں "ہاں مسیح پیدا ہوئے تھے - مگر جو قوم اپنے نبی کی تعلیمات نہ مانے گھر کے محسن کا احسانمند نہ ہو - وہ دوسرے کی کیا پروا کریگی - مسیح (علیہ السلام) واقعی بڑے اولوالعزم نبی تھے - مگر یہودیوں کے ہاتھوں عمر بھر تنگ بلکہ مصیبت میں رہے - یہاں تک کہ ان ظالموں نے اپنے نزدیک انہیں سولی پر چڑھا دیا - مگر خدا اپنے مرسلین کی محافظت اَور ہی طرح کرتا ہے "

ملکہ "کمبخت بالکل بھیڑیئے تھے - بُت پرست - تن آسان - نفع کے دشمن - نقصان کے متلاشی - بے شک انہوں نے اپنے مسیحا کو سُولی پر چڑھا دیا ہوگا - ان کو سخت غرور تھا کہ ہم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے اور نتھے فی الاصل بعل کے بندے - یہودا کو پُوجنے والے - مصریوں کے بتوں کو سجدہ کرنے والے - ظالموں نے مجھے سخت صدمہ پہنچایا - میں یروشلیم میں توحید کا وعظ کرتی تھی اور ستائی جاتی تھی - میرے اوپر ہر طرف سے پتھروں کی بوچھار ہوتی تھی (اپنا بازو کھول کر) یہ دیکھ اس وقت تک ان کے پتھر کا نشان موجود ہے "

دیکھا تو واقعی کہنی سے کچھ اُوپر ایک زخم کا نشان تھا - سخت حیرت ہُوئی - ڈرا اور چپ ہو رہا -

میں "حضور معاف کریں - میں سخت حیرت میں ہوں - یہودی اپنے نزدیک مسیحا کو دو ہزار برس کے قریب ہوئے کہ پھانسی چڑھا چکے - آپ نے مسیح سے پہلے ان کے سامنے توحید کا وعظ کیونکر کیا ہوگا - میری عقل کام نہیں کرتی - آپ آخر ایک عورت اولاد آدم ہیں - دُنیا میں کوئی آدمی دو ہزار برس تک زندہ نہیں رہ سکتا - یا تو آپ مجھے بنا رہی ہیں یا میں خواب دیکھ رہا ہوں "

ملکہ نے ایک قہقہہ لگایا اور مجھ پر پھر وہی حالت طاری ہوگئی کہ گویا کسی شخص

کی آنکھیں میرے قلب پر پڑ رہی ہیں۔ میں نے ملکہ کی طرف دیکھا اور آنکھیں نیچے کرلیں +

ملکہ (نہایت آہستگی سے) "معلوم ہوتا ہے کہ تجھے بھی اب تک دنیا کے بہت سی عجائبات کی خبر نہیں۔ کیا تیرا بھی یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ رُوح کو موت ہے؟ سچ جان کہ رُوح تو رُوح۔ آدمی کا جسم بھی نہیں مرتا۔ موت تو ایک لفظ غلط العام ہے "نقل" البتہ ایک چیز ہے۔ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ جانا کہ میں تناسخ کی قائل ہوں (دیوار کی تصویروں کو دکھلا کر) جس دو ہزار برس کو تو رو تا ہے۔ شاید اس سے بھی چوگنا زمانہ (آٹھ ہزار برس) گزرا ہوگا کہ اس قوم کو جس نے یہ تصویریں بنائی تھیں۔ وبا نے تباہ کر دیا۔ لیکن یہ لوگ مرے نہیں۔ اب بھی کہیں نہ کہیں زندہ موجود ہونگے۔ اور ان کی رُوحیں تو کیا عجب ہے کہ اس وقت ہماری باتیں سُن رہی ہوں۔ بلکہ بعض وقت تو گمان ہوتا ہے کہ میری آنکھیں اُن کو دیکھ رہی ہیں"

میں "معاف کیجئے۔ ان کو تو نہیں ان سنگی تصویروں کو دیکھتی ہوں گی۔ باقی دنیا کے حساب سے تو کچھ شک نہیں کہ وہ مر چکے"

ملکہ "ہاں تھوڑی دیر کے لئے۔ مگر دُنیا ہی میں وہ پھر پیدا ہونگے یا شاید اسی وقت کہیں پیدا ہو گئے ہوں۔ میں خود یعنی **عذرا** (میرا نام عذرا ہے) خود ایک شخص کے پیدا ہونے اور یہاں آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ یہ وہ شخص ہے جس پر میں اپنی جان تک فدا کرنے کو تیار رہوں۔ میں اُس کے یہاں آ ملنے تک انتظار کرونگی۔ یہاں ان کھوؤں میں وہ آئیگا اور ضرور آئیگا۔ آخر تو کیا سمجھا ہے کہ میں باوجودیکہ اتنی طاقتور ہوں۔ باوجودیکہ اُس ہیلن سے بڑھ کر حسین ہوں۔ جس کو یونانی حُسن کی دیبی سمجھے بیٹھے ہیں۔ باوجودیکہ عقل اور علم میں یونانی حکما سے کہیں بڑھ کر ہوں۔ باوجودیکہ زمین بھر کے دفائن مجھے معلوم ہیں۔ اور مجھے ان پر پورا اختیار حاصل ہے۔ باوجودیکہ میں اُس نقل کے مان کی بھی نہیں ہوں جس کا لوگوں نے ڈراؤنا نام موت رکھ لیا ہے۔ ان حسینوں میں اس بیابان میں ان کھوؤں میں کیوں پڑی ہوں؟"

میں "نہیں میں کچھ نہیں سمجھا - بلکہ مجھے خود تعجب ہے؟"

ملکہ "محض اپنے مطلوب اور محبوب کے انتظار میں - میں جانتی ہوں کہ میری زندگی بہت ہی خراب گزر رہی ہے اور آخر انسان ہوں اور "نقل" یا تبدیل لفظ "موت" سے ڈرتی بھی ہوں - کیونکہ موت ایک نامعلوم ومقررہ ساعت پر آکر رہیگی - مگر نہ اُس وقت سے پہلے کہ میں اپنے پیارے سے مل لوں اور بالفعل تو میرے اور میرے پیارے کے بیچ میں ایک بلند دیوار حائل ہے جس پر میں چڑھ نہیں سکتی یا یوں کہو کہ چڑھتی ہوئی ڈرتی ہوں - مگر اس کے ملنے کا وقت آنے والا ہے - اب خواہ وہ آج سے پانچ ہزار برس بعد آئے یا کل ہی آجائے کہ وہ مجھ سے اپنی اُسی دلربا صورت کو لئے ہوئے یہیں آکر ملیگا - یہ کچھ میں اپنے قیاس سے نہیں کہتی - بلکہ میں جانتی ہوں کہ یہ وہ قاعدہ ہے جس پر انسان کا قابو نہیں - اگرچہ میں نے اس کا بڑا گناہ کیا ہے - مگر آخر یہیں آکر اُس کا دل پسیجیگا - ممکن ہے کہ وہ مجھ کو نہ پہچان سکے - مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ میرا عاشق نہ ہو جائے - خواہ حُسن ہی پر کیوں نہ ہو" ؛

یہ باتیں ملکہ کی زبان سے ایک حالت وجد میں نکل رہی تھیں اس پر ایک طرح کا ذوق غالب معلوم ہوتا تھا - جھومتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی - میں خاموش بیٹھا سُن رہا تھا اور کچھ کہہ نہیں سکتا تھا - اس کی گفتگو تک میری عقل ہی نہیں پہنچتی تھی ؛

میں "اچھا میں یہ فرض کئے لیتا ہوں کہ انسان مر کر پھر ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے - لیکن یہ تو فرمائیے کہ اس قاعدہ کلیہ سے آپ کیونکر مستثنیٰ ہو گئیں - ممکن تھا کہ آپ بھی مر کر ایک مرتبہ پھر پیدا ہوتیں اور ان کھوؤں میں ہی آکر پھر اپنے محبوب کا انتظار کرتیں"؛

مجھے پھر معلوم ہوا کہ وہی آنکھیں میرے قلب کو ٹٹول رہی ہیں ؛

ملکہ - ہاں صحیح ہے - مگر کچھ تو اتفاق سے اور کچھ اپنے علم کے ذریعے سے دنیا کے عجائبات میں سے مجھے ایک عجیب چیز مل گئی کہ موت پر ایک وقت خاص تک غالب ہو گئی ہوں - اچھا تو زندگی کا تو ضرور قائل ہوگا - پھر کیا ایسی صورت ممکن نہیں کہ اسی زندگی کو ہم بڑھا سکیں؟ اور جب بڑھا سکتے ہیں تو دس - بیس - پچاس ہزار سال

کیا بڑی بات ہے؟ دس ہزار برس میں مینہ یا اولے پہاڑ کو ایک بالشت بھر بھی تو کم نہیں کر سکتے۔ دو ہزار برس سے میں ان کھوؤں کو اسی حالت میں پاتی ہوں جو تو اس وقت دیکھ رہا ہے۔ ان کا کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ البتہ انسان اور جانور بہتیرے بدل چکے ہیں۔ اس خاص معاملے میں تو کوئی بات بھی عجیب نہیں۔ بشرطیکہ تیری سمجھ میں آجائے۔ زندگی کا وجود فی ذاتہٖ ایک عجیب چیز ہے۔ لیکن اس کا بڑھ جانا اس قدر عجیب نہیں۔ انسان کو اگر کہیں چشمۂ حیات مل جائے تو ممکن ہے۔ کہ اس کی زندگی بہت بڑھ جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ قطعی ممکن نہیں کہ اس کو بقاے دوام حاصل ہو جائے۔ کیونکہ یہ اُس کی فطرت میں داخل نہیں اور کچھ اسی پر منحصر نہیں۔ اس نظامِ کائنات ہی کو بقاے دوام نہیں۔ اس تمام کارخانہ میں ایک وقت مقررہ پر تبدیلی آنے والی ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ کب اور کس طرح؟ اس کا علم خود مجھے بھی نہیں۔ حالانکہ میرا علم نسبتاً بہت ہی وسیع ہے۔ خیر اس کے متعلق اگر طبیعت حاضر ہوئی تو پھر کبھی تجھ سے گفتگو کرونگی اور ممکن ہے کہ کبھی لب کشائی بھی نہ کروں۔ اس وقت تجھ سے دنیا کے مذاہب کا حال پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں علاوہ اپنے پیارے کے ایک اور شخص کی جستجو میں ہوں۔ مگر تقاضاے بشریت یا بدقسمتی سے مجھے اس طرف زیادہ انہماک ہے۔ اچھا اب یہ بتلا کہ کیا تجھے اس سے کچھ تعجب نہیں ہوتا کہ میں نے تمہارا سبب کا اس طرف آنا کیونکر معلوم کر لیا؟"

میں "تعجب سا تعجب ہے! میں تو خود سوال کرنے والا تھا"۔

ملکہ "آ تجھے بتلاؤں"۔

ملکہ اُٹھ کر اس پیالہ کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پائنتی رکھا ہوا تھا۔ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اپنے ہاتھ کا اس پر سایہ ڈالا۔ یکایک پانی پر ایک سیاہی دوڑی اور پھر صاف ہو گیا۔ میں جھکا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ہماری کشتی نہر میں چلی جا رہی ہے۔ ایبن مچھروں کے خوف سے سر سے پیر تک کمبل اوڑھے لیٹے ہیں۔ میں۔ ایوب۔ حافظ جعفر مرحوم بیٹھے ہوئے ہیں۔ گرد و پیش کا وہی جنگل ہے جس کو ہم طے کر چکے تھے میں تو وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور صاف پکار اٹھا کہ "ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْن"۔

ملکہ " (ہنس کر) کیا خوب ! وحشیوں کی طرح جو بات سمجھ میں نہ آئی - اُس کو جادو کہہ دیا جادُو کوئی چیز نہیں ہے - قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کے ایک نہایت ادنےٰ علم کا یہ بھی ایک شعبہ ہے - یہ پانی ہی میرا آئینہ ہے - کبھی کبھی جی بہلانے کے لئے اس کا تماشا بنا لیتی ہُوں - اس میں تصویریں کھچ جاتی ہیں - نقص یہ ہے کہ آئندہ کا کچھ حال نہیں معلوم ہو سکتا اور نیز وہ چیزیں بھی نہیں معلوم ہو سکتیں جن کو اس ملک سے کچھ لگاؤ نہ ہو - یہاں بیٹھ کر تو اپنے دل میں کسی کا تصوّر کر اور اس کی تصویر اُس پانی میں دیکھ لے - یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے - مصر والے تو آج سے صدیوں پیشتر اس سے واقف تھے مگر وہاں یہ جادُو ہی کہلاتا تھا + ایک روز اتفاق سے بیٹھے بیٹھے مجھے اُس نہر کا خیال آگیا - جس سے بیس صدیاں پیشتر میں عبور کر کے آئی تھی - میں نے اس پانی میں دیکھا تو تمہاری کشتی نظر آئی - تم تین آدمیوں کی تو میں نے صورت دیکھ لی - مگر چوتھا چونکہ کپڑا اوڑھے لیٹا تھا - اس کی صورت نہ دیکھ سکی - آدمی کی صورت دیکھنے کو جی ترس گیا تھا - مَیں نے فوراً تم لوگوں کو یہاں حاضر کرنے کا حکم دیا + خیر - اب جاکر آرام کرو مگر ہاں یہ کون شخص ہے جس کا نام ان جانوروں نے اسد رکھا ہے - میں اُسے بھی دیکھنا چاہتی ہوں - مگر اُسے بخار ہے - شاید زخم کی وجہ سے ہو " +

میں " وہ میرا متبنّٰے ہے اور بہت ہی سخت علیل ہے - آپ اُس کا کچھ علاج نہیں کر سکتیں ؟ "

ملکہ " کیوں نہیں کر سکتی ؟ "

میں " تو پھر میں اُسے یہاں اُٹھا لاؤں ؟

ملکہ " نہیں - یہاں نہ لانا - آج اس کے بخار کو کتنے روز ہوئے " ؟

میں " آج تیسرا روز ہے " +

ملکہ " خیر - کل اور دیکھ لیں - شاید خود اُتر جائیگا - اور بہ نسبت علاج سے اُترنے کے یُوں اُتر جانا اور اچھا ہے - کیونکہ میری دوائیں تو ایسی ہیں کہ ایک دفعہ زندگی کی بنیادیں تک ہلا دیتی ہیں - اگر کل رات تک بخار نہ اُترا تو میں آکر اچھا کر دونگی - اس کا

خبر گیراں کون ہے"؟

میں "ایک تو ہمارا ہی آدمی ہے اور دوسری اسی ملک کے رہنے والی ایک عورت جس نے امین کا مُنہ چوم لیا تھا۔ یعنی آپ کی رعایا کے رواج کے موافق امین کے ساتھ تنہائی میں رہنے کا استحقاق حاصل کر چکی ہے"۔

ملکہ "میری رعایا کا کچھ ذکر نہ کر۔ میں اُن سے اتنا ہی تعلق رکھتی ہوں۔ جتنا کوئی شخص کُتوں سے رکھ سکتا ہے۔ اُن کے رسم و رواج سے مجھے کوئی بحث نہیں آئندہ سے مجھے اب ملکہ بھی نہ کہنا۔ میں یہ خوشامدی لفظ سُنتے سُنتے عاجز آگئی ہوں۔ میرا نام "عذرا" ہے اور یہی مجھے بھاتا ہے۔ ہاں یہ عورت کون ہے؟ کہیں وہی نہ ہو۔ جس کی نسبت میں آگاہ کی گئی ہوں۔ اُس کا..... اچھا ٹھیر (پیالہ کے پاس جا کر) دیکھ تو یہی عورت ہے"؟

دیکھا تو اُستن کی صورت اس پانی میں موجود تھی +

میں "ہاں یہی ہے" +

ملکہ "خیر۔ اچھا اب کچھ کہنا ہو تو کہہ۔ ورنہ جا۔ یہاں تیری دلچسپی کا تو کوئی سامان ہوگا نہیں۔ وحشیوں میں رہنا کس کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میں خود تنگ ہوں۔ یہ میرا کھانا دیکھ! بس ان پھلوں اور کچھ تھوڑے سے اناج پانی پر میرا گزارہ ہے۔ میں نے اپنے خاص خدمتگاروں کو تمہارے کام کاج کے لئے حکم دیدیا ہے۔ شاید تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ سب گونگے ہیں اور میری ہی کوشش سے یہ ایسے پیدا ہوتے ہیں۔ صدیوں میں نے دقتیں اُٹھائی ہیں۔ تب یہ بات حاصل ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ پہلے بھی کامیابی ہوئی تھی۔ مگر وہ لوگ بہت ہی بدصورت تھے مجبوراً اُن کو نیست و نابود کرنا پڑا۔ خیر کچھ کہنا ہے"؟

(ہم بھی آئندہ ملکہ کی ہدایت کے بموجب ان کی خاطر سے اُن کو ملکہ نہ کہینگے بلکہ عذرا کہیں گے) +

میں "ہاں صرف ایک بات۔ بشرطیکہ آپ مانیں" +

عذرا "وہ کیا"؟

میں "(ڈرتے ڈرتے) صرف یہ کہ میں آپ کی صورت دیکھنے کا مشتاق ہُوں"

عذرا۔ میری صورت! (ایک قہقہہ لگایا) تجھے یونانیوں کا حال معلوم ہوگا کہ ایک شخص ایکشین نامی کی ایک بے انتہا خوبصورت عورت کو دیکھتے ہی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ اسی طرح اگر تو میری صورت دیکھے تو تیری بھی جان نکل جائے یا شاید اگر زندہ رہے تو تیری زندگی میری تمنا میں تلخ گزرے۔ کیونکہ میں سوائے ایک شخص کے اور کسی کی نہیں بن سکتی۔ غرض اچھی طرح غور کرلے سمجھ سوچ لے"

میں "خوب سمجھ سوچ لیا۔ یہاں وہ دل ہی نہیں جس پر کسی کے حسن کا اثر پڑے۔ عورت کا سایہ میرے اُوپر پیچھے پڑتا ہے۔ پہلے میں اپنا دل نکال کر الگ رکھ دیتا ہوں"

عذرا "دیکھ غلطی کرتا ہے۔ میرے حسن کی تجلی تو کبھی برداشت نہ کرسکیگا"

میں "نہیں میں برداشت کرونگا"

عذرا۔ اچھا تو پھر مجھ پر الزام نہ دھرنا۔ خوب سمجھ لے کہ کسی شخص نے آج تک مجھے بے نقاب نہیں دیکھا کہ اُس کی زندگی تلخ نہ ہوگئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِن وحشیوں میں بھی نقاب ڈالے نکلتی ہوں کہ کہیں یہ کمبخت مجھے تنگ نہ کریں اور آخرکار مجھے ان سب کو قتل کرنا پڑے۔ بول اب کیا کہتا ہے"

میں "بس وہی کہ یہ جمال ضرور دیکھنا چاہتا ہوں"

عذرا۔ اَچھا احمق! لے"

عذرا نے ہاتھ پیچھے کرکے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا بُرقع زمین پر آرہا۔ اللہ اکبر ایک نور کا بقعہ یا تجلی طور کا لمعہ تھا کہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں ایشیائی شاعروں کی دریوزہ گری کرکے اس قصے کو غیر معتبر نہیں بنانا چاہتا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ حسن ہے کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر

بُرقع کے نیچے ایک اور حریری تنگ وچست لباس تھا جو اُس کے حُسن کے نُور کو اَور اُبھار اُبھار کر دکھلا رہا تھا۔ نازک پیروں میں عربی وضع کا جُوتہ تھا۔ تراک میں دلِ عشاق کی جگہ سونے کی گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمر پر ایک مُطلاّ مرصّع پیٹی

سانپ کی صورت کی باندھے ہوئے تھی۔ اس کے اُوپر وہ قدرتی سحر نظر آتا تھا جو میری نظر کو خیرہ کئے دیتا تھا۔ اپنے ہاتھ وہ اس قطع سے سینے پر رکھے ہوئے تھا جیسے حنفی مذہب کی خواتین نماز پڑھتی ہیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑی تو بلا مبالغہ میں تھوڑی دیر کے لئے بالکل مدہوش ہوگیا۔ میں جو کچھ لکھتا ہوں اس میں مبالغہ کو ہرگز دخل نہیں دیتا۔ اُس وقت سے لیکر اس وقت تک میرا یہی خیال ہے کہ جنّت کی حوریں اس سے زیادہ ہرگز حسین نہ ہونگی۔ فرق اس قدر ضرور ہوگا۔ کہ وہاں چہرے پر سادگی و لطافت ہوگی اور یہاں اس قدر زیادتی تھی کہ چہرے پر گونہ قہر برستا تھا۔ میں ہزار چاہتا ہوں کہ اُس کا نقشہ بیان کردوں۔ مگر نہیں ہو سکتا! واللہ نہیں ہو سکتا!! میں استعارۃً چشم غزال۔ چشم مست۔ لگاوٹ باز انکھڑیاں کچھ بھی کہ جاؤں۔ مگر وہ ادا جوان چشم فتان و جادو زا میں تھی کسی لفظ سے مفہوم نہیں ہو سکتی۔ مجھے خبط تو ہے نہیں کہ میں گلاب کے پھول توڑتا پھروں یا چاند کو پکڑوں۔ اگر بالفرض میں یہ کر بھی لُوں۔ تاہم آپ کے سامنے وہ لطافت۔ وہ تازگی۔ وہ دلرُبائی جو ان گالوں میں تھی پیش نہ کر سکونگا۔ مجھے اس سے پہلے کبھی خیال بھی نہ ہؤا تھا کہ حُسن اس درجے کا بھی اس دُنیا میں ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے اٹھائیس برس سے کچھ زیادہ عمر کی عورت کھڑی تھی۔ صورت پر ایک قسم کا الھڑپن بھی تھا۔ آنکھیں بھی سُرمگین تھیں۔ لیکن غایت تجربے کے ساتھ صورت پر خشونت برستی تھی۔ نور کے ساتھ گناہوں کی مار بھی چمکتی تھی۔ وہ میرے سامنے کھڑی گویا صورت حال سے یہ کہہ رہی تھی "لے میری نورانی شکل دیکھ اور اپنی عمر میری یاد میں گزار دے۔ میرے جذبات میرے روکے کبھی نہ رُک سکے۔ گناہ کا بوجھ سر پر ہے اور ندامت کا غازہ میرے مُنہ پر"۔

خدا جانے کس قسم کی کشش تھی کہ میرا دل اس کی طرف کھچا چلا جاتا تھا اور آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ تاب نہ رہی اور میں نے آنکھیں نیچی کرلیں۔ میری اس حرکت پر وہ میری طرف جھکی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ بھئی! یقین جانئے کہ اس وقت تابش حُسن سے میں بالکل اندھا ہوگیا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے۔

عذرا۔ "کیوں؟ میں نہ کہتی تھی؟ اب سزا پائی۔ ایسا نہ ہو اب کہیں تیرا بھی ایکشین ہی جیسا حشر ہو اور تیری موت کہیں تیرے ہی جذبات کے ہاتھوں نہ لکھی ہو۔ حقیقت میں خود یونان کی اچھوتی دیبی کی طرح حسن کی دیبی ہوں اور آج تک کسی کا ہاتھ میرے لباس تک بھی نہیں پہنچا ہے۔ اب بتلا نقاب ڈال لوں"؟

میں۔ "ہاں۔ میں بہت کچھ دیکھ چکا۔ نہ میری آنکھیں میرے کہنے میں ہیں۔ نہ دماغ میرے قابو میں" +

عذرا۔ "نادان! پہلے ہی نہ سمجھا۔ کتنا کہا نہ مانا۔ میرے حسن میں صاعقہ کی خاصیت ہے جہاں گری جلائے بغیر نہیں اٹھتی! دیکھو تیرا دل بھی وہ الگ رکھا ہوا جل رہا ہے! الگ رکھ کر بچا نہ لیا۔ حسن بھی ایسی چیز ہے جو کسی پر اثر نہ کرے؟ اور پھر میرا حسن" +

دفعتہً وہ کچھ کہتے کہتے رُک گئی اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس کی حرکت سے سخت غصے کے آثار معلوم ہونے تھے اور میرے قلب پر وہی کیفیت طاری تھی جو کئی دفعہ پہلے ہو چکی ہے۔ میں نے اپنی انگلیوں کو ذرا ہٹا کر دیکھا تو اگرچہ میری آنکھوں نے چکاچوند کی وجہ سے پورا کام نہ دیا۔ لیکن عذرا کی حالت کچھ متغیر پائی +

عذرا (غصے سے) "اجنبی! سچ بتلا یہ انگوٹھی تو نے کہاں سے پائی؟ جلدی بول ورنہ ابھی تیرا خاتمہ ہوتا ہے" +

یہ کہہ کر وہ ایک ذرا میری طرف بڑھی اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ گویا میری جان کھنچی جاتی ہے۔ میں بالکل بیہوش خدا جانے کیا بکتا ہوا وہیں گر گیا۔ لیکن یہ بیہوشی زیادہ دیر تک نہیں رہی۔ میں پھر اٹھ بیٹھا۔ عذرا اس عرصے میں نقاب ڈال چکی تھیں اٹھلاتی ہوئی بڑھیں اور پانی پلایا اور معذرت کے لہجہ میں کہنے لگیں "افسوس ہے کہ میں نے تجھے ڈرا دیا۔ کیا کہوں بعض وقت میں خود بے قابو ہو جاتی ہوں۔ عادت ہی کمبخت بد پڑ گئی ہے۔ بڑی ہی خیر ہو گئی۔ ورنہ بلا وجہ ناخواستہ تیری جان گئی ہوتی۔ خیر یہ بتلا یہ انگوٹھی کہاں سے آئی ہے؟

میری آنکھوں اور دماغ پر تو پہلے ہی صدمہ تھا۔ مگر حواس باقی تھے۔ پر اس کی ادا نے چھین لئے۔ جواب دینا تو کیا دیتا؟ میں صورت دیکھ کر چپ ہو گیا۔ پھر سوال

ہُوا" تو صرف اتنا کہ سکا "یہ میں نے پائی تھی" ذرا خیال کیجئے کیا معقول جواب تھا؟

ناظرین شاید سمجھ گئے ہونگے کہ اس وقت بنائے فساد وہی انگوٹھی ہے جس پر پرانے مصری خط میں "ملک ابن الشمس" لکھا ہوا تھا اور اس وقت کمرے میں مَیں نے پڑی پائی تھی اور احتیاطاً خود پہن لی تھی ✤

عذرا (کچھ بھرّائی آواز سے کانپتی ہوئی) "عجب مضمون ہے - بالکل ایسا ہی تو وہ بھی نگینہ تھا - مگر وہ تو گردن میں لٹک رہا تھا" ایک ٹھنڈا سانس لیکر کچھ سوچ میں پڑ گئی "شاید کوئی اَور ہو - مگر ہے ویسا ہی - یہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ انگوٹھی میں جڑا ہُوا نہ تھا - یوں ہی گلے میں لٹک رہا تھا (میری طرف مخاطب ہوکر) اچھا حنیف تو جا ✤"

عذرا تو یہ کہ کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئیں اور میں خدا جانے کس طرح اپنے کمرے میں پہنچ گیا - مجھے کچھ ہوش نہیں تھا ✤

بابِ چہاردہم

عُرفی اگر بہ گریہ میسّر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنّا گریستن

اندازاً دس بجے ہونگے کہ میں آپے میں آیا - میں نے بمشکل اپنے حواس مجتمع کئے اور جو کچھ دیکھا سُنا تھا - اُس پر غور کرنے لگا - لیکن جس قدر میں غور کرتا تھا - اُسی قدر خلجان بڑھتا تھا - اب نہ معلوم میں دیوانہ تھا - نشے میں تھا یا محض حواس ہی مختل ہو رہے تھے کہ میں ایک فلسفیانہ خیالات کا آدمی - معقولات کا عالم - اس کا قائل ہو گیا کہ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ میں ایک فوق العادت انسان سے جو کم سے کم دو ہزار برس کی عمر کا ہے دوبدو ہمکلام تھا یہ امر انسانی تجربے کے تو بالکل خلاف تھا اور اس کو عقل سلیم کسی حال میں صحیح نہیں قرار دے سکتی - اگر اس کو ایک دھوکا ہی سمجھا جائے تو آخر اس دھوکے کا ثبوت - علاوہ ازیں پانی میں تصویریں بن جانا - اس عجوبہ کارنامہ قدیم کی

تاریخ سے واقفیت بلکہ ایک طرح کا تعلق۔ اُس کے بعد کی لاعلمی۔ اسکی کیا نادبل ہوگی؟ ان سب باتوں پر مستزاد اس کا قیامت نزا حُسن۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ عقل حیران ہوکر رہ جاتی ہے۔ کوئی فانی عورت ایسی فوق القیاس حسین ہو نہیں سکتی حقیقت میں میری سخت حماقت تھی کہ میں نے ضد کرکے اس کو بے نقاب دیکھا۔ لیکن مجھے یہ ہوکیا گیا؟ میں تو وہ شخص تھا کہ بجز ایک خاص موقع کے اور وہ بھی سخت ناتجربہ کاری کی حالت میں۔ میرے اُوپر کبھی کسی کے حُسن نے اثر ہی نہیں ڈالا۔ اس خاص صورت میں ایسا دارفتہ کیوں ہوگیا؟ اور اب تو ممکن نہیں کہ میں اس ملائک فریب عورت کا خیال دم بھر کیلئے بھی اپنے دل سے نکال ڈالوں!! اور حقیقت میں دو ہزار برس کے تجربہ اور اتنے بڑے علم وعقل اور طاقت کو لئے ہوئے۔ ایک حسین عورت اگر چاہنے کے قابل نہ ہوگی توہوگی کون؟ لیکن یہاں تو اس کی قابلیت اور غیر قابلیت سے بحث ہی نہیں سوال تو یہ ہے کہ ایک مکتب نشین طالب علم۔ ناتجربہ کار۔ بدشکل اور نیک چلن آدمی میں اُس عورت پر عاشق ہونے کی قابلیت بھی ہے یا نہیں۔ نہیں! ہرگز نہیں!! اس میں اپنا ہی قصور ہے۔ اس نے اپنے مقدور بھر سب سمجھایا۔ کوئی نہ مانے تو اس کی بلا سے۔ خدا غارت کرے اس وقت کو کہ مجھے یہ شوق پیدا ہوا ع لگایا جس گھڑی دل تھا اُسے ہم یاد کرتے ہیں؟ ہم میں جہاں اور ہزاروں کمزوریاں ہیں۔ وہاں عورت کی طرف کشش اتصال بھی ایک طرح کا طبعی نقص ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ عورتوں میں بھی فطرتاً ایسا میلان طبع ہوتا ہے یا نہیں۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے بے تعلق رہ کر خوش اور مطمئن رہ سکے۔ افسوس ہے کہ شاید نہیں ہوسکتا ٭

مجھ سے لیٹا نہ گیا۔ حالت اضطراب میں بال ہاتھ میں آگئے۔ ایک لٹ نوچ پھینکی۔ اور کھڑا ہوگیا۔ پھر کچھ ہوش آیا اور خیال کیا کہ کسی بات میں دل نہ بہلا تو شاید صبح تک مجھے خبط ہوجائیگا۔ تھوڑی دیر تک ٹہلتا رہا کہ یکایک اس انگوٹھی کا خیال آگیا۔ اس میں کچھ شک تھا ہی نہیں کہ یہ انگوٹھی یا کم سے کم یہ نگینہ بہت ہی پُرانا تھا۔ اس کا طغرا بھی مصری ہے۔ پھر اس پر اتنی وحشت ہوتی کیا معنی؟ پھر کیا یہ کُل قصہ جس کو میں ایک عورت کے اختلال حواس کا نتیجہ سمجھے بیٹھا ہوں صحیح ہے۔ کہیں ایسی ہی

تو وہ شخص نہیں ہے جس کی عذرا منتظر ہے۔ ان ہی کے جی اُٹھنے کا اعتقاد اُسے نہ
ہو۔ ناممکن محض۔ بھلا کہیں مردے بھی اپنی اسی صورت کو لیکر زندہ ہوئے ہیں۔
لیکن اگر ایک عورت کا دو ہزار برس سے زیادہ رہنا ممکن ہے۔ تو اس کے امکان
میں کیا استحالہ ہے۔ ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ میں خود کسی زمانے میں بڑا
آدمی ہوں۔ بڑے بڑے کام کئے ہوں۔ بڑا نام پایا ہو۔ اور ماشاء اللہ اسی صورت
پر (میرے نزدیک یہ ناممکن ہے) مگر ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنی پہلی زندگی کے واقعات
یاد نہ رہے ہوں۔ یہ عقیدہ ہی سرے سے مجھے ایسا بیہودہ معلوم ہوا کہ میں خوب
ہی دل کھول کر ہنسا۔ اور ایک سپاہی کی سنگی تصویر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
"کہو بڑے میاں! کچھ یاد ہے۔ ہم تم ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں۔ ایک جنگ میں
دونوں کی تلوار ایک ساتھ میاں سے نکلی تھی۔ بلکہ مجھے تو اب یاد آیا تم میں ہوں اور میں تم ہو"
مجھے اپنی حماقت پر اس قدر ہنسی آئی کہ میں نے زور سے ایک قہقہہ لگایا اور وہیں
بیٹھ گیا وہاں اَور کوئی تو تھا نہیں کہ میری اِن حرکتوں پر ہنستا۔ لیکن ردِّ صدا سے
یہ معلوم ہوا کہ میرا مخاطب یا ہمکلام مجھ پر ہنس رہا ہے۔

خدا جانے کتنی دیر بیٹھا ہنستا رہونگا کہ یکایک خیال آیا کہ میں نے بڑی دیر سے
ایبن کو نہیں دیکھا۔ گھبرا کر اُٹھا۔ چراغ اُٹھایا۔ جوتے وہیں چھوڑے اور ایبن کے
کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ ہی سے جھانک کر دیکھا تو چراغ جل رہا ہے۔ ایبن
سو رہے ہیں۔ مگر نہایت بے چین تنفس کی آواز دُور تک جا رہی ہے۔ اُستن ایک
ہاتھ میں اُن کا ہاتھ لئے ہوئے ہے۔ ایک ہاتھ سے کپڑے کا پنکھا بنائے ہوئے جھل رہی
ہے۔ اور اُونگھتی جاتی ہے۔ عجیب سماں تھا۔ ایبن کی اس ردّی حالت کو دیکھ کر
ایک نیا مضمون ہاتھ آیا۔ ایک اَور ہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ تصویر میں
میں نے اُن کا جنازہ اور اپنی بیکسی و تنہائی آنکھ سے دیکھ لی۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ
ممکن ہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو میرے رقیب نہ بن جائیں۔ اس کو بھی فرض کر کے
کہ یہ وہ شخص نہ ہوں جس کی عذرا منتظر ہے۔ مگر جوان اور خوبصورت تو ہیں۔ ان کے
مقابلے میں مَیں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی۔ نہایت بدقوارہ بھلا کیا وقعت رکھونگا۔ الحمد للہ

کہ اس وقت تک میری انسانیت حیوانیت سے مُتبدّل نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اس خیال پر لاحول پڑھی۔ اور نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے دُعا مانگی کہ الٰہی! صدقہ اپنی خدائی کا ہم بیکسوں کے حال پر رحم فرما اور امین کو صحت عطا کر۔ الٰہی! امین چاہے میرا رقیب ہی ہو کر رہے مگر دنیا میں رہے۔

جس طرح میں آیا تھا۔ اُسی طرح دبے پاؤں پھر واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن وہی مصیبت کہ نیند نہ آئی۔ کبھی امین کی بیماری کا خیال ستاتا تھا۔ کبھی عذرا کا تصوّر دل میں چٹکیاں لیتا تھا اور کبھی وہ سنگی سپاہی گُدگُداتا تھا۔ مختلف خیالات کا ہجوم تھا اور متعدد تصوّرات کا تلاطم۔ یک سر ہزار سودا۔ میں اُٹھا اور عذرا کی خیالی تصویر بغل میں دبائے ہُوئے بڑی دیر تک ٹہلتا رہا۔

اتفاقاً سامنے نظر پڑی تو دیوار میں ایک سُرنگ دکھلائی دی۔ چراغ اُٹھا کر دیکھا تو اچھا خاصہ راستہ بنا ہُوا ہے اور دو تین ہی قدم آگے بڑھ کر سیڑھیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ جی چاہا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیئے۔ مگر معاً خیال ہُوا کہ اپنی حالت ایسی واقع ہوئی ہے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیئے۔ خدا جانے اس سُرنگ کا منتہا کہاں ہو؟ کیا اُفتاد پڑے۔ کون ملے۔ کیا ہو۔ مگر جہاں اور خبط تھا وہاں خواہ مخواہ نیچے اُتر ہی جانے کو جی چاہا۔ چراغ اُٹھایا اور اُتر گیا۔ چھ سیڑھیاں اُتر کر زینہ ختم ہو گیا۔ ایک گلی جیسی ملی۔ دبے پاؤں اور آگے بڑھا چلا گیا۔ کوئی پچاس قدم پر گلی داہنی طرف کو مُڑی، اور میرے مڑتے ہی ہَوا کا ایک جھونکا آیا اور چراغ گل ہو گیا اور میں تنہا اِس نامعلوم قبر جیسی اندھیری جگہ میں کھڑا رہ گیا۔ نہ آگے کی خبر نہ پیچھے ہٹنے کا موقعہ۔ کسی کو پُکاروں تو آواز کہاں پہنچے؟ آواز دوں تو کس کو؟ پھر راستے کی کیا خبر؟ کون جانتا ہے کہ آگے کنواں ہی ہو مگر خیر جی کڑا کر کے ٹٹولتا ہُوا آگے ہی کو بڑھا۔ سوچتا جاتا تھا کہ کیا کروں۔ خیال ہُوا کہ لاؤ یہیں رات گزار دو۔ لیکن اگر ٹھیک دوپہر کو بھی اس گھر میں اندھیرا ہی رہا تب کیا؟ پیچھے دیکھا تو گُھپ۔ آگے ظلمات کی تصویر۔ بمجبوری پھر آگے بڑھا۔ کہ یکایک دُور کچھ روشنی معلوم ہُوئی۔ کچھ ہمت پڑی۔ خیال ہُوا کہ سراب کا نقشہ نہ ہو۔ مگر تن بتقدیر آگے بڑھا۔ اللہ اکبر! عجب کافر ماجرائی تھی

شکر ہے کہ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا جاتا تھا روشنی تیز ہوتی جاتی تھی۔ بیس قدم چلا ہونگا۔ کہ یہ معلوم ہوُا کہ روشنی کبھی کم ہو جاتی ہے اور کبھی بھڑک اُٹھتی ہے۔ پچاس قدم۔ روشنی اور قریب ہو گئی۔ ساٹھ قدم۔ الامان ! الامان !!

میں ایک دروازے کے سامنے ایک نیم باز پردے کے پاس کھڑا ہوں۔ اس طرف کمرے کی تمام چیزیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ قبر کی سی وحشت اور تنہائی ہے۔ بیچ میں آگ جل رہی ہے۔ مگر اس کے شعلوں میں دُھواں نہیں۔ بائیں طرف معمول کے موافق چوکی پر لاش جیسی کوئی چیز رکھی ہے۔ اور اس پر سفید چادر پڑی ہے۔ داہنی طرف کی چوکی پر ایک سفید کپڑا پڑا ہے۔ آگ کی طرف جھکی ہوئی لاش کی طرف منہ کئے ہوئے ایک عورت سیاہ کفنی پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ اس عورت کو میں پہچان نہ سکا۔ کیونکہ وہ کروٹ سے بیٹھی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کروں ؟ کہ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اُٹھی اور وہ کفنی اُتار کر رکھ دی۔ دیکھا تو عذرا تھی۔ بس جان ہی تو نکل گئی +

اس وقت اُس کے بدن پر وہی تنگ و چست کپڑے ہیں۔ بالوں کے سانپ پشت پر لہرا رہے ہیں۔ لیکن اس کے چہرے پر اس وقت وہ دلکشی نہیں ہے۔ جو اس وقت تھی۔ بلکہ کچھ مایوسی۔ کچھ ندامت۔ کچھ خونخواری برس رہی ہے۔ حُسن وہی تھا۔ مگر غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوُا۔ خاص قسم کے جذبات کا غازہ ملا ہوُا۔ آنکھیں بے چین۔ مگر آنسوؤں میں ڈوبی ہوئیں +

تھوڑی دیر تک تو وہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسائے ہوئے دونوں ہاتھ سر پر رکھے کھڑی رہی۔ مجھے خیال ہوُا کہ اگر اس کو کہیں میرے یہاں کھڑے ہونے کا شبہ بھی ہو گیا ہو گا تو میرا کیا حال ہو گا۔ فرض کرو مجھے چھینک ہی آ گئی یا اس نے میرے سانس کی آواز ہی سُن لی یا اپنے علم کے زور سے میرا یہاں کھڑا ہونا معلوم کر لیا تو میرا کیا انجام ہو گا۔ بس بقول یا قوت کے یہیں بھسم ہو کر رہ جاؤنگا۔ باوجود اس کے خدا جانے کس بلا کی کشش تھی یا کہاں کی جُرأت مجھ میں آ گئی تھی کہ میں ہلا تک نہیں یا ہلا ہی نہ گیا +

عذرا نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور تھوڑی دیر میں پھر سر سے اُونچے اُٹھائے۔

اگر آپ مسلمان ہیں تو یقین کیجئیگا کہ میں دیکھ رہا تھا - عذرا کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ شعلے اُوپر اُٹھتے تھے اور پھر نیچے بیٹھ جاتے تھے - اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا غصہ وقتاً فوقتاً بڑھتا جاتا تھا +

اب تک وہ چُپ تھی - اب اس نے فصیح عربی میں کچھ کہنا بھی شروع کیا عجیب فقرے تھے سُننے کے قابل ہیں +

میری لعنت تجھ پر ابد تک پڑتی رہے "

یہ کہہ کر ہاتھ اُونچے کئے اور شعلہ سر سے اُونچا پہنچا اور ہاتھ کے ساتھ ہی نیچا ہوگیا +

" اُس مصریہ کی یاد پر لعنت "

پھر شعلے نے ہاتھ کا ساتھ دیا +

" اس نیل کی بیٹی اور اُس کے حُسن پر لعنت "

" اس کی صورت پر لعنت جس نے میرے پیارے کو مجھ سے نہ ملنے دیا "

اب کے اُس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہنے لگی :-

" اب لعنت کرنے سے کیا حاصل؟ وہ اپنا کام کرگئی اور اس کو میرا نہ ہونے دیا "

لیکن پھر اُس نے پھر وہی فعل شروع کیا اور شعلوں نے اُس کے ہاتھوں کا ساتھ دیا +

" وہ جہاں ہو اُس پر میری لعنت پڑے - میری بد دُعائیں اُس کو اب بھی چین نہ دیں "

" اس کے نقش قدم پر لعنت - اس کے سائے پر لعنت "

" وہ جہاں ہو - جس حال میں ہو میری لعنت اس تک پہنچے "

" اندھیری کوٹھری میں بھی میری لعنت اس کو نظر آئے "

" اگر وہ کسی پتھر میں بھی چھپی ہو تو میری بد دُعائیں اُس کو ستائیں "

پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ٹھنڈا سانس لیتی ہوئی کہنے لگی +

" ان لعنتوں سے کچھ حاصل نہیں - بالکل فضول - بھلا کہیں سوتوں نے بھی آواز سُنی ہے - اُن تک تو میں بھی نہیں پہنچ سکتی "

مگر پھر صبر نہ ہوا - پھر کہنا شروع کیا - بلکہ زیادہ تیزی کے ساتھ +

" جب وہ پھر پیدا ہو تو میری لعنت اُس پر پڑے "

"وہ لعنتی ہی پیدا ہو اور لعنتی ہی مرے"

"لعنت ہو اس کے پیدا ہونے پر۔ لعنت ہو اس کے مرنے پر"

"میری لعنت اُس پر اس وقت تک پڑتی رہے کہ میں اُس سے اپنا انتقام لے لوں"

غرض اسی طرح کسی نامعلوم مصریہ عورت۔ دریائے نیل کی بیٹی پر لعنتوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ہر فقرہ شروع کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اونچے بلند کرتی تھی۔ اور آگ کے شعلے اس کے ہاتھ کے برابر پہنچتے تھے۔ فقرہ ختم کر کے ہاتھ نیچے کرتی تھی اور آگ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی تھی +

کہاں تک یہ وظیفہ جاری رہتا؟ آخر تھک کر بیٹھ گئی۔ بالوں سے چہرہ چھپا لیا اور رونے لگی۔ ہائے کس درد سے روئی ہے؟ میں نے تو سمجھا تھا کہ کمبخت کا دل آج ہی پانی ہو کر بہ جائیگا۔ بارے بڑی دیر میں جا کر کچھ تسکیں ہوئی کہ ٹھنڈا سانس لے کر کہنا شروع کیا:۔

"ہائے دو ہزار برس۔ ہاں دو ہزار برس انتظار کے مصیبت بھرتے ہوئے گزر گئے۔ اور ہنوز روز اوّل است۔ قرنوں پر قرن اور صدیوں پر صدیاں گزر گئیں۔ جو تصویر قلب پر کھنچ گئی تھی۔ آج تک اس کی شوخی میں کچھ کمی نہیں آئی۔ ہائے اُمید بھی کمبخت کب تک ساتھ دیگی۔ میری طرح بیجیا تو ہے نہیں۔ پھر بھی اِسی کا سہارا ہے۔ ہائے! دو ہزار برس سے میرے جذبات اور میرے گناہ کلیجہ چاٹ رہے ہیں اور چاٹ نہیں چکتے۔ سچ ہے تغافل اور فراموشی بھی ایک جوہر ہے۔ مجھ کمبخت سے وہ چھن گیا" +

"میری جان! میری جان! میری جان! ہائے! اس اجنبی کی باتوں سے اور خاص کر وہ نگینہ دیکھ کر پھر تیرا خیال تازہ ہو گیا۔ ورنہ پانچ سو برس سے کچھ کمی آ گئی تھی۔ مانا کہ میں نے تیرا گناہ کیا ہے۔ مگر کیا یہ دھبّہ دو ہزار برس کے آنسو بھی نہ دھو سکیگا؟ ہائے کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ او جفاکار آ جا۔ کاش تجھے میری مصیبت کی خبر ہوتی! کاش تو میرے دل کو دیکھ لیتا! پھر میں دیکھتی کہ۔ تجھے مجھ پر رحم نہ آتا۔ ایسا نہ ہو تجھے وہ۔ وہ لعنتی مصریہ عورت کہیں ورغلانے اور میں یہاں

جلتی آگ میں پڑی رہوں - ہائے مجھے موت بھی تو نہیں آتی - کاش جس چھری سے میں نے تجھے مارا تھا - وہی چھری میں اپنے مار لیتی " ۔

یہ کہ کر وہ زمین پر لوٹ گئی اور تڑپ تڑپ کر رونے لگی - پھر کچھ تسکین ہوئی - کھڑی ہو کر وہی کالی کفنی پہنی اور لاش کے پاس کھڑی ہو کر کہنے لگی :-

" قرطبیس " -

قریب تھا کہ یہ نام سن کر میں ایک چیخ ماروں - خدا ہی نے سنبھال لیا ۔

" قرطبیس ! خدا کے واسطے اپنی صورت دکھلا دے - ہائے دو ہزار برس تھوڑے نہیں ہوتے - لا میں پیارا چہرہ دیکھوں " ۔

کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے لاش پر سے چادر اٹھائی اور چیخیں مارتی ہوئی آگے جھکی اور مردہ کے گال چوم لئے اور لاش سے مخاطب ہو کر کہنے لگی :-

" لا میں تجھے اٹھا بٹھاؤں - ہاں یہ تن نازک تھک گیا ہوگا (زور سے روتی ہے) ہائے یہ ہڈیاں تھک گئی ہونگی - لے میں تجھے بٹھلاتی ہوں " ۔

یہ کہ کر وہ چادر کا ایک پلہ پکڑ کر کھڑی ہو گئی - اب خدا جانے میری آنکھیں دھوکا دے رہی تھیں یا مجھے تصور ایسا بندھ گیا تھا یا واقعی میں نے دیکھا کہ لاش کو ایسی حرکت ہوئی کہ گویا بیٹھا ہی چاہتی ہے - یکایک اس نے چادر پھر اڑھا دی اور وہ حرکت مذبوحی بھی ختم ہو گئی ۔

عذرا " ان باتوں سے کیا فائدہ ہوگا ؟ روح کہاں سے لاؤنگی ؟ اگر تو کھڑا بھی ہو گیا تو اپنی بپتی کس کو سناؤنگی ؟ کس کو گلے لگاؤں گی " ؟

اس مرتبہ عذرا نے لاش کے پیر پکڑ لئے اور پھر بلک بلک کر رونا شروع کیا - ہائے کیا بتلاؤں ؟ کیسا دردناک موقع تھا کہ دیکھا نہ گیا اور جس طرح ہو سکا - اسی دم پھرا - اندھیرا تھا ہی - خدا جانے کتنی دیر ٹکریں کھاتا رہا ہونگا کہ پھر مجھے خبر نہیں رہی کہ مجھ پر کیا بیتی ؟ جب میں آپے میں آیا ہوں تو وہیں سرنگ میں خود کو بیٹھا پایا ہے - سورج نکل آیا تھا اور اس سرنگ میں بھی روشنی ہو گئی تھی - اٹھا اور چپ چاپ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا ۔

باب پانزدہم

خنجر کشیدہ عربدہ با اہلِ حال کرد
آں ترک مست بیں کہ چہ با خود خیال کرد

میں خدا جانے کتنی دیر سویا ہونگا۔ آنکھ کھلی تو میرے کمرے میں خوب روشنی ہو رہی تھی اور ایوب میرے کپڑوں کو جھاڑ کر تہ کر رہا تھا۔ پھر پانی کو دیکھ کر کہنے لگا کہ "یہاں بھلا گرم پانی کہاں نصیب ہو؟ خدا نے کہاں پھنسا دیا"۔

میں :۔ "ایوب! کیا ہے"؟

ایوب :۔ "جی کچھ نہیں! میں نے جانا تھا آپ سو رہے ہیں۔ آپ کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ کی نیند پوری نہیں ہوئی"۔

میں :۔ "امین کیسے ہیں"؟

ایوب (ایک ٹھنڈا سانس لے کر) "بس ویسے ہی ہیں۔ اگر خدا نے فضل نہ کیا تو شام تک دیکھئے کیا ہو جائے؟ اُستن بیچاری رات بھر بیٹھی رہی ہے۔ دن بھر امین کے گرد رہتی ہے۔ میں اگر ان کو ہاتھ بھی لگا دیتا ہوں تو میرے سر ہو جاتی ہے۔ اپنی زبان میں کمبخت سینکڑوں گالیاں کوسنے دے جاتی ہے"۔

میں :۔ "اچھا پھر"؟

ایوب :۔ "بس پھر کیا۔ ڈر کے چُپ ہو رہتا ہوں۔ کئی دفعہ پُوچھا بھی کہ نیکبخت تجھے ان سے علاقہ؟ تو ہوتی کون ہے؟ میں نے ان کو پالا ہے۔ ایسی بیماری میں کیسے چھوڑ دوں؟ مگر کون سُنتا ہے؟ مارنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ رات تو ایک چھری نکال کر پیچھے پڑ گئی۔ میں نے اپنا پنجہ لے لیا۔ عورت پر ہاتھ اُٹھانے کو جی نہ چاہا۔ ورنہ رات ہی کو اس کا فیصلہ کر دیتا۔ ایسی بے شرم ہے کہ پھر بھی نہ ڈری اور کئی دفعہ حملہ کیا۔ آخر میں بھاگ اُٹھا تو وہ قہقہہ لگا کر بیٹھ گئی۔ کمبخت کی آنکھوں

کا پانی بالکل ڈھل گیا ہے - مجھ سے یہ باتیں نہیں دیکھی جاتیں - یہاں کی اور باتیں ہی کون اطمینان بخش ہیں کہ یہ بھوتنی اور پیچھے پڑی ہوئی ہے - اب جو کچھ قسمت میں لکھا ہو - میں پھر جا کر ابین کو دیکھتا ہوں - دیکھئے دیکھنے دیتی بھی ہے کہ نہیں"+

ایوب کی گفتگو اگرچہ بہت ہی مضحکہ خیز تھی - مگر یہاں دل ہی باقی نہ تھا - ابین کی حالت سے اور سخت پریشانی ہوئی - جس پہلو پر غور کرتا تھا - قدم قدم پر جانستان مشکلیں نظر آتی تھیں - اس جگہ سے نکل بھاگنا ناممکن معلوم ہوتا تھا - اگر یہ بھی فرض کیا جائے کہ ابین اچھے ہو جائیں اور عذرا ابھی ہمیں جانے دے (موجودہ صورت میں یہ بھی ناممکن معلوم ہوتا تھا) کسی موقعہ پر غصہ میں "بھسم" بھی نہ کر دے - اور وحشیوں کے "لال نوے" سے ہم بچ جائیں تو دلدل سے پار ہونے کی کیا سبیل ہوگی+ دفعتہً عذرا کا خیال آیا اور یہ خیالات غائب ہو گئے - اس کی صورت کے سامنے بھاگنے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں اور جی چاہا کہ جو کچھ ہو - یہیں پڑ مرو - محققین حقائق موجودات - عذرا جیسی کو ڈھونڈھیں اور نہ پائیں - مجھے بے منت ایک موقعہ ہاتھ آیا ہے - جس طرح سے بھی ہو اصلیت دریافت کرنی چاہیئے - رات کی حالت دیکھ کر بھی تو ساحرہ کی صورت سے مجھے نفرت نہیں ہوئی - نہ چنداں ڈر پیدا ہؤا - اور افسوس ہے کہ وہ حالت قلب بدستور اس وقت تک باقی ہے +

میں کپڑے پہن ہی رہا تھا کہ کھانے کا پیغام آیا - کھانا کھا کر ابین کو دیکھنے گیا - سرسام کی سی کیفیت پائی - مجھے نہیں پہچانتے تھے - اُستن سے پوچھا کہ رات کیسی گزری - اُس سے کوئی جواب نہ دیا گیا - رونے لگی - اس کو روتا دیکھ کر مجھ سے بھی نہ رہا گیا - ایوب پہلے ہی کونے میں بیٹھا رو رہا تھا - بظاہر اُستن کو اُمید زیست باقی نہ تھی - مجھے اسی وقت خیال ہؤا کہ لاؤ عذرا کو لاؤں - شاید وہی کچھ دوا بتلائیں وعدہ بھی کر چکی ہیں - میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ یاقوت آ گیا +

یاقوت (ابین کو دیکھ کر) "آج رات کو ضرور مر جائیگا"۔

مجھے یاقوت کی اس بدشگونی سے بڑا ہی غصہ آیا - مگر صورت دیکھ کر چپ رہ گیا+

یاقوت "ننس! تجھے "ملکہ مطاع الکل" نے طلب کیا ہے - جلدی چل - دیکھ ذرا

احتیاط سے کام لیا کر۔ کل مجھے کئی دفعہ خیال ہوا کہ تو ابھی مارا جائیگا۔ ملکہ عدالت میں بیٹھی ہے۔ تیرے مجرم پیش ہیں جلدی چل"۔

یاقوت مجھے لیکر ایک بڑے کمرے کی طرف چلا۔ بنوالحجر غول کے غول آرہے تھے۔ میری سرسری نظر سے دیواروں کی تصویروں کو دیکھتا جاتا تھا۔ ہر دس پندرہ قدم کے فاصلے پر دو طرفہ دروازے تھے۔ یاقوت نے بتلایا کہ اِن میں سے ہر ایک میں ایک دیسی معمولی قبر ہے اور شاید ہر ایک میں مردہ پڑا ہے۔ ان سب کو بھی ہمارے پہلوں نے کھودا ہے میں اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوا کہ آثار قدیمہ دیکھنے کا اچھا موقعہ ملا۔

اس کمرے کے صدر میں پتھر کا کھُدا ہوا ایک بڑا اُونچا چبوترہ تھا۔ میں نے قیاس لگایا کہ غالباً اسی پر لاش رکھ کر کوئی رسم ادا کی جاتی ہوگی۔ اس چبوترے کی سیڑھیوں سے ملے ہوئے دو دروازے تھے۔ یاقوت کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ بھی مقبرے ہی تھے اور یہ پہاڑ بھر مردوں سے بھرا پڑا ہے"۔

چبوترے کے سامنے بہت سے مرد عورت کھڑے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے اور اُوپر ایک دقیانوسی آبنوس کی چوکی یا کرسی پڑی ہوئی تھی اور اس پر کسی گھاس کا بنا ہوا کپڑا پڑا ہوا تھا"۔

یکایک حیۃ۔ حیۃ کی آواز بلند ہوئی اور تمام لوگ زمین پر اُوندھے مُنہ لیٹ گئے۔ اس کے بعد بائیں طرف کے ایک کمرے سے گونگوں کی فوج آنی شروع ہوئی اور اندازاً کوئی پچاس آدمی چبوترے کے ادھر اُدھر قطار لگا کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے بعد کوئی بیس مرد اور بیس ہی نہایت خوبصورت عورتیں ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے پہنچیں ان سب کے بیچ میں عذرا کا لبدر فی النجوم" اپنا برقع اوڑھے ہوئے آئیں اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں نے اپنے ملک کے قاعدے کے بموجب جھک کر سلام کیا اور باضلاق جواب پایا۔ شاید اس خیال سے کہ بنوالحجر نہ سمجھ سکیں۔ مجھ سے یُونانی میں ہمکلام ہوئیں۔ یُونانی بھی وہ نہیں جو آج کل مستعمل ہے۔ بلکہ نہایت قدیم۔ غنیمت تھا کہ میں وہ بھی کچھ سمجھ سکتا تھا۔

عذرا (خفیف): یہاں پا انداز پر آبیٹھ اور اپنی آنکھ سے اُن لوگوں کا انجام دیکھ لے۔

جو تیرے قاتل بننے والے تھے۔ یہ زبان اگر میں اچھی طرح نہ بول سکوں تو ہنسنا نہیں صدیوں بعد آج اس کے الفاظ زبان پر اچھی طرح نہیں چڑھتے"

میں نے جھک کر ایرانی قطع کی کورنش کی اور بالکل عذرا کے پیروں میں جا بیٹھا +

عذرا۔ (کسی قدر مسکراتے ہوئے) "کنیف! رات کیسی گزری۔ نیند بھی آئی ہے؟

میں اس سوال پر بہت ہی ڈرا کہ کہیں میرے رات کو وہاں ہونے کی اس ظالم کو خبر نہ ہو گئی ہو +

میں (سر نیچا کر کے) "بالکل نہیں سو سکا۔ نیند آنے کی آپ نے کوئی صورت چھوڑی ہی نہ تھی"!

عذرا (ذرا ہنس کر) "اچھا! تو رات کو نیند نہیں آئی۔ مجھے بھی بہت بدخوابی رہی۔ رات بھر پریشان خواب دیکھتی رہی ہوں اور اُن سب کا مُوجد تو ہی تھا" +

میں "ایسے کیا پریشان خواب آپ نے دیکھے ہونگے"؟

عذرا۔ متضاد خواب تھے۔ ایک تو اسے دیکھتی رہی جس پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار ہوں اور ایک اُسے جس کی جان لینے کی فکر میں ہوں" (بنو الجر سے عربی میں) ان آدمیوں کو ہمارے سامنے پیش کرو" باڈی گارڈ کا سردار ان لوگوں کو لینے گیا اور یہاں بالکل خاموشی ہو گئی۔ عذرا اپنا سر اپنے ہاتھ پر رکھ کر ایک غوطے میں چلی گئی جو لوگ اس وقت اس کے سامنے پڑے تھے۔ ان میں سے اکثر کبھی سر اُٹھا اُٹھا کر کنکھیوں سے اپنی ملکہ کو دیکھ لیتے تھے اور پھر لیٹ جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ملکہ ان کے سامنے بہت ہی کم ہوتی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کا شوق۔ بلا اس خیال کے کہ ہمیں تکلیف پہنچیگی۔ بار بار ملکہ کے دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ ملکہ نہیں بلکہ اس کا لباس۔ کیونکہ اس وقت تک اس ملک کے کسی متنفس نے اس کی صورت نہیں دیکھی تھی +

تھوڑی دیر میں ہمارے مہمان نواز قاتل کہ تعداد میں اندازاً بیس ہونگے ہر ایک کے چہرے پر خوف کے آثار تھے اور کانپتے جاتے تھے۔ چبوترے کے سامنے لاکر کھڑے کر دیے گئے۔ سب نے رسم کے بموجب اوندھا پڑ جانے کا قصد کیا۔ مگر ملکہ نے روک دیا۔

ملکہ:" نہیں براہ مہربانی کھڑے رہو۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ ایسے گر و گے کہ پھر کبھی اُٹھنا نصیب نہ ہو گا"!

میں نے دیکھا کہ یہ سُن کر ان تمام خونخواروں کا رنگ فق ہو گیا اور حالت متغیر ہو گئی۔ دو تین منٹ تک عذرا نے ان سب کو یکے بعد دیگرے بغور دیکھا اور مجھ سے عربی میں مخاطب ہوئی +

ملکہ:" اجنبی! تو ان کو پہچانتا ہے؟

میں:" حضور ہاں! سب کو پہچانتا ہوں"!

ملکہ:" اچھا ان سب کے سامنے تمام قصہ بیان کر" +

میں نے نہایت مختصر الفاظ میں ان خونخواروں کی دعوت اور حافظ جعفر کی شہادت کا قصہ بیان کیا۔ مجرمین اور حاضرین بہت غور سے سُنتے رہے۔ جب میں ختم کر چکا تو ملکہ نے یا قوت سے میرے بیان کی تصدیق کرائی +

ملکہ (نہایت غصے کے لہجہ میں)" تم لوگوں نے سُنا؟ کیا وجہ ہے کہ تم سے انتقام نہ لیا جائے؟ تم نے میرے مہمانوں میں سے ایک کی جان لی اور یہ جان کر کہ وہ میرا مہمان ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تم نے مجھ سے بغاوت کی۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ تم کو سزا نہ دی جائے +

بڑی دیر تک کوئی جواب نہ ملا۔ آخر ایک نوجوان خوبصورت آدمی نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اس معاملے میں ہمارا قصور بہت کم ہے۔ ہمارے رواج کے موافق ہماری ایک عورت نے ان کے ایک ساتھی کا مُنہ چومنا چاہا۔ اس میں بظاہر ان کے ساتھی کا کوئی نقصان نہ تھا۔ مگر اس نے اس عورت کی سخت توہین کی۔ اس کو بُرا کہا اور بھاگ گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک عورت کی توہین ٹھنڈے جی سے کون دیکھ لیتا؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم سب اسی وقت ان سب کو قتل کر ڈالتے۔ مگر محض اس خیال سے کہ یہ حضور کے مہمان ہیں خاموش ہو رہے۔ لیکن اس عورت سے صبر نہ ہو سکا۔ اس نے یُوں انتقام لینا چاہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ پہلے ایک بے قصور شخص سے شروع کیا گیا۔ لیکن جو توہین ہوئی تھی۔ اُس کے

مقابلے میں ایک جان لے لینی کچھ کافی نہ تھی - اس پر اس بے ادب شخص نے جو اس وقت نہایت دلیری کے ساتھ ایسی عظیم الشان بادشاہ کے دربار میں بیٹھا ہے - عجز اس کے پاس بھی نہیں پھٹکا - اس عورت کو اپنا جادو چلا کر مار ڈالا اور ساتھ ہی اپنے ساتھی کو - اس صورت میں اپنے ساتھی کے مارنے کا یہ خود قصوروار ہے نہ ہم - حضور کی ہم جنس ہماری نظروں میں نہایت باوقعت بلکہ مقدس ہوتی ہیں - ان میں سے ایک ماری جائے اور کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خاموش ہو رہیں - ہم نے جو کچھ کیا - کچھ بیجا نہیں کیا - لیکن اس پر بھی ہمیں افسوس ہے اور خود کو گنہگار سمجھتے ہیں اور حضور کے رحم کے طلبگار ہیں - ایک خون کے عوض میں حضور کی رعایا کی اتنی جانیں جانا کچھ تھوڑی بات نہیں اور نہایت رحم کا مقام ہے - ایسے عظیم الشان بادشاہ کا رحم ایسے ہی موقعوں پر جوش میں آتا ہے +

ایک وحشی سے ایسی برجستہ تقریر سُن کر مجھے سخت حیرت ہوئی - آخر بنی آدم تھے دل و دماغ رکھتے تھے - صرف غیر تربیت یافتہ تھے - اگر یہ کمی پوری ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ یہ ملک بھی یورپ و امریکہ کا ہم پہلو ہو جائے +

ملکہ (درشتی کے ساتھ) "یہ سب کچھ درست مگر "لال توا" کس غرض سے تھا ؟ میرے مہمانوں کے سروں پر رکھنے کے لیئے ؟ او بھیڑیو ! او سانپو ! او مردم خوارو ! ایک تو تم نے میرے پردیسی بیکس مہمانوں پر حملہ کیا - ایک کو تم نے کھا ہی لیا اور ان سب کو بھی کھا ہی جاتے - دوسرے تم نے میری حکم عدولی کی - کیا میں نے تمہارے قبیلہ کے باپ اور اپنے غلام یاقوت کے ہاتھ حکم نہ بھیج دیا تھا کہ تم میرے ان مہمانوں سے تواضع پیش آنا اور ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے دینا - اس حکم کی تم نے توب تعمیل کی - اور خوب تواضع کی - کیا نہایت بیرحمی کے ساتھ کسی کو قتل کر ڈالنے کا نام تمہارے یہاں تواضع ہے ؟ اگر یہ لوگ اپنا بچاؤ خود نہ کرتے تو شاید ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا - کیا تم کو تمہاری ماں اور تمہاری دادیوں نے بچپن سے ہی تمہیں یہ نہیں بتلایا کہ میرا حکم ماننا تمہارا سب سے پہلا فرض ہے ؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میری حکم عدولی کر کے تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہ سکتا ؟ کیا تمہیں بچپن میں ہی میرے قہر

کی وسعت اور میرے غضب کی وقعت نہیں بتلائی گئی؟ تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ اگر کوئی آفتاب کو ٹھیک دوپہر میں چھپا دینا چاہے تو چھپا سکتا ہے۔ مگر کوئی میرے غضب کو روک نہیں سکتا۔ میرے احکام سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ کوئی مجھ سے سفارش نہیں کرسکتا۔ کوئی مجرم میری ذات سے رحم کی امید نہیں رکھ سکتا۔ تم سب سیاہ دل سیاہ باطن ہو۔ شریر ہو۔ سفاک ہو۔ احسان فراموش ہو۔ پشتیں گزر گئیں کہ میں تمہاری محافظ ہوں۔ میری ہی وجہ سے تمہاری ناپاک ذات کا وجود ہے۔ ورنہ اَب تک کبھی کے آپس میں کٹ مرے ہوتے۔ اس کا بدلہ یوں کیا کہ میرے مہمانوں کو اذیت پہنچائی۔ اور میری حکم عدولی کی۔ بہت اچھا کیا۔ اب سزا یہ ہے کہ تم سب سخت عذاب[1] کے ساتھ مارے جاؤ گے۔ میرے جلاد اپنی پوری قوت تم پر صرف کرینگے اور کل دن نکلنے سے پہلے تمہارے ناپاک جڑوں تک سے دنیا پاک کردی جائیگی" +

ملکہ نے اپنی تقریر ختم کی۔ میں نے دیکھا کہ تمام آدمی اس سزا کو سُن کر کانپ گئے۔ مجرمین میں سے کئی تو اسی وقت بیہوش ہوکر گر گئے اور باقیوں کی حالت بھی بہت ہی غیر تھی۔ جتنے لوگ زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ سب نے رو رو کر ملکہ سے رحم کی درخواست کی۔ ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ مگر ملکہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مجھے بھی رحم آگیا۔ میں نے نہایت عاجزی سے سفارش کی +

ملکہ (یونانی میں) "حنیف! یہ نہیں ہوسکتا۔ تو ان لوگوں سے واقف نہیں ہے۔ اگر میں اس وقت اِن لوگوں پر رحم کرجاؤں تو تم سب کی زندگی دشوار ہوجائے گی

---

[1] ایک کھو کا نام ان وحشیوں نے بیت العذاب رکھا تھا۔ وہیں یہ سزا دی جاتی تھی۔ میں نے ایک مرتبہ اس کو بھی دیکھا تھا۔ یہ مقام بہت ہی پرانے زمانے سے اسی کام میں آتا تھا۔ اس کھو میں مختلف طور پر متعدد پتھر لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر انسانی خون پی پی کر سیاہ ہو رہا تھا۔ وسط کمرہ میں تو الال کرنے کے لئے ایک انگیٹھی بھی بنی ہوئی تھی۔ ہر پتھر کے اوپر مختلف سزاؤں کی تصویریں تھیں۔ تصویروں کو دیکھ کر تو واقعی ایک ایک سزا ایسی تھی کہ جس سے "بیت العذاب" موسوم کیا جانا بیجا نہ تھا۔ چہ جائے کہ ہر شخص پر حتے الوسع ہر سزا کی مشق کی جائے۔ ان تصویروں کی تفصیل مجھ سے نہ لکھی جائیگی۔ نہ آپ سے سُنی جائیگی + (حنیف)

تو ان کے دل کی باتیں جانتی ہوں۔ یہ بدبخت اس وقت بھی تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اب ذرا میرے طریق حکمرانی کو دیکھ کہ کوئی فوج نہیں رکھتی۔ پس یہ چند آدمی ہیں جن کو تو میری فوج سمجھ لے۔ میرے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ میں اگر کہیں ان پر رحم کرنے لگوں تو اپنا رعب کھو لوں۔ رعب ہی پر میری سلطنت کا قیام ہے اور ایسے موقعے روز روز تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ کبھی پچاس ساٹھ برس میں ایسی سخت سزائیں دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہیں۔ ورنہ میں ہمیشہ ان سے چشم پوشی ہی کرتی ہوں۔ کہیں مجھے قطعی بیرحم نہ سمجھ بیٹھنا۔ ان جانوروں پر ظلم اور سختی کر کے مجھے کیا مل جائیگا۔ سچ جان کہ جس کی جتنی زیادہ عمر ہو گی اُتنا ہی وہ غنی اور حلیم ہو گا۔ اس کے قہر و رحم کو وہیں حرکت ہو گی جہاں اس کا نفع و نقصان ہوتا ہے۔ ان سے میرا کوئی تعلق نہیں پڑتا۔ بعض وقت میرے دلی خیالات اَور ہوتے ہیں اور اظہار بمجبوری کچھ اَور ہی کرنا پڑتا ہے"۔

ملکہ (عربی میں اپنے آدمیوں سے) "انہیں لے جاؤ اور میرے حکم کی تعمیل کرو"۔

باب شانزدہم

در بزم مرزان بلند دستاں
آہستہ کہ خفتہ اند مستاں

قیدیوں کے چلے جانے کے بعد عذرا نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور بقیہ باڈی گارڈ کے لوگوں نے بنو اِلجِر کو چلے جانے کا حکم سنا دیا۔ تمام لوگ اُٹھے۔ اور بھیڑ بکریوں کی طرح چل دئے۔ اب تنہا میں اور عذرا رہ گئے یا وہ گونگے جو کسی شمار و قطار میں نہیں آسکتے۔ مجھے پھر اچھا موقع ملا۔ میں نے عذرا سے ایین کے دیکھنے کو کہا۔ مگر وہ کہنے لگی کہ جلدی کیا ہے۔ آج شام سے پہلے تو وہ مرتا نہیں۔ کیونکہ اس قسم کے بخار کے مریض آدھی رات ڈھلے مرتے ہیں یا صبح ہوتے۔ میں نے جانا چاہا تو روک کر کہا کہ

"آ تجھے ان کھوؤں کے عجائبات کی سیر دکھلاؤں"۔
میں اپنے فکروں میں غلطاں پیچاں تھا۔ مگر انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اگر چاہتا بھی تو "نہیں" میری زبان سے نہ نکلتی۔ لاچار کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ عذرا ایک انداز دلربایانہ کے ساتھ اُٹھی۔ گونگوں کو کچھ اشارہ کیا۔ چار عورتیں چراغ لئے ہوئے تو رہ گئیں۔ باقی سب چلے گئے۔

عذرا:۔ "حنیف! آج تجھے یہاں کے وہ عجائبات دکھلاؤنگی جو دنیا کے رہنے والوں نے کبھی نہ دیکھے ہونگے۔ سب سے پہلے اسی کھو کو دیکھ۔ شاید اتنا بڑا کھُدا ہُوا کمرہ تیری نظر سے کبھی نہ گزرا ہوگا۔ لیکن یہ دنیا پر موجود تھا اور ایسے ہی اور سینکڑوں ان ہی شہر کور کے کھنڈروں میں موجود ہیں۔ اس شہر کے باشندے بھی عجیب چیز ہونگے۔ مصریوں کی طرح ان کو بھی زندوں سے زیادہ مُردوں کا خیال تھا۔ تیرے نزدیک کتنے آدمیوں نے اس کھو کو کھودا ہوگا"۔

میں:۔ "ہزاروں آدمی ہونگے"۔

عذرا:۔ "ہزاروں نہیں۔ بلکہ لاکھوں۔ یہ شہر دُنیا کی بہت ہی پُرانی آبادی کا بقیہ ہے۔ جس زمانے میں یہاں والوں نے یہ کھوئیں کھودی ہیں۔ ان دنوں میں قدیم مصریوں کے آبا و اجداد شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہونگے۔ مجھے اتفاق سے ایک ایسی چیز مل گئی کہ برسوں کی محنت کے بعد میں نے ان کے کتبات پڑھنے کی مہارت پیدا کی ہے دیکھ یہ کمرہ جس میں تو کھڑا ہے۔ ان کی سب سے آخری محنت کا نتیجہ ہے"۔

عذرا نے اپنی چھوکریوں کو کچھ اشارہ کیا۔ وہ صدر کی دیوار کی طرف چراغ لے گئیں۔ دیوار پر ایک شخص کی تصویر بنی تھی جو ایک چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ وہی شخص ہے جس کی نزع و دفن وغیرہ کی تصویریں اس کمرے میں بنی تھیں جن کو میں مفصل بیان کر چکا ہوں۔ یہ کرسی بالکل اُسی قطع کی تھی جس پر ابھی عذرا نے اجلاس کیا تھا۔ بلکہ کیا عجب ہے۔ کہ اسی کرسی کی تصویر ہو۔ اس کے پیروں میں کچھ لکھا ہُوا تھا جس کی طرز تحریر چینی خط سے بہت ہی مشابہ تھی۔ عذرا نے کسی قدر غور کے بعد اس کتبے کو پڑھا اور

یوں ترجمہ کیا:-

"شہر کور کی آبادی کے چار ہزار دو سو اُنسٹھ سال کے بعد یہ کھو (یا مدفن) شاہِ تِسنو والی کور کے حکم سے کھودی گئی۔ شہر کور کے عام باشندوں نے تین پشتوں تک برابر کام کیا ہے۔ تب کہیں یہ کھو ختم ہوئی ہے۔ یہ کھو اس غرض سے بنائی گئی ہے۔ کہ شہر کور کے موجودہ اور آئندہ عمایدکا آرامگاہ رہے۔ محنت کرنے والوں کے اُوپر آسمان کی رحمتیں نازل ہوں اور شاہ تسنو کے لئے اس کے باغات سے زیادہ یہ جگہ بعد از موت آرامگاہ بن جائے۔ یہاں تک کہ یہ بادشاہ پھر جاگے اور اس کے ساتھ ہی اس کے تمام عمایدورعایا اس سے پہلے اور اس کے بعد کی جاگیں اور ایک اور آرام کی جگہ پالیں۔ شاہ تِسنو کی تصویر اُوپر بنی ہوئی ہے تاکہ یادگار رہے"+

عذرا "میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے۔ کچھ سمجھا بھی۔ شہر کور کی آبادی کے چار ہزار برس کے بعد یہ کھوئیں بنائی گئی ہیں۔ اس شہر کے کھنڈرات ادھر میدان میں اپنے بانیوں کی تلاش میں اب تک خراب وخستہ نظر آتے ہیں۔ اب سے دو ہزار برس پہلے جو میں نے ان کھوؤں کو دیکھا تھا تو اسی حالت میں پایا تھا۔ اب اس سے اس شہر اور ان کھوؤں کی قدامت کا اندازہ لگائے۔ اچھا۔ اب میرے ساتھ آ۔ میں تجھے یہ بھی دکھلا دُوں کہ اتنی بڑی اولوالعزم قوم کس طرح تباہ ہوگئی"+

عذرا مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک دروازے سے اس کھو کے نیچے اُتر گئی۔ یہ کمرہ بھی اگرچہ بڑا تھا۔ مگر نہ اس قدر۔ اس کے وسط میں ایک پیل پایہ دودکش کی قطع کا بیچ میں سے خالی کیا ہوا کھڑا تھا اور اس پر اسی خط میں سُرخی مائل روشنائی کی ایک تحریر تھی۔ عذرا نے چراغ منگوا کر پہلے کتبہ پڑھا اور پھر اس کا لفظی ترجمہ مجھے سنایا:۔

"میں جونیس شہر کور کے بڑے مندر کا خادم اس کھو (یا مدفن) میں یادداشت کے طور پر یہ لکھتا ہوں۔ شاید کوئی شخص کسی زمانے میں اس کو آکر پڑھ لے۔ شہر کور کو آباد ہوئے آج چار ہزار آٹھ سو تین برس سات مہینے ہوئے ہیں کہ اس کا آخری وقت آپہنچا۔ کور تباہ ہوگیا۔ اب اس کے محلات میں دعوتیں نہ ہونگی۔ اب یہ کسی کا دارالسلطنت

لہ ان فقروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ بھی حشر و نشر۔ جزا و سزا کے معتقد تھے + (حنیف)

نہ رہیگا۔ اب اس کے جہازوں کے بیڑے دُنیا میں تجارت کے واسطے نہ جائینگے۔ کور تباہ ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی تمام بڑی بڑی صنّاعیاں ختم ہو گئیں۔ بندرگاہیں جتنی اُس نے بنائیں اور نہریں جتنی اس نے کاٹیں اب گیدڑوں۔ لومڑیوں۔ بھیڑیوں اور شیروں کے کام آئینگی۔ اس کے شاہی محلّات میں اب اُلّو بسینگے۔ کور تباہ ہو گیا۔ اس میں اب وحشی لوگ رہینگے۔ پچیس چاند ہوئے کہ کور اور اس کے ایک سو دو اور شہروں پر ایک بادل چھایا رہا اور پھر وبائی ہوا چلی جس سے تمام آدمی مر گئے۔ بڈھا جوان بچہ۔ عورت۔ مرد کوئی نہ بچا۔ یکے بعد دیگرے سب مر گئے۔ امیر۔ غریب۔ بادشاہ۔ فقیر۔ غلام۔ آقا کوئی نہ رہا۔ وبا برابر تباہ کرتی گئی۔ رات دن کسی وقت چین نہ دیا۔ جو لوگ یہاں سے ڈر کے مارے بھاگے وہ بھوکوں مر گئے۔ کور تباہ ہو گیا۔ اب اس کے مُردوں کو حنوط کرکے کون رکھیگا۔ آج کل تو اتنے آدمی مر رہے ہیں کہ کسی کو فرصت ہی نہیں ملتی۔ لاچار اس روشندان کی راہ سے نچلے کمرے میں تمام لاشیں پھینک دی گئیں۔ مابقے آدمی اس روشن کنندہ جہاں شہر سے سمندر کی طرف گئے اور جہاز میں بیٹھ کر شمال کی طرف کہیں چلے گئے۔ میں راقم الحروف جو نبیس اس وقت اتنے بڑے شہر میں سے یک و تنہا باقی ہوں۔ شاید کوئی اور بھی ہو تو مجھے خبر نہیں۔ میں سخت پریشانی میں یہ لکھ رہا ہوں تاکہ مرنے سے پہلے کچھ یادگار چھوڑ جاؤں۔ کور کا خاتمہ ہو گیا۔ مندر تو آبادی کی حالت میں بھی خالی ہی رہتا تھا۔ خدا کو کوئی یاد نہیں کرتا تھا۔ عورتوں کی طرف لوگوں کا زیادہ رُجحان تھا۔ کور کا خاتمہ ناشکری کی وجہ سے ہوا۔ کور کے شاہی محلّات خالی پڑے ہیں۔ اُس کے شہزادے۔ امرا۔ سپہ سالار۔ سوداگر سب چل بسے۔ اور وہ حسین عورتیں بھی جن کی وجہ سے شہر کور تباہ ہو گیا“ +

یہ عبرت خیز کتبہ سُن کر قلب کی بہت ہی بُری کیفیت ہوئی۔ ذرا خیال کیجئے کہ ایک شخص جو اپنے عزیز رشتے دار۔ دوست آشنا۔ ہم وطن کو مرتا دیکھ چکا ہے۔ ایک اندھیری کھوہ میں اکیلا بیٹھا ہے۔ ایک چراغ سامنے جل رہا ہے۔ ڈرتا ہے کہ لکھتے لکھتے کہیں آپ ہی نہ چل بسے۔ بہت ہی جلدی جلدی مختصر الفاظ میں یہ دردناک آپ بیتی کہانی لکھ رہا ہے۔ کور کے مرثیہ میں مختصراً یہ بھی کہہ گیا ہے کہ اس کی تباہی محض الحاد۔ ناشکری

اور زنا کی وجہ سے ہوئی۔ اللہ اکبر! کیا عبرت ناک واقعہ ہے۔ بڑے سے بڑا فصیح و بلیغ واعظ مہینوں میں بھی قلب پر وہ اثر نہیں ڈال سکتا جو دم بھر میں اس کتبے سے پڑتا ہے +

عذرا: "حنیف! میرے نزدیک تو جو لوگ یہاں سے شمال کی طرف گئے ہیں۔ وہی مصریوں کے آباد اجداد تھے۔ کیوں"؟

میں اپنے خیالات میں ایسا منہمک تھا کہ میں نے سوال اچھی طرح نہ سنا اور کچھ جواب نہ دیا۔ آخر عذرا نے شانہ ہلا کر کہا "کیوں"؟

میں: "ہوں۔ واقعی دنیا بہت ہی پرانی ہے"۔

عذرا (ہنس کر) "سچ! یہ تو بالکل نئی بات بتلائی۔ مگر سچی بات یہی ہے کہ دنیا بہت ہی پرانی ہے۔ کیسی کیسی عاقل اور مرفہ الحال قومیں اس میں آئیں اور پانی کی طرح بہہ گئیں۔ دنیا میں باوجودیکہ انہوں نے اپنی یادگاریں چھوڑیں۔ مگر دنیا ہی ان کو بھول گئی۔ یہ قوم بھی منجملہ ان کے ایک تھی۔ زمانہ تمام چیزوں کو ہضم کر جاتا ہے۔ مگر یہ کھنڈر بشرطیکہ کور جیسے کھنڈر ہوں۔ مگر پھر بھی زمانے کی قوت ہاضمہ بہت بڑی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی قسمت سے کوئی سمندر اپنا رخ ادھر کرے یا کوئی زلزلہ ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ کون جانتا ہے۔ کہ اس زمین پر کیا کیا ہوا ہے اور کیا کیا ابھی اور ہوگا اور پھر لطف یہ ہے کہ بقول سلیمان (علیہ السلام) کے سورج کے نیچے کوئی چیز نئی نہیں ہے۔ میرے نزدیک بقول جو نہیں کے یہاں کے تمام آدمی تباہ نہیں ہوئے۔ کور کے مقبوضات میں ایک سو دو اور بڑے بڑے شہر بھی تھے۔ وہاں کچھ لوگ رہ گئے تھے۔ جنوب کے حبشی یا شاید میرے ملک کے عرب یہاں پہنچے اور یہاں کی عورتوں کو اپنے تصرف میں لائے ان کی نسل یہ بنو الحجر ہیں۔ ان میں باشندگان کور کے خون کا حصہ زیادہ ہے اور غریب اپنے باپ دادا کی ہڈیوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے تحقیق معلوم نہیں قیاس ہی قیاس ہے۔ میرا علم بھی اس قدر قدیم زمانے کے دل پر کارگر نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ بڑے ہی اولو العزم تھے۔ ان کی تلوار نے یہاں تک کام کیا کہ اور کوئی نظر نہ آیا اور پھر باطمینان اس پہاڑ کو اپنا قلعہ بنا کر بیٹھ رہے۔ ان

ہی میں سے ان کے صنّاع پیدا ہوئے اور یہ کھوئیں کھودیں۔ یہاں تک کہ ان کے معشوقوں نے اُن کا خاتمہ کر دیا۔ چل تجھے اب وہ گڑھا دکھلاؤں جس میں بقول جوئیس کے تمام لاشیں اٹھا کر ڈال دی گئی تھیں۔ ایسی جگہ بھی تیری نظر سے نہ گزرے گی"

اٹھارہ سیڑھیاں اُتر کر نیچے ایک اور کمرہ اوپر والے کے برابر تھا۔ اس میں ایک روشندان پہاڑ کھود کر بنایا گیا تھا۔ خدا جانے اس کا منتہا کہاں ہوگا۔ بہر حال یہاں کافی روشنی تھی۔ زینہ سے دو چار قدم آگے بڑھ کر ایک بڑا غار تھا۔ اس کے اُوپر وہ دودکش تھا جو ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ یہ غار مردوں کی ہڈیوں سے پٹا پڑا تھا۔ بلکہ ہمارے قد سے بھی اُونچا دودکش کے قریب تک ایک تودہ لگا ہوا تھا اور کچھ ہڈیاں ادھر اُدھر آگے کا راستہ روکے ہوئے تھیں۔ اس سے بڑھ کر خوفناک اور درد انگیز جگہ شاید دنیا میں دوسری نہ ہوگی۔ جہاں ایسی بڑی اولوالعزم قوم کے آخری جلے ہوئے پھول اس بے قدری کے ہاتھ پھینک دئے گئے ہیں۔ اکثر لاشیں خدا جانے کس وجہ سے اب تک جوں کی توں ادھر اُدھر پڑی ہوئی اپنی حالت سے دیکھنے والوں کو عبرت کا سبق دے رہی ہیں اور دنیا والوں کی غفلت پر بے قرارانہ پڑی لوٹ رہی ہیں۔ یہ بیان کرنے میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے کہ یہ تماشا دیکھ کر میں نے زور سے چیخ ماری اور آنسو جاری ہو گئے۔ میری چیخ اور ردّ صدا کے صدمے سے یہاں کی ہوا میں ایک غیر معمولی تموّج پیدا ہوا اور ایک کھوپڑی جو خدا جانے کتنے ہزار برس سے ادھر رکھی ہوئی تھی۔ ہڈیوں کے ایک ڈھیر کو اپنے ساتھ لئے ہوئے ہمارے قدموں میں آرہی۔ اللہ! اللہ! آج ہزاروں برس بعد خدا جانے کیسے بڑے بڑے آدمی کس بیکسی اور بے بسی کے ساتھ ہمارے قدم چوم رہے ہیں۔ خدا جانے نہ جھکنے والی گردنیں تھیں یا ٹوکریاں ڈھونے والے سر۔ شہزادے وارث تاج و تخت تھے یا فاقہ کشانِ بدبخت۔ مہوشان گلعذار تھے یا عاشقان دلفگار۔ خود فروش بازار نشین عورتیں تھیں۔ یا زاہدانِ عزلت نشین۔ آقا تھے یا غلام۔ بڑے تھے یا چھوٹے۔ بچے تھے یا بوڑھے۔ نہ معلوم اپنی کس کس حالت کو یاد کر کے ہمارے قدموں میں آگرے ہیں۔ بھئی مجھ سے نہ ٹھیرا گیا۔ میں نے عذرا سے کہا کہ بس چلو میں

بہت کچھ دیکھ چکا - یہ وہی لوگ ہیں جن کو وبا کی وجہ سے گور و کفن میسّر نہیں ہُوا - ہائے عبرت کا مقام ہے ان کی ہڈی کی ایک ایک کرچ سوچنے والے کے لئے کتاب عبرت کی ایک ضخیم جلد کا کام دیتی ہے ❖

میں "بس عذرا بس - میں بہت کچھ دیکھ چکا - یہ ان حسرت نصیب لوگوں کی ہڈیاں ہیں جو وبا میں مرے تھے"❖

عذرا "ہاں - کور کے باشندے اپنے مردوں میں مصالحہ بھر کر مصریوں کی طرح ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے تھے - لیکن یہ اپنے فن میں مصریوں سے کہیں بڑھے چڑھے تھے - مصری تو دماغ اور پیٹ کی آلایش صاف کر کے مصالحہ بھرتے ہیں اور یہ لوگ شرائیں کے ذریعے سے دوائیں پہنچاتے تھے جو باریک باریک رگوں میں دوڑ کر ہر ایک چیز کو اپنی اصلی ہیئت پر باقی رکھتی تھیں - آ تجھے اور کچھ دکھلاؤں"

عذرا مجھے لئے ہُوئے ایک اور چھوٹے سے کمرے میں پہنچیں - اس میں دونوں طرف دو چوکیاں تھیں اور دونوں پر دو لاشیں ایک زرد حریری چادر اوڑھے ہُوئے اپنی نیند پوری کر رہی تھیں - چادروں پر بہت ہی باریک گرد پڑی ہوئی تھی - مگر نہ اس قدر کہ چادر کے رنگ کو چھپا دے - کیونکہ ان کھووں میں نہ باہر کی گرد آ سکتی تھی اور نہ یہاں کوئی ایسی چیز تھی جس کی گرد بن جائے - چوکیوں کے نیچے - بہت ہی خوشنما برتن بھی حسب معمول رکھے ہوئے تھے ❖

عذرا "حنیف! ان پر سے کپڑا اُٹھا کر دیکھ"-

میں نے چادر اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا - لیکن ہمت نہ پڑی اور ہاتھ کھینچ لیا - عذرا نے ہنس کر چادر اُٹھائی - نیچے ایک اور چادر تھی - اس کو ہٹا کر شاید ہزارہا برس کے بعد زندوں کی آنکھوں نے ان مردوں کو دیکھا - یہ لاش ایک نہایت حسین عورت کی تھی - اس کی عمر اندازاً تیس بتیس برس کی ہی ہو گی - اتنے ہزار برس گزر جانے کے بعد بھی اس کے حسن کی دلکشی میں کسی طرح کا تغیر پیدا نہیں ہُوا تھا - میں تھوڑی دیر

لہ بنو الحجر کے استعمال میں جتنے کپڑے تھے وہ سب ان بیکسوں کے کفن ہی تھے - میرے نزدیک اگر ان کو اچھی طرح دھلا کر استری کرائی جاتی تو نہایت نفیس سفید ململ نکل آتی ❖ (حنیف)

کے لئے محو ہو گیا۔ وہ ذرا کروٹ سے لیٹی ہوئی تھی۔ لمبی لمبی زلفیں گو ے گالوں کو چوم رہی تھیں۔ سینے سے لگا ہوا۔ ہاتھ پر سر رکھے ہُوئے ایک چھوٹا سا بہت ہی خوبصورت بچہ دودھ پی رہا تھا۔ عجیب درد انگیز تصویر تھی۔ آنسو کسی طرح نہ تھم سکے اور عالم خیال نے مجھے ہرے بھرے شہر کور کے ایک محل میں پہنچا دیا۔ جہاں اس توبہ شکن نے پرورش پائی ہوگی اور اس بچے کی پیدائش کے وقت ایسی آنکھیں بند کی ہونگی کہ پھر نہ کھل سکیں اور آخر دونوں ماں بیٹے کس حسرت کے ساتھ یہاں لٹا دئے گئے ہونگے۔ وہ گھر جو ابھی عشرتکدہ تھا ماتم کدہ بن گیا ہوگا۔ مبارکبادیاں تعزیت سے مبدّل ہوگئی ہونگی۔ اُمیدوں پر خاک پڑ گئی ہوگی اور تمام خوشیاں سامان غم ہوگئی ہونگی۔ ہمارے خیالات کسی طرح اُس حالت کا نقشہ ہمارے سامنے پیش نہیں کر سکتے۔ ہاں دل میں جو صرف ان لاشوں ہی کو دیکھکر الف ہوتا ہے وہ وہ صورت ہے کہ اگر اس حُسن کی دیبی کی سوانح عمریاں لکھی جاتیں تو حاصل نہ ہوتی۔ میں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرتے ہُوئے نہایت ادب کے ساتھ پھر اُسے چادر اوڑھا دی +

اللہ اللہ! اس دنیا میں کیسے کیسے پھُول مرجھا جانے کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں!

دوسری لاش دیکھی۔ یہ ایک ادھیڑ مرد کی تھی۔ وہی چادر تانے ہُوئے یہ بھی اطمینان سے پڑے سو رہے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص اُس عورت کا شوہر تھا۔ برسوں کے انتظار کی مصیبت اُٹھا کر آخر یہ بھی ایک مرتبہ پھر اسی کمرے میں لاکر لٹا دیا گیا۔ جہاں اس کی دلآرام میٹھی نیند سو رہی تھی +

کہاں تک مفصّل بیان کروں اور کمروں میں بھی یہی صورتیں نظر آئیں۔ اگرچہ ان کھوؤں کے کھدنے اور کور کے تباہ ہونے میں کم و بیش پانسو برس کا ہی عرصہ گزرا تھا۔ لیکن اتنا قلیل عرصہ بھی ان کھوؤں کی آبادی کے لئے کافی ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس روز سے یہ لوگ یہاں لاکر رکھے گئے ہیں۔ آج تک کسی شخص نے ان کو چھیڑنا تو ایک طرف دیکھا تک نہیں۔ میں اگر ہر ایک لاش کی کیفیت لکھنے بیٹھوں تو نہ معلوم کتنی جلدوں میں نہایت مجمل اور ناکافی طور پر لکھ سکوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گور غریباں کس چیز کا نام رکھا جاتا ہے۔ یہ کھوئیں

جو سلاطین و امرا کے لئے بنائی گئی تھیں۔ آج کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں مصیبت کے مارے غربا سو رہے ہیں یا نازوں کے پالے اُمرا۔ میرے نزدیک موجودہ حالت میں گورِ غریباں اور اُن امرا کے مقبروں میں اگر کسی قسم کا فرق ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ یہ لوگ بڑے بوجھوں میں گرانبار پڑے ہیں اور وہ مرنے پر بھی آنچہ گیر ید مختصر گیر ید کے اصول پر قائم ہیں۔ پھر اگر کہیں بقول عذرا کے سمندر نے اُدھر رُخ پلٹا یا زلزلہ آیا تو یہ اور وہ دونوں برابر ہیں۔ مجھے ایسے موقعوں پر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا وہ قول بہت ہی یاد آیا کرتا ہے کہ تا پدر تو زیر سنگہائے گراں بجنبد پدر من بہ بہشت رسیدہ باشد۔

تمام لاشیں بالکل ایسی رکھی تھیں کہ گویا ابھی کوئی رکھ کر گیا ہے۔ ایسے پیر پھیلائے اطمینان سے سو رہے ہیں کہ بس اب آوازِ صور ہی جگائے تو جاگینگے۔ گرمی۔ سردی بھی ان پر کچھ اثر نہیں کرتی۔ اِنسانی عقل نے اپنی طرف سے تو ان کو ایک نئی زندگی بخش دی ہے۔ مگر دیکھئے کب تک کے لئے۔ بعض بعض میں البتہ کچھ فرق آ گیا تھا۔ لیکن گوشت و پوست ان کی بھی اصلی صورت پر باقی تھی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ہاتھ لگانے سے مٹی کی طرح جھڑ جاتا تھا۔ عذرا کی رائے تھی کہ یا تو ان پر کسی وجہ سے دوا نے اپنا پُوری طرح اثر نہیں کیا یا پہنچنے میں دیر ہوئی کہ رگوں کے منہ سوکھ جانے کی وجہ سے اچھی طرح سرایت نہ کر سکی +

سب سے آخر میں جس لاش کو میں نے دیکھا ہے۔ اس کا ذکر کئے بغیر مجھ سے نہ رہا جائیگا۔ حُسن و عشق کے سینکڑوں قصّے لکھے گئے اور لکھے جائینگے۔ لیکن یہ زندہ تصویر نہ کسی نے دیکھی نہ سُنی۔ اُس کو دیکھئے اور اپنی اپنی رائے قائم کیجئے۔ ایک

ملہ عذرا نے مجھے یہ بوٹی دکھلائی بھی تھی۔ اس کے درخت اس جنگل میں بے شمار خودرو کھڑے ہیں۔ بڑے سے بڑا اچھا ڑبیری کے برابر ہوتا ہے۔ پتے لمبوترے کسی قدر سخت ہوتے ہیں۔ رنگ ان کا بہت شوخ سبز ہوتا ہے۔ خزاں میں بالکل سُرخ ہو جاتا ہے۔ سبز پتوں میں بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے لیکن اُبالنے سے ایسی تیز خوشبو نکلتی ہے کہ گوارا نہیں ہو سکتی۔ چونکہ اس کی جڑیں بہت کارآمد تھیں۔ اس لئے ایک لاش کے لئے بہت سے درختوں کا خون کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تجارت بھی ہوتی تھی اور سلطنت کور کی بڑی آمدنی کا ذریعہ یہی درخت تھے۔ (حنیف) +

کمرے میں معمول کے موافق ایک چوکی رکھی تھی۔ مگر زیادہ چوڑی چادر کے نیچے دو لاشیں تھیں۔ ایک تو ایک پری جمال ماہوش کی اور دوسری ایک مرد سبزہ آغاز نوجوان دلکش کی۔ دونوں لب بہ لب اور سینہ بسینہ خدا جانے کب سے ترسے ہوئے باطمینان قائم سو رہے تھے۔

میں ان کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہونگا۔ ناظرین ذرا اپنے دل کو سنبھالیں اور جس طرح میں نے ان دونوں پر آہوں کے گلدستے نثار کئے ہیں اور آنسوؤں کے پھول برسائے ہیں۔ اگر آپ کے سینے میں دل ہے تو آپ بھی ایسا ہی کئے بغیر نہ رہینگے۔

مرد کی پشت میں ایک زخم تھا جو عورت کے سینے سے ہوتا ہوا نکل گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرمان نصیب خدا جانے کتنی انتظار کی مصیبت اٹھا کر وصل کے مزے لوٹ رہے ہونگے کہ عشاق کے دشمن آسمان سے نہ دیکھا گیا اور کسی ظالم نے اسی حالت میں دونوں کا کام تمام کر دیا۔ نادان اتنا نہ سمجھا کہ اس کے اس فعل سے ان کو قیامت تک لطف وصل کا موقعہ ملتا ہے۔ چوکی پر تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔ جن کے معنی بقول عذرا کے "وصل و وصال" ہوتے ہیں۔

اب کی سوانح عمریاں کون ڈھونڈھنے جائے۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ دونوں چندے آفتاب و چندے ماہتاب کے مصداق تھے۔ جذبۂ دل دونوں کو خدا نے اس بلا کا دیا تھا کہ بعد از موت بھی ایک دوسرے سے نہ جدا ہوئے ہیں نہ ہونگے۔

ہائے! مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور تصور نے مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ گذشتہ ہزارہا برس کا تماشا میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ ایک پری زاد عصمت مآب ایک دلربایانہ انداز سے سونے میں سنہری میرے سامنے کھڑی ہے۔ عطر کی لپٹیں اس کے کپڑوں سے نکل نکل کر میرے دماغ کو معطر کر رہی ہیں۔ ایک عالیشان محل سجا ہوا ہے۔ مرد عورت ایک خاص طرز کے ساتھ دوڑتے پھرتے ہیں۔ اب دیکھتا ہوں کہ وہی پری جمال دلھن بنی بیٹھی ہے۔ دولھا سرخ لباس پہنے ہوئے اندر آیا ہے اور کچھ جھجکتا شرماتا دلھن کے پاس آ بیٹھا۔

دُلھن کو بدن چراتا دیکھ کر تخلیہ ہو گیا ہے۔ دُولھا نے بڑھ کر اپنے ہاتھ دُلھن کے گلے میں ڈالے ہیں اور آہستہ سے گلاب کی پنکھڑیوں کو چوم لیا ہے۔ دفعتہً ایک اور کالا سا آدمی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے گھبرایا ہؤا سا آتا ہے اور یکایک دُولھا پر حملہ کرتا ہے۔ میں گھبراہٹ میں یہ اچھی طرح دیکھ نہ سکا کہ ظالم نے ایک ہی زخم سے دونوں کا کام تمام کر دیا۔ یا دُلھن نے دُولھا کو مرتا دیکھ کر اس ظالم سے تلوار چھین اپنے بھی مار لی۔ ادھر رہی۔ ہر طرف سے شور و غل ہؤا اور دم کی دم میں تمام خوشیاں خاک میں مل گئیں ؂

حضرات! یہ موقع مجذوب کی بَڑ لگانے کا نہ تھا۔ مگر کیا کروں ؟ دل قابو میں نہیں عذرا نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پھر دونوں کو چادر اوڑھا دی اور ہٹ کھڑی ہوئی مجھے بھی کچھ ہوش آیا اور آنکھیں کھول دیں۔ مگر اب بھی دل پر پورا اختیار نہ تھا؂

عذرا: انسان کا انجام دیکھا؟ ہمیں بھی آخر یہیں آنا ہے۔ ہمارے کس بل بھی آخر یہیں نکلینگے۔ دنیا ہمیں بھی آخر یوں ہی بھول جائیگی۔ یہی تنہائی ہوگی اور یہی وحشت ہیں دو ہزار نہیں پچاس ہزار برس بھی اگر زندہ رہیں تو انجام یہی ہوگا۔ اس کیفیت خاص میں مَیں اور تو اور یہ سب برابر ہیں۔ پھر اس جینے کا نتیجہ۔ آج تو اور دو دن بعد تو وہیں پہنچونگی۔ جہاں پہنچنا چاہیئے۔ میرا علم اور تجربہ بھی کوئی ایسی تدبیر نہیں بتا سکتا کہ موت سے محفوظ رہ سکوں۔ زمانے کے نزدیک پچاس برس اور پچاس ہزار برس برابر ہیں اور دونوں کی ہستی فضول۔ آخر نیستی سے کام پڑنے والا ہے۔ چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج مجھ پر روشنی ہے۔ کل تجھ پر۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اندھیرے سے بچ جائیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ آج جس چیز پر روشنی پڑی ہے کل بھی ضرور پڑیگی۔ یہ ممکن نہیں کہ کل صبح نہ ہو اور ہم نہ جاگیں۔ دنیا کیا چیز ہے؟ ہنگامۂ جا و بیجا اور کارگاہ ہستی فنا کا نام دنیا رکھ دیا گیا ہے۔ یہاں رات دن عدم و وجود میں لڑائی رہتی ہے۔ ذرا غور کرکے دیکھ کہ موت سے زیادہ ہستی کا کام جاری ہے۔ دنیا وہ جگہ ہے جہاں موت کو بھی زندگی سے لاچاری ہے۔ مرنے پر بھی زندگی سے مفر نہیں۔ پیدائش کی وہ دھوم ہے کہ کسی کو موت کا خیال بھی نہیں آتا

ایک جاتا ہے۔ نو دو آ جاتے ہیں۔ تُو نے دیکھا ہو گا کہ زمین میں چھپتا تو ہے ایک دانہ
مگر اُسی سے سڑ کر ہزار دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک جسم بگڑتا ہے تو لاکھوں کیڑے
پیدا ہو جاتے ہیں۔ حنیف! کہیں اس سے یہ نہ سمجھ جانا کہ میں دنیا کے بہت پُرانے
مسئلہ تناسخ کی قائل ہُوں۔ نہیں بلکہ میں تجھے یہ بتلانا چاہتی ہوں کہ موت میں
بھی خلقت کا بازار گرم ہے اور مرنے میں بھی پیدائشیں ہیں۔ اس صورت میں
کسی مردے کو دیکھ کر کوئی کیوں افسوس کرے؟"

میں اس وقت خدا جانے کہاں پہنچا ہُوا تھا۔ ہاں ہوں کہ کے چپ ہو رہا +

عذرا "تیرا جی بھر گیا یا کچھ اور عجائبات دکھلاؤں؟ اگر تو چاہے تو تجھے وہاں لے
چلوں جہاں شاہ ترسنو جیسا جلیل القدر بادشاہ۔ جس نے یہ کھوئیں کھدوائیں
نہایت بے کس اور بے بس بے یار و مددگار پڑا ہے" +

میں "نہیں عذرا میں بہت کچھ دیکھ چکا۔ خدا کے واسطے مجھے یہاں سے نکال لے
چلو۔ میں نے آج موت کو گویا اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے اور آخر فانی اِنسان
ہُوں اپنا بُرا انجام دیکھ کر ڈرتا ہوں۔ خدا کے واسطے چلو" ؎

عجب نیست از خاک اگر گل شگفت   کہ چندیں گل اندام در خاک خفت

باب ہفدہم

در مجلسے کہ عارض او بے نقاب شد
از بس گداخت آئینہ یک قطرہ آب شد

چند منٹ میں ہم اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں سے یاقوت نے چوپایہ بن کر
چلنا شروع کیا تھا۔ میں نے رخصت ہونا چاہا مگر پھر روک لیا گیا +

عذرا "حنیف! تیری باتوں سے میرا جی بہلتا ہے۔ ذرا خیال تو کر کہ دو ہزار
برس سے میں ان وحشیوں میں پڑی ہوں۔ کوئی اتنا نہیں کہ جس سے دو باتیں

کروں۔ میں اپنے خیالات اور پُرانی یادداشتوں سے جی بہلاتی ہوں۔ اگرچہ اس خوض و فکر نے میرے معلومات بڑھا دئے اور نئی نئی راہیں کھول دیں۔ لیکن پھر بھی میں تنہائی سے عاری آگئی ہوں اور انسان کی صورت کو ترس گئی ہوں۔ بعض گذشتہ باتوں کا یاد کرنا ہی تلخ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اُمید کے سہارے پر آدھی تلخ دوا بھی پی لینا ہے۔ بس یہی میری کیفیت ہے۔ اگرچہ تیرے اکثر خیالات مجھے خام معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ نرالے ہیں اور ایک فہمیدہ شخص کی زبان سے نکلتے ہیں۔ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ تیری باتوں سے ان یونانی فلسفیوں کی بُو آتی ہے جن سے اکثر میرے مباحثے رہے ہیں۔ بلکہ تیری طبعیت پر ان ہی ہٹ دھرم لوگوں کا رنگ غالب معلوم ہوتا ہے۔ لے اب تو ہیں میرے پلنگ پر بیٹھ جا۔ میں تیری خاطر سے پھر برقع اُتارے ڈالتی ہوں۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہو۔ میں کہ نہیں سکتی۔ لیکن تو خود مصیبت میں پڑا ہے۔ ابھی تو نے دیکھا کیا ہے۔ ان ہی ہٹ دھرم یونانی فلسفیوں کی طرح چیخ نہ اُٹھے تب ہی کہنا۔ افسوس ہے ان کے فلسفے پر کہ محض ایک عورت کے واسطے انہوں نے اپنا علم و عقل بالائے طاق "۔

عذرا کچھ کہتے کہتے رہ گئی اور کھڑی ہو کر برقع اُتار پھینکا اور مسکراتی ہوئی میری طرف دیکھنے لگی۔ مست آنکھیں میرے چہرے پر تھیں اور میری آنکھیں زمین پر۔ ویسے ہی تابش حسن چین نہیں لینے دیتی تھی۔ اس وقت تو اس صورت میں اور بھی قیامت کی دلکشی تھی +

عذرا ۔"حنیف! اگر میری مانے تو ایسی جگہ بیٹھ جہاں تجھے میری صورت نظر نہ پڑ سکے۔ میں پھر کہتی ہوں تو مجھے الزام نہ دینا۔ تو اپنے سر پر آپ بلا لایا ہے۔ اب تجھے تیرا دل عمر بھر چین نہ لینے دیگا۔ مدت العمر ترسیگا اور موت بھی تیرے حال پر رحم نہ کریگی۔ اچھا لے اب سچ سچ بتلا۔ میں حسین ہوں یا نہیں۔ جلدی نہ کر۔ سوچ کے جواب دے۔ میرے سراپا پر اچھی طرح غور کر کے اور کہیں تو نقص نکال۔ سچ بتا کہیں تو نے ایسا حسن دیکھا ہے "+

مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اٹھ کر اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ آخر وہ

عورت تھی اور بلا کی حسین اور حسن بھی برق اثر کہ دل و دین کو جلا ڈالے +

میں "عذرا! خدا کے واسطے نہ ستاؤ۔ یقین جانو کہ اگر اس وقت تم سجدہ بھی کراؤ تو مجھے عذر نہ ہو۔ بس"

عذرا (قہقہہ لگا کر) "بچہ خوش! اتنی جلدی تو میرے قدموں پر بھی گر گیا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ شاید بہت ہی دیر لگیگی۔ میں تو تجھے آزماتی تھی۔ مگر یہ نظارہ مجھے بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ آج دو ہزار سے کچھ اُونچا ہُوا ہو گا کہ میں نے کسی مرد کا سر اپنے قدموں پر نہ دیکھا تھا۔ آخر تو چاہتا کیا ہے؟ میں تو تجھ سے کہ چکی ہُوں کہ میں تیرے واسطے نہیں ہُوں۔ میرا آرام جان تو نہیں۔ کوئی اَور ہے۔ حنیف! باوجود اتنے علم اور اتنی عقل کے تو احمق بن گیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو مجھے دیکھا کرے۔ لیکن میرا ..... لینا بھی اپنی جان پر کھیلنا ہے (میری طرف جھک کر) لے! مجھے جی بھر کر دیکھ لے اور اگر کچھ اَور ہوس ہے تو لے ..... بھی سہی۔ کیونکہ ان کا نشان گالوں پر نہیں رہتا بلکہ دل پر۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ دل پر کسی اور کی مہر نہ ہو۔ یہ خوب سمجھ لے کہ میرا لینا اور تیری جان نکلنی برابر ہو گی" +

میں آپے میں تو تھا ہی نہیں اور مجھ ہی پر کیا منحصر ہے۔ کوئی آدمی جس کے سینے میں دل ہو۔ اس کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ عذرا جیسی حسین کے بال اس کے چہرے پر پڑے ہوں اور وہ آپے میں رہے۔ میں نے اسی عالم مدہوشی میں ہاتھ بڑھائے۔ میری اس حرکت سے عذرا کے چہرے پر ایک تغیّر آیا اور ترچھی نظر سے دیکھ کر ایک دھکا جو دیتی ہے تو میں فرش پر لڑھکتا نظر آیا +

عذرا "غنیمت جان کہ مجھے تیری حرکتوں پر غُصہ نہیں آتا۔ ورنہ تیری جان لے لینی میرے نزدیک کوئی بات نہیں۔ ان شتر غمزوں کو رہنے دے۔ میں ایسے دموں میں آنے والی نہیں ہوں اور خوب سمجھ لے کہ عورت جب اپنی والیوں پر آجاتی ہے تو اس کے دل میں رحم ڈالنا انسان کا کام نہیں ہے۔ میں کہ چکی ہوں اور پھر کہتی ہوں کہ میں تیرے واسطے نہیں ہوں۔ تجھ سے اگر ممکن ہو تو مجھے بھول جا اور اپنے جذبات کو کہیں ایسی جگہ دفن کر دے جہاں میری نظر نہ پہنچ سکے۔ حنیف

ابھی تُو میرے خصائل سے واقف نہیں۔ میرے تلوّن کو تُو نے نہیں دیکھا۔ میری طبیعت
لمحے لمحے پر بدلتی رہتی ہے تُو نے پانی میں تصویریں نہیں دیکھیں؟ بس میری بھی
وہی مثال سمجھ لے۔ میں سب کچھ ہوں اور کچھ نہیں۔ کبھی تو اس پانی میں تجھے دلربا
شکلیں نظر آئینگی۔ اور اکثر خونخوار صورتیں اور آخر پانی کا پانی رہ جائیگا۔ بہتر
یہ ہے کہ تو میری حالت کو دیکھ کر غرہ نہ ہو جایا کر۔ تُو بہت ہی خوش قسمت ہے کہ
تجھے اس وقت تک میرا غصّہ دیکھنے کی نوبت نہیں آئی اور میں حتّے الوسع تجھے
بچایا بھی چاہتی ہوں۔ اگر تُو نے مجھے زیادہ ستایا تو پھر نقاب ڈال لُونگی۔ تو میری
صورت کو بھی ترس جائیگا" +

میں بہت ہی خفیف ہو کر اُٹھ کھڑا ہوُا۔ شرم کے مارے گھڑوں پانی مجھ پر پڑ
رہا تھا۔ لاحول پڑھی۔ استغفار کی اور اپنی کمزور طبیعت پر بہت ہی ملامت کی اور
دل سے توبہ کی کہ آیندہ اپنے مقدور بھر کبھی ایسی بے صبری نہ دکھلاؤنگا +

عذرا۔ حنیف! اگر تو اپنی غلطی سے متنبہ ہو گیا ہو تو پھر میرے پاس آبیٹھ۔ میں اس
وقت تجھ سے دنیا کے مذاہب کا حال پوچھنا چاہتی ہوں۔ میرے بعد کون کون مذہب
آئے اور چلے گئے۔ ایرانیوں کے زرتشت کا کیا انجام ہوُا۔ یہودیوں کے مسیح نے کیا
سکھلایا۔ اس کے بعد کوئی اَور بھی مذہب ہوُا کہ نہیں۔ سچ جان کہ انسان جس چیز سے
عبارت ہے وہ رُوح ہے یا عقل۔ روح کبھی آرام نہیں پاسکتی تا وقتیکہ اس کو
ایک ہستی مطلق سے لگاؤ نہ ہو اور یہ لگاؤ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ کسی برحق کا
ہاتھ درمیان میں نہ ہو۔ میں موسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات کو بہت ہی پسند کرتی تھی۔ مگر
ان کی سختیوں سے ہمیشہ بھاگتی رہی۔ یہودیوں کے مقتداؤں اور ان کے من مانے
اعتقادات سے ہمیشہ نفرت ہی رہی۔ ورنہ مجھے تُو آج بھی یہودیہ ہی پاتا۔ آدمی اکثر
یہ سوچا کرتا ہے کہ یہ آسمان کیا چیز ہے؟ اس کے اُوپر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو رہا ہے
وہ ہمیشہ اس میدان میں خیالی گھوڑے دوڑایا کرتا ہے۔ اکثر تو خوف زدہ ہو کر رہ
جاتا ہے بعض موقعہ پر اُس کو ایک قسم کی تسلی بھی ہو جاتی ہے۔ بس یہیں سے اُس کو مذہب
کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہیں سے اس کے خیالات ایک خاص سمت کو رجوع

ہوتے ہیں۔ آگے بڑھنا ہے تو اس کو مختلف شاہراہیں نظر آتی ہیں اور مختلف لوگ دل خوش کن باتیں کہتے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنا سچا ہونا تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ اپنی بات نہ ماننے والے کو مغضوب بتلاتا ہے۔ اب اِنسان ہے کہ مخمصے میں پڑجاتا ہے۔ آخر جدھر زیادہ روشنی دیکھتا ہے جُھک جاتا ہے اتنا فکر کون کرے کہ آخر مچھلیاں بھی تو دریا کی تہ میں سے ستاروں کی روشنی دیکھتی ہیں۔ اقوام مدنی الطبع کی طرح میں مذاہب کا حال بھی دیکھتی ہوں کہ ایک آتا ہے تو دوسرا جاتا ہے۔ سوائے زمانے کے قیام کسی میں نہیں۔ کاش انسان یہ سمجھے کہ اپنے کئے بغیر اپنا کام نہیں ہوسکتا۔ یاس و اُمید جو کچھ پیدا ہوتی ہے اپنے ہی دل سے۔ اپنے ہی افعال سے۔ اپنی ہی حرکتوں سے۔ اگر یہ عقیدہ ہو تو وہ خود وہ افعال کرے جو دُنیا اور آخرے کی بھلائی کے ہوں اور جن سے رُوح کو تشفی ہو۔ آخر یہ بھلائی بُرائی کا علم دیکر اس کو کیوں ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ کاش اس کی عقل ٹھوکر کھا کر اُوندھے منہ نہ گرے۔ اور وہ تمام ماسوا باتوں سے خالی الذہن ہوکر ایک ہستی مطلق کی طرف رجوع ہو اور تصویروں اور بُتوں اور زندہ و مُردہ انسانوں کو اپنا معبود نہ بنا لیا کرے۔ اِنسان کو غافل بنانے میں یہی بڑی مصلحت ہے۔ اِسی غفلت نے اس کی بھی ضرورت پیدا کردی ہے کہ وقتاً فوقتاً ان ہی میں سے کوئی ہادی بناکر اُن پر متعین کردیا جاتا ہے۔ تاکہ جو لوگ غفلت میں پڑکر شاہراہ سے بچل گئے ہوں۔ اصلی ڈھرے پر لے آئے۔ اب باقی رہی اس ادعائی ہادی کے صدق کی تشخیص۔ میرے نزدیک اس کا مقیاس و معیار خود اس کی تعلیمات ہیں۔ اگر ان تعلیمات میں رُوح کو اپنی اصل کی طرف رجُوع کرنے کا زیادہ مادہ ہو اور اس ہادی کے پیرؤں کی رُوحیں اکثر اپنے اصل کی طرف رجُوع ہوتی ہوں۔ تو وہ ہادی ضرور صادق ہوگا۔ ممکن تھا کہ ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے کوئی آسمانی مخلوق ہدایت کے لئے بھیجی جاتی اور شاید انسان پر بھی ان ہی ہدایتوں کا زیادہ اثر ہوتا۔ مگر وہ آسمانی مخلوق اوّل تو کہنیات انسانی سے متکیف نہ ہوتا اور ثانیاً بُتوں کی تعداد اب سے لاکھ گنی زیادہ ہو جاتی۔ بہر حال جس طرح میں اپنے پیارے کی منتظر ہوں اسی طرح ایک آنے والے مذہب کی بھی منتظر ہوں۔ میرا اعتقاد ہے کہ وہ ضرور سچا ہوگا اور اسی سے میری رُوح

چین پائیگی۔ ہائے تن بدن میں تو آگ لگی ہے۔ کاش رُوح ہی چین سے ہو جائے۔ حنیف! یقین جان کہ میری حالت بہت ہی قابل رحم ہے"۔

عذرا کی یہ مختصر تقریر سُن کر میں دنگ رہ گیا۔ میں یہ تو پہلے ہی جان گیا تھا کہ یہ عورت کسی مذہب کی پابند نہیں ہے۔ کھوؤں کی سیر کرتے ہوئے کئی مرتبہ جی بھی چاہا کہ اُس سے کچھ مذہب کا تذکرہ چھیڑوں۔ مگر ڈر تھا کہ بے عقیدہ۔ بے دین۔ خدا جانے کیا کیا ہزلیات بک جائے۔ ملحدہ ہے۔ خدا جانے علم الارض اور علم الاجسام کے کیسے کیسے دلائل پیش کرے۔ دو ہزار برس کا تجربہ ہے۔ خدا جانے کیا کیا کفر بکھان ڈالے اور کہیں لاجواب ہو کر میں بھی اسی کا مقلد نہ بن جاؤں۔ غنیمت ہے کہ اس وقت یہ معلوم ہُوا کہ ملحدہ نہیں ہے اور گفتگو سے معلوم ہو چکا تھا کہ شرک کو بھی بُرا سمجھتی ہے اور تلاش میں ہے لہذا میں نے اس کی تقریر کے جواب دینے کی تو کوشش کی نہیں۔ مذاہب کا مختصر حال بیان کرنا شروع کیا۔

میں "مذاہب کی نہ پوچھئے۔ ہونے کو بقول آپ کے سینکڑوں پیدا ہوئے اور نابُود ہو گئے۔ لیکن میری عقل ناقص میں کسی مذہب کا نابود ہو جانا اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ زرتشت کا مذہب آپ نے سُنا اور دیکھا بھی ہو گا کہ ابتداءً کوئی نئی بات سوائے توحید کے نہ بتلاتا تھا۔ لیکن اس نے غلطی یہ کی کہ خداوند عالم کے اور تمام مظاہر کو چھوڑ کر ایک آگ کے درپے ہو گیا اور اس کی تعظیم خود کی اور کرائی۔ بس اس کا آنکھ بند کرنا تھا کہ دھڑتے سے آگ پجنے لگی۔ آتش خانے بنائے گئے اور بادشاہوں نے ایک حصّہ دُنیا میں گویا آگ لگا دی۔ اگر آپ کو حضرت موسےٰ (علیہ السلام) سے اس قدر خلوص عقیدت ہے تو اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام دُنیا پر سچا اور حقیقی مذہب لیکر تشریف لائے تھے اور سچ پوچھئے تو میرے نزدیک، تو حقیقی اور سچا مذہب کوئی ایسی چیز نہیں کہ آئے دن بدلتا رہے۔ جو تعلیم حضرت آدم نے اپنے صلبی بیٹوں کو کی اُسی کی تائید حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے سامنے کی۔ اسی کی تصدیق حضرت مسیحؑ نے یہودیوں سے کرانی چاہی۔ مگر وہ قوم جو اپنے نبی کی حیات میں ہی بچھڑے کو پوجنے لگ جائے۔ بھلا دوسرے نبی کی کیا قدر کریگی۔ حضرت مسیحؑ سخت تکالیف اٹھا کر آخر

اُٹھالئے گئے۔اب ان کے پس ماندگان کی سُنئے۔یہودیوں نے اگر عُزیر کو سنبھالا۔تو مسیحیوں نے خود حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنایا۔اس پر بھی بس نہیں ہوئی۔ایک خدا کے تین خدا بنا بیٹھے اور غضب یہ کیا کہ اپنے نبی کو اپنا کفارہ بنا کر اپنے نزدیک سُولی پر چڑھا دیا اور اعمال و افعال سے بری ہوگئے۔گویا بہشت ان کی جاگیر بن گئی۔غرض وہ زمین جس سے خدا جانے کتنے ہزار نبی اُٹھے اور وہیں سُلا دئے گئے۔تمام کفر و ضلال سے بھر گئی اور خدائے واحد کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہ رہا۔کہیں آگ پوجی جاتی تھی تو کہیں بُت کہیں عزیر خدا کے حقیقی بیٹے کہلاتے تھے تو کہیں مسیحؑ۔ایک طوفان بے تمیزی تھا کہ یکا یک غیرت الٰہی جوش میں آئی کہ اس نے حضرت ابراہیم کی دعا کا اثر ظاہر کیا اور بشارت سلیمان و موسےٰ و مسیح علیہم السلام کو آپ کے وطن مالوفہ یعنی عرب کی سرزمین سے ہی ایک نبی پیدا ——————"

عذرا (اُچھل کر) "ہیں! کیا یہ نبی بھی پیدا ہو چکے؟ میں ان ہی کی تو منتظر تھی۔توریت کا مجھ سے زیادہ عالم کون ہوگا۔ان بشارتوں کو مجھ سے پوچھ اور مجھ سے سُن۔مجھے اپنے وطن سے اگر کچھ تعلق تھا۔یا محبت تھی تو محض اس لئے کہ وہاں سے ایک نبی پیدا ہونے والا ہے۔ورنہ وطن میں جو اذیتیں میں نے اُٹھائی ہیں اور مصیبتیں جھیلیں ہیں۔ایسی تھوڑا ہی ہیں کہ میری زبان پر وطن کا نام بھی آجائے۔الحمدُ للہ کہ میں نے اپنا ایک مقصود تو پا لیا۔اور دیکھ حنیف! بلا اس کے کہ میں اس نبی کی تعلیمات سنوں میں اُس پر ایمان لاتی ہوں۔تُو گواہ رہنا۔اب بتلا کہ وہ نبی اب بھی زندہ ہیں"۔

مجھے عذرا سے یہ سُن کر بہت تعجب ہؤا۔اور نہایت خوشی ہوئی +

میں "عذرا! افسوس ہے کہ تم نے بہت ہی دیر میں خبر لی۔تیرہ سو سال ہو چکے کہ وہ آفتاب رحمت غروب ہو چکا" +

عذرا ایک آہ کرکے گر گئی۔دیکھا تو حالت غیر پائی۔اُٹھ کر منہ پر پانی چھڑکا۔پنکھا جھلا کچھ ہوش ہؤا تو لطف دیکھئے کہ آپ میرے سر ہوگئیں کہ تو نے بدخبر کیوں سنائی؟ مجھے تو اسی کا تعجب تھا کہ بیچاری کو حضور رحمۃ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت تھی کہ سُنتے ہی بیہوش ہوگئی۔پھر خیال ہؤا کہ انتظار کی محنت کا اچھا نتیجہ نہ پا کر

اس نے بدفالی سمجھی کہ قلب لوٹ گیا (اور شاید میرا خیال بالکل صحیح ہو) اس پر ہوئی مجھ پر لے دے - بہت ہی غصہ آیا - مگر قہر درویش برجان درویش ٭

عذرا "اور وہ لات و عزےٰ - یعوث و یعوق - نسر اور خدا جانے کیا کیا لغویات کہاں گئے"؟

میں "وقل جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا ط"

عذرا "آہا ہا! کیا بلاغت ہے؟ یہ کس کا کلام ہے"؟

میں (مسکرا کر) "یہ کلام خدا ہے - جو اس نبی پر (صلعم) وحی ہوا"

عذرا "کچھ اور یاد ہو تو کہیں سے سُنا" ٭

میں نے سورۂ قیامتہ سُنائی - عذرا سُنتی رہی اور روتی رہی - خاص کر آخری آیتوں پر جن میں نزع اور موت کا چربہ اُتارا گیا ہے بہت ہی رقت ہوئی ٭

عذرا "اس کو سُن کر میرے ملک کے شاعروں نے کیا کہا جن کو اپنے کلام پر بڑا ناز تھا - اور عورتوں کے حسن و عشق اور ہجر یار کی مصیبتوں کی کہانی کے سوا اور کچھ کہنا نہ آتا تھا"

میں "کیا کہہ سکتے تھے - سوائے اس کے کہ سحر یوثر اور سحر مستمر" ٭

عذرا "تعجب ہے کہ ان کور باطنوں کی زبان سے ایسا انصاف کا کلمہ نکل گیا!"

اس کے بعد عذرا نے مجھ سے اسلامی معتقدات رُوح اور جزا و سزا - بہشت و دوزخ کی نسبت سوالات کئے اور اس کے بعد بھی اکثر وہ مجھ سے فرشتگان ملاء اعلےٰ - حشر و نشر - شفاعت - طریق عبادت وغیرہ معتقدات کی بحثیں کرتی رہی - مگر چونکہ یہ بحثیں خارج از قصہ ہیں - لہذا میں بخیال طوالت چھوڑتا ہوں ٭

آج چونکہ باتوں ہی باتوں میں بہت دیر ہو گئی تھی - میں گھبرا کر اُٹھا کہ امین کو جا کر دیکھوں اور عذرا سے کہا کہ خدا کے لئے آج تو ان کو چل کر دیکھ لیجئے ٭

عذرا "اچھا تو چل! میں ابھی آتی ہوں - بخار اپنا دورہ پورا کر چکا ہوگا - اگر وہ جان بھی توڑ رہا ہوگا تو میں اُسے اچھا کر دونگی - تو گھبراتا کیوں ہے؟ اس سے بھی نہ ڈرنا کہ میں کوئی جادو کرونگی - میں پہلے ہی تجھ سے کہہ چکی ہوں کہ جادو کوئی چیز نہیں ہے - قدرت کاملہ نے ہر چیز میں ایک خاصیت پیدا کی ہے جس چیز کی خاصیت ہمارے علم

میں بالکل نئی ہوتی ہے۔ اس کا نام ہم جادو رکھ دیتے ہیں۔ اچھا جا۔ میں ابھی آتی ہوں"۔
میں نے امین کو جا کر بالکل نزع کی حالت میں پایا۔ ایوب اور اُستن اس کے سرہانے بیٹھے رو رہے تھے۔ میں بھی وہیں جا بیٹھا۔ اس کی ہچکیاں دیکھ کر نہ رہا گیا۔ میں بھی رونے لگا۔ بیچارے امین بالکل بیہوش تھے۔ تنفس بہت دشوار تھا۔ اور تمام جسم سرد پڑا تھا۔ چونکہ تھوڑی بہت طب میں نے بھی پڑھی تھی۔ ان کی حالت سے مجھے قطعی یقین ہو گیا کہ شاید بمشکل یہ پانچ منٹ کے مہمان ہوں۔ مجھے ایسی حالت میں اپنی غیر حاضری پر سخت افسوس ہؤا۔ خود کو بہت ہی ملامت کی۔ خدا کی شان ہے ہم بہت ہی جلد عورت کی آنکھیں دیکھ کر ان کے پھندوں میں پھنس جاتے ہیں مجھے دیکھئے کیا پری کا سایہ پڑا۔ کتنا دیوانہ ہو گیا کہ دو گھنٹے تک امین کا مطلق خیال تک نہیں آیا۔ جو میرے نزدیک بیٹے سے زیادہ عزیز تھا۔ یہ اس شخص کا حال ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ اس پر کسی کا حسن اثر نہیں کرتا +
اُستن تو رو رہی تھی۔ ایوب اگرچہ بہت ضبط کئے ہوئے تھا۔ لیکن آنسو اُس کے قبضے میں نہ تھے۔ مجھے بھی روتا دیکھ کر وہ کمرے کے باہر چلا گیا اور اس بُری طرح رویا کہ اس کے سننے سے پتھر بھی شق ہوتا تھا۔ اب کچھ امید تھی تو عذرا پر۔ اللہ اکبر! اس غفلت کو دیکھئے کہ ہم ایسے اہم موقعہ پر بھی خدا پر بھروسہ نہیں کرتے اور زید و بکر کے سہارے پر عاقبت خراب کرتے ہیں +
میں نے سوچا کہ لاؤ۔ جھپٹ کے عذرا کو بلا لاؤں۔ اُٹھا ہی تھا کہ اُدھر سے ایوب کو آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے آتے دیکھا۔ میں اور گھبرا گیا +

میں "ایوب کیا ہے"؟

ایوب (کانپتے ہوئے) جی وہ دیکھئے ایک مردہ میری طرف چلا آ رہا ہے۔
میں پہلے تو کچھ سمجھا نہیں۔ پھر خیال آیا کہ عجب نہیں عذرا اپنا برقع اوڑھے ہوئے چلی آ رہی ہونگی۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور عذرا نے خود آ کر اس عقدے کو

---

[1] عذرا علم کیمیا کی بڑی ماہر تھی اور اکثر وہ اپنا دل ان ہی چیزوں میں بہلایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک کھوکے کمرے میں اس کا دوائی خانہ بڑے ٹھاٹھ کا تھا۔ اس کا کمال ابھی ظاہر ہوتا ہے + (حنیف)

حل کر دیا۔ ایوّب ڈر کے مارے ایک کونے میں منہ دیکر کھڑا ہو گیا اور اُستنن اپنی ملکہ کو پہچان کر وہیں اوندھے مُنہ لیٹ گئی +

میں "عذرا! آپ بڑے ہی موقعہ پر آئیں۔ دیکھئے اب آپ کے بنائے بھی کچھ بنتا ہے یا نہیں"؟

عذرا "اگر رُوح بدن سے بالکل مفارقت کر چکی ہے تو قطعی مجبوری ہے۔ ورنہ دیکھ ابھی تو اچھا ہوا جاتا ہے۔ یہ شخص جو کھڑا ہے تمہارا نوکر ہے۔ تمہارے ملک میں اجنبیوں سے یُوں ہی پیش آیا کرتے ہیں کہ ہر شخص کونے میں کھڑا ہو جاتا ہے"؟

میں "نہیں۔ یہ آپ کے لباس سے ڈرا ہوا ہے۔ بالکل کفن معلوم ہوتا ہے۔ لیجئے آپ کو جو کچھ کرنا ہو جلدی کیجئے۔ باتوں کا وقت نہیں ہے" +

عذرا ایوّب پر بہت ہنسی +

عذرا "یہ عورت؟ اچھا یہ وہی ہے جس کا تُو نے ذکر کیا تھا۔ اچھا ان دونوں کو یہاں سے ہٹا دے۔ میں نہیں چاہتی کہ انفار میرے ہنر دن کو دیکھیں" +

میں نے دونوں کو تخلیہ کر دینے کے لئے کہا۔ ایوّب تو فوراً چلا گیا۔ مگر اُستنن اڑ بیٹھی +

اُستنن "ملکہ مجھے کیوں نکالتی ہیں۔ مرتے وقت بھی وہ شوہر کے پاس اس کی بیوی کا رہنا گوارا نہ کریگی۔ میرا تو حق ہے۔ نہیں میں نہیں جاتی"

عذرا "یہ عورت کیوں دیر کر رہی ہے"؟

میں "یہ نہیں ہٹنا چاہتی" +

عذرا نے اپنا منہ اُستنن کی طرف کر کے صرف ایک لفظ کہا۔ جس کا اتنا اثر ہوا کہ شاید میرے دن بھر کے سمجھانے سے نہ ہوتا +

عذرا (اُستنن سے) "جا" +

اُستنن بیچاری روتی ہوئی چوپایہ بن کر فوراً چلی گئی +

عذرا "حنیف! ان لوگوں کو دیکھا۔ کمبخت سخت وحشی ہیں۔ آج کی سزائیں سُنکر بھی اس عورت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جانا پڑا۔ اچھا اب مجھے مریض کو دکھا۔ کیسے سڈول ہاتھ پیر پائے ہیں"؟

میں نے چادر ہٹا کر امین کا منہ کھولا۔ عذرا پر دیکھتے ہی وہ حالت طاری ہوئی کہ گویا سانپ نے ڈس لیا۔ ایک مرتبہ ہی آہ کر کے بیٹھی اور وہیں چکر کھا کر گری۔ پھر اُٹھی اور دیوار میں ٹکر کھائی۔ میں نے دل میں کہا کہ کیا خوب ع مژدہ باد اے مرگ عیسےٰ آپ ہی بیمار ہے"۔

میں "کیوں عذرا؟ کیا مر گیا؟"

عذرا (گھبراتی ہوئی آواز میں) "او کُتّے! پہلے ہی کیوں نہ بتلا دیا تھا؟"

عذرا نے یہ کہہ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا میں نے جانا کہ کمبخت قتل کرنے کو بڑھی ہے۔ میں گھبرا کر ذرا فاصلہ سے ہو گیا اور بچاؤ کی تدبیریں سوچنے لگا۔

میں "کیا؟ عذرا کیا ہے"؟

عذرا "حنیف تجھے کیا خبر؟ تو کیا جانے۔ یہ میرے سامنے میرا کھویا ہوا قرطیس پڑا ہے۔ آخر قرطیس آ ملا۔ میں تو جانتی ہی تھی۔ میں تو کہتی ہی تھی۔ قرطیس! قرطیس! آخر آ گیا"۔

عذرا نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر رو پڑی۔ مجھے قطعی یقین ہو گیا کہ کمبخت دیوانی ہو گئی۔

میں "عذرا کیا مہمل بک رہی ہو۔ اگر کچھ ہو سکے تو کرو۔ ورنہ دم بھر میں اسی قرطیس کو بیٹھ کر روؤ گی۔ جلدی جلدی بہت نازک وقت ہے"۔

عذرا "ہاں میں تو بھول ہی گئی تھی۔ ہائے میں کمبخت پہلے کیوں نہ آ گئی تھی۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ دیکھنا میرا ہاتھ کانپتا ہے (ایک چھوٹا سا مرتبان مجھے دے کر) لے اس میں جو کچھ ہے۔ اس کے حلق میں ٹپکا دے۔ اگر مر نہ گیا ہو گا تو ابھی اچھا ہو جائیگا ارے جلدی کر ایک ہی دو ہچکیوں میں بس خاتمہ ہے"۔

میں نے امین کو دیکھا تو واقعی لمحہ دو لمحہ ہی کی دیر رہ گئی تھی۔ مرتبان کھولنے کی کوشش کی تو نہ کھلا۔ ڈاٹ کو دانت سے دبا کر کھینچا تو کہیں کھلا۔ لیکن میرے دانت میں رمق جیسی دوا لگ گئی۔ خوش ذائقہ میٹھی دوا تھی۔ لیکن مجھے فوراً ہی تو چکر آ گیا۔ غنیمت ہوا کہ جس قدر جلد اثر ہوا اتنا زائل بھی ہو گیا۔ ورنہ خدا جانے کیا ہوتا؟

عذرا نے امین کا سر تھاما اور میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے منہ کھول کر

دوا ڈال دی۔ دوا ڈالتے ہی منہ سے ایک بھاپ نکلی۔ جیسے آب نارسیدہ چونے پر پانی ڈالنے سے نکلتی ہے *

مجھے اس دوا کے اس بین اثر پر کوئی اطمینان نہ ہوا۔ مگر اتنا ضرور دیکھا کہ وہ آخری ہچکیاں فوراً بند ہوگئیں۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ خاتمہ ہو گیا۔ مگر نہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے چہرے پر سُرخی آنے لگی اور دل کی حرکت بھی جو نہایت ضعیف ہوگئی تھی۔ کسی قدر تیز ہوگئی۔ عذرا اب تک امین کا سر ہی پکڑے کھڑی تھیں۔ اس کا چہرہ بالکل زرد اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اب تک اُن کو بھی اطمینان نہ تھا۔ کوئی پانچ منٹ کے بعد میں نے دیکھا کہ عذرا کو کسی قدر اطمینان ہوا ہے۔ چہرے کا وہ توحش بھی جاتا رہا۔ مگر اب بھی ان کی صورت دیکھی نہ جاتی تھی *

میں "کیوں خیریت ہے"؟

عذرا نے مجھے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے سخت تردد ہوا۔ کھڑا ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے امین نے ایک لمبا سانس کھینچا اور چہرے پر اور سرخی دوڑی۔ دو چار سانس لیکر اس بیمار نے جس کو ہم ابھی دو لمحہ پیشتر حالت نزع میں سمجھ رہے تھے۔ خود کروٹ بدل لی *

عذرا "بس اب اطمینان ہے۔ شکر ہے کہ بچ گیا۔ میں تو سمجھی تھی کہ چلا۔ وقت اور حقیقت میں ایک دو لمحہ بھی اگر دیر ہوتی تو میرے کئے کچھ نہ ہوتا" *

عذرا منہ ڈھک کر رونے لگی *

عذرا "حنیف! میری کمزوری کو معاف کرنا۔ آخر میں ایک عورت ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تو نے جہنم کے حالات بیان کئے تھے۔ وہاں کے حالات سُنکر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ صورت اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ خدا جانتا ہے کہ میرے دو ہزار برس بالکل ایسی ہی گزرے ہیں کہ گویا میں دوزخ میں رہی ہوں۔ میرے گناہ میرے سامنے تھے۔ اور میں ان سب کی یا ان میں سے ایک کی سزا بھگت رہی تھی۔ آرام اور اطمینان کو مجھ سے دشمنی ہو گئی تھی۔ خدا کا شکر اُمید نے اتنی مدت میرا ساتھ دیا۔ مجھے اس کا اعتقاد رہا کہ ایک

نہ ایک دن ضرور آنے والا ہے کہ مجھے ان مصیبتوں سے نکالنے والا یہاں آئیگا اور مجھے بچالیگا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ آ گیا۔ ایسا قصّہ تُونے بھی نہ سُنا ہوگا نہ ایسا نظارہ تیری نظر سے کبھی گزرا ہوگا اور نہ گزریگا۔ خواہ میں تجھے دس ہزار برس تک اور زندہ رکھوں (اور اگر تو چاہے تو زندہ رہ سکیگا) شکر ہے کہ مجھے جہنم سے نکالنے والا آ پہنچا۔ بھلا میرا علم بھی کہیں غلط ہوا ہے۔ مگر ہاں اور دیکھ! میں کس قدر غافل رہی۔ وہ علم جس پر مجھے بڑا ناز ہے اتنا نہیں بتلا سکا کہ میرا پیارا۔ میرے دل کا مالک۔ میری ہی چھت کے نیچے موجود ہے۔ اس سے سمجھ لے کہ انسان کا علم اور اس کی توتیں کس کام میں آ سکتی ہیں۔ تاوقتیکہ فضل آلہی اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ غضب ہے کہ وہ شخص جس کا میں صدیوں سے انتظار کر رہی ہوں۔ گھنٹوں میرے ہی گھر میں بیمار پڑا ہے اور مجھے خبر تک نہ ہو اور جب میں دیکھنے آتی ہوں۔ تو ایسی حالت میں کہ ایک ہی دو سانس تو اُسے کہیں کا کہیں پہنچا دیتے اور میں کچھ نہ کر سکتی اور اگر وہ مرجاتا تو خدا جانے کتنی صدیاں اسی جہنم میں مجھے پھر رہنا پڑتا۔ سخت مایوسی کی حالت میں اُسے دوا دیتی ہوں اور وہ پانچ لمحے جو اُمید و بیم کی حالت میں گزرے ان دو ہزار برسوں سے زیادہ سخت تھے۔ ان پانچ لمحوں میں بھی اس ... علامت صحت نہ دیکھ کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ دو ہزار برس کے تمام مصائب ایک تیر کی صورت میں میرے دل سے اپنا زہر میرے تمام جسم میں پہنچا رہے ہیں۔ کیونکہ میں جانتی تھی کہ اگر اس دوا نے اس آخری حالت میں کوئی اثر نہ کیا تو بس پھر کوئی چیز اثر نہ کر سکیگی۔ مگر آخر کار اس نے سانس لیا اور مجھے اطمینان ہوا۔ حنیف ان سب باتوں پر غور کر اور اچھی طرح یقین کر کہ ایک زبردست ہاتھ انسان اور اس کی تدابیر کے درمیان میں ہوتا ہے۔ یہ کام اس زبردست ہاتھ کا ہی ہے کہ انسانی تدابیر کو سیدھا پڑتے دے یا پٹ کردے اور اسی چیز کو میرے وطن والے تقدیر کہتے تھے۔ اب میرا آقا کم از کم چار پہر خواب ناز میں رہیگا اور اس کے بعد اس کا بخار قطعی اُتر جائیگا +

غذرا آگے بڑھی اور امین کے سر پر ہاتھ رکھ کر متواتر اس کی پیشانی کے کئی بوسے لئے۔ غیر کے لئے یہ نظارہ بھی عجیب ہوتا۔ مگر مجھ سے تو رشک کے مارے نہ دیکھا گیا +

باب ہیژدہم

صف مژگان حسرت کش نخو نم تشنہ مے آید
تغافل یک طرف مے ترسم از جان بخشی نازش

عذرا:۔ "ہاں میں یہ تو بھول ہی گئی تھی۔ وہ عورت استین کہاں گئی۔ یہ قرطبیس کی نوکر ہے یا ——" (غصے میں آواز کانپ گئی)" +

ہلی۔ بنو الجبر کی رسوم کے موافق اس کی شادی ابین سے ہو چکی ہے" +

میں نے دیکھا کہ یہ سُنکر عذرا کو سخت طیش آگیا۔ اس نے دو ہزار برس زندہ رہ کر سب ہی کچھ سیکھا۔ مگر رقابت پر غالب آنا اب تک اسے نہ آیا +

عذرا:۔ "بس تو یہیں فیصلہ ہوتا ہے۔ اب وہ زندہ نہیں رہ سکتی اور ابھی ابھی اس کا خاتمہ ہونا چاہئے" +

ہلی:۔ "آخر کس جرم میں؟ بیش ازیں نیست کہ جس جرم کی آپ خود مجرم ہیں۔ اسی کی وہ ہے۔ اس کو ابین سے محبت ہے اور ابین کو بھی اس سے گونہ لگاؤ ہے۔ اب گناہ کونسا باقی رہ گیا"؟

عذرا:۔ "صحیح۔ مگر تو بڑا ہی احمق ہے مجھ سے گناہ کو پوچھتا ہے؟ یہ گناہ کیا کچھ کم ہے کہ وہ میرے اور قرطبیس کے درمیان میں ایک دیوار بنتی ہے۔ اگرچہ میں یہ جانتی ہوں کہ آخر کار میں ہی اس پر غالب آؤنگی۔ کیونکہ دنیا میں کوئی متنفس میری خواہشات اور میرے ارادوں پر غالب نہیں آسکتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مرد صرف اس وقت تک صادق الوعدہ سمجھے جاتے ہیں جب تک ان کا خیال ایک ہی طرف مائل رہے۔ لیکن جہاں ان کو بیرونی تحریک پہنچی ہے۔ بس وہیں طوطے کی طرح آنکھیں بدل کر دوسری ہی ہوا میں اُڑنے لگتے ہیں۔ مرد کے لئے بیرونی حُسن اور عورت کے لئے روپیہ ایک کام دیتا ہے۔ نفشن جان کہ عشقیوں کو بھی اگر حوروں سے زیادہ حسین عورتیں

نظر آئیں (خواہ وہ دوزخ کی ہی کیوں نہ ہوں) تو عورتوں کے لئے بہشت دوزخ سے بدتر بن جائیگی۔ بیچاریاں آتش رشک میں پڑی وہیں جلینگی اور کچھ نہ کر سکینگی۔ مرد وہ چیز ہیں کہ آوارۂ حسن ہو کر وہ بہشت سے دوزخ میں جانا بھی سخت نہیں سمجھتے۔ اگر عورت حسین ہو تو مرد کا پھسلا لینا کوئی بات نہیں۔ اسی طرح اگر روپیہ کافی ہو تو عورت کو قابو میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ میرے زمانے میں بھی یہی حال تھا۔ اور جب تک دُنیا رہیگی یہی کیفیت باقی رہیگی۔ حنیف! اگر دنیا کو ایک بازار فرض کیا جائے تو یہاں کی ہر جنس زیادہ قیمت دینے والے کو میسّر آسکتی ہے۔ اب اس میں چاہے نقد دل ہو یا زرِ نقد"۔

یہ خیالات عذرا جیسی تجربہ کار اور معمر عورت کی ذات سے کچھ بعید نہیں معلوم ہوتے۔ میں اُستن کی جان سے اپنے نزدیک ہاتھ دھو بیٹھا۔ مگر پھر بھی کوشش کئے جانے کو جی چاہتا تھا۔ میں نے کہا کہ بہشت میں شادی بیاہ کے جھگڑے نہ ہونگے۔

عذرا: "تو پھر وہ بہشت ہی کاہے کی ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے کہ تیری زبان سے اس قسم کے کلمے نکلیں۔ حنیف! کتنے افسوس کی بات ہے کہ تو ہم (عورتوں) کو نہایت بے قدر سمجھتا ہے۔ تیرے نزدیک بہشت دوزخ میں شادی بیاہ کا فرق ہے یا بہ تبدیل الفاظ اگر بہشت میں شادیاں ہوں تو وہ بہشت نہ رہیگی۔ بہرحال محل بحث کرنے کا نہیں ہے تو ہر ایک بات میں اُلجھنا کیوں ہے؟ کہیں تو بھی پُرانے زمانے کا فلسفی ہی نہ ہو۔ اب باقی رہی یہ عورت۔ یہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس کے معشوق کو چھین کر قناعت کر لوں۔ مگر دقّت یہ ہے کہ قرطیس کے دل سے اس مردار کا خیال کبھی نہ جائیگا۔ نہ میں اپنی سلطنت بلا شرکت غیرے چاہتی ہوں۔ مجھ سے یہ کب دیکھا جائیگا کہ میرے سرتاج کے دل میں کسی اور کا بھی گھر ہو۔ اس عورت نے اپنا حصّہ چند روز میں پا لیا۔ بس اسی پر قناعت کرنی چاہیئے۔ مصائب کے ہزاروں برس اور اطمینان و راحت کا ایک لمحہ برابر ہوتا ہے۔ ہرحال میں یہ عورت صبح ہونے سے پہلے ہی ماری جائیگی"۔

میں: "عذرا! آپ ایک بے گناہ کے خون سے کیوں اپنے ہاتھ رنگنا چاہتی ہیں؟

خون کرنا یُوں ہی گناہ ہے اور گناہ کا نتیجہ آپ بقول خود بھگت چکی ہیں۔ آپ کو اپنے سر کی قسم یہی نہ کیجیئیگا"۔

عذرا۔ پھر وہی گناہ گناہ گائے جائیگا۔ جو چیز ہماری راحت ہمارے اطمینان میں مخل ہو اس کا زندہ رکھنا گناہ ہو سکتا ہے۔ نہ کہ مار ڈالنا۔ اگر مار ڈالنا گناہ ہو تو ہماری ہستی خود ایک گناہ بنی جاتی ہے۔ ہماری تمام کوششیں ہر وقت اسی پر ختم ہوتی ہیں کہ کسی طرح وہ تمام ناموافق چیزیں جو ہمیں مضر ہوتی ہیں۔ حتےٰ کہ آب و ہوا تک باقی نہ رہیں اور ہم رہیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ چیزیں جو ہمارے لئے مضر ہیں ہم سے ضعیف ہیں یا قوی۔ دُنیا و مافیہا جو کچھ ہے سب قوی ہی لوگوں کے واسطے ہے۔ اکثر تو نے دیکھا ہوگا کہ ایک بڑا درخت لاکھوں چھوٹے چھوٹے درختوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ دریا کی بڑی مچھلیاں چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو اپنی خوراک بناتی ہیں۔ ہم ہزاروں کو مار کر قوت و عظمت حاصل کرتے ہیں۔ تجھے خیال نہیں ہوتا کہ اکثر چیزیں جو تو کھاتا ہے ضعیف اور بے آزار جانوروں کا آذوقہ چھین کر کھاتا ہے تو کہتا ہے کہ گناہ کا نتیجہ ہر حالت میں بد ہوتا ہے۔ یہ تیری ناتجربہ کاری ہے یا ہٹ دھرمی۔ میرے نزدیک تو اکثر وہ افعال جن کو تو گناہ کہیگا نیک نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ بھلائی سے بُرائی اور بُرائی سے بھلائی پیدا ہوتی ہے۔ ایک ظالم کی سلطنت اکثر اوقات آیندہ آنے والوں کے لئے رحمت کا باعث ہو جاتی ہے ایک سلیم الطبع انسان کے وجود سے اہل دُنیا پر آفت آجاتی ہے۔ اکثر جانوروں کو مار ڈالنے سے ہزاروں بنی آدم کی جانیں بچ جاتی ہیں اور ایک گنہگار کو قتل کر ڈالنے سے بہت سوں کا رزق چھن جاتا ہے۔ انسان اپنی مرضی کے موافق نیک و بد سب ہی کچھ کر لیتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ نیکی اور بدی۔ اُلفت و نفرت۔ شیریں و تلخ۔ مرد اور عورت۔ زمین و آسمان۔ ہر چیز گویا ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مگر لازم و ملزوم ہیں۔ ذرا غور کر کے دیکھ اور کہہ تو دے کہ فلاں چیز فضول ہے۔ ہم جب ان کی اصلیت ہی کو نہ سمجھینگے تو کہہ ہی کیا سکینگے ممکن ہے کہ جو چیزیں ہماری نگاہ میں بُری معلوم ہوں وہ غیر کی نگاہ میں بھلی لگیں۔ مگر

یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ روشنی اچھی اور اندھیرا بُرا ہے - کچھ سمجھا؟"

میں نے سوچا کہ ایسی کج فہم عورت سے کج بحثی کرنا بالکل فضول ہے - یہ کمبخت اگر اپنے منطقیانہ دلائل پر اُتر آئی تو ہمارے مفروضہ اخلاق کو جڑ سے پکڑ کر ہلا دیگی - لیکن مجھے تو جس طرح بنے اُستن کو بچانے کا فکر تھا - لاچار ایک مرتبہ اور کوشش کی +

میں "آپ کی تقریر میرے لئے بہت ہی قوی ہے - میں خود آپ سے بحث کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا ہوں - لیکن آپ نے ہی ایک مرتبہ یہ کہا تھا کہ اِنسان خود اپنے اور دوسروں کے لئے ایک قسم کا قانون ہے - کیا آپ کے دل سے اس بیگناہ کے لئے رحم کا مادہ بالکل اُٹھ گیا - جو کچھ آپ کرنا چاہتی ہیں - اس پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیجئے - میرے نزدیک تو آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں - سخت ناواجب ہے اور اپنے فعل سے اس شخص کو بھی رنج پہنچ جائیگا جس کا آپ نے دو ہزار برس انتظار کیا ہے گیا اُس کے خیر مقدم میں آپ ایک بے گناہ کی مفت جان لینا جائز سمجھینگی؟ اتنا تو خیال کیجئے کہ اگر یہ عورت جس کے خون کی آپ پیاسی ہو رہی ہیں نہ ہوتی تو آپ کا قرطیس آپ تک کبھی نہ پہنچتا - وہ کبھی کا آپ کی رعایا کا لقمۂ چرب بن گیا ہوتا - اسی عورت نے اپنی جان پر کھیل کر آپ کے قرطیس کو بچایا اور آپ تک پہنچایا اس کا صلہ آپ بہت ہی معقول تجویز فرما رہی ہیں - آپ ہی کہتی تھیں کہ صدیاں گزریں کہ آپ نے اس شخص یعنی قرطیس کو - محض امیز اٹس کے رشک سے قتل کر دیا تھا ـــ"

عذرا "تجھے یہ نام کیونکر معلوم ہؤا - میں نے تو کبھی تیرے سامنے یہ منحوس نام لیا ہی نہیں"؟

میں "مجھے کسی طرح معلوم ہو گیا - کسی نے سُنا یا خواب میں دیکھا - کیونکہ ان کھوؤں میں خواب بھی تو عجب طرح کے آتے ہیں - مگر معلوم ہوتا ہے کہ میرا خواب جھوٹا نہ تھا - بہرحال اس سے بحث نہیں پر میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ آخر اس خون کا کیا بدلہ ہؤا؟ یہی نا کہ آپ بقول خود دو ہزار برس تک دوزخ میں رہیں - اس پر آپ کو صبر نہیں آیا اور وہ یہی فعل (یعنی قتل بے گناہ) پھر کرنا چاہتی ہیں - یاد رکھئے کہ

اس کا نتیجہ بھی بہت ہی بُرا ہوگا۔ کیونکہ بہرحال بھلائی سے بھلائی اور بُرائی سے بُرائی ہی پیدا ہوتی ہے۔ جتنی مثالیں آپ نے دی ہیں ان پر بھی اگر غور کیا جائے تو یہی نتیجہ نکلیگا۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر آپ نے اس عورت کو قتل کر ڈالا تو معاف کیجیئگا۔ مدت العمر کے لئے طوق لعنت آپ کے گلے میں پڑ جائیگا اور مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا اس کا علم خدا کو ہے۔ آخر آپ سمجھی کیا ہیں؟ امین یا بقول آپ کے قرطیس کی پہلی نظر جو آپ پر پڑیگی تو اس حالت میں کہ آپ کے ہاتھ میں چھری ہوگی آپ کے کپڑوں پر خون کے دھبّے ہونگے اور بے گناہ عورت جس نے اس کی جان بچائی ہے آپ کے پیروں میں بسمل تڑپ رہی ہوگی تو وہ ضرور آپ کو پیار کی نظروں سے دیکھیگا اور آئندہ بھی ضرور آپ سے محبّت کریگا۔ ذرا اس خیال کو اپنے دل سے دور ہی نہ رکھئے!" +

عذرا:"اس سے تو تو مجھے نہ ڈرا۔ اگر اس عورت کے ساتھ میں تجھے بھی مار ڈالوں تب بھی وہ میرا شیدا ہی ہوگا۔ اس کو اس سے مفر ہی نہیں۔ لیکن میرے نصیب ہی پھر جائیں تو اَور بات ہے۔ خیر میں تیری خاطر سے اس عورت کو چھوڑے دیتی ہوں۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری سختی محض بے رحمی کے لئے نہیں ہوتی۔ مجھے اپنا کام نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ مجھے تو اَوروں کی مصائب دیکھ کر خود قلق ہوتا ہے۔ اچھا اُسے میرے پاس جلدی بُلا لا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے خیالات بدل جائیں" +

میں ایک حد تک اپنی کوشش میں کامیاب ہوکر بہت ہی خوش ہُوا۔ فوراً اُستن کو پُکارا وہ بیچاری ایک دیوار سے لگی کھڑی تھی دوڑی آئی +

اُستن:"کیوں اسد تو زندہ ہے؟ خدا کے واسطے بُری خبر نہ سنانا" +

میں:"اسد اچھا ہو گیا۔ تمہیں ملکہ بلاتی ہیں۔ جلدی آؤ" +

اُستن ایک آہ سرد بھر کر میری طرف آئی۔ اس کی صورت دیکھ کر مجھے ترس آگیا اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں تو اس وقت تک یاد آکر میرے دل کے لئے نشتر کا کام کرتی ہیں۔ وہ اپنے اصول کے موافق وہیں لیٹ گئی اور چوپایہ بن کر کمرے میں داخل ہوئی +

عذرا "کھڑی ہو جا! اور اِدھر آ" ٭

اُستن سر جھکا کر ملکہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی ٭

ملکہ "یہ شخص جو سو رہا ہے تیرا کون ہوتا ہے؟"

اُستن (نہایت ادب سے) "یہ میرا شوہر ہے" ٭

ملکہ "اس سے تیری شادی کس نے کی ہے"؟

اُستن "اپنے ملک کی رسم کے موافق میں نے خود اس سے شادی کر لی ہے" ٭

ملکہ "تو نے بہت ہی بُرا کیا کہ ایک اجنبی - چلتے پھرتے مسافر کو اپنا شوہر بنایا - چونکہ یہ تیرا ہموطن اور ہم قوم نہیں - لہٰذا تیرے ملک کی رسموں کا وہ پابند نہیں ہو سکتا چونکہ تو نے یہ فعل غلطی سے کیا ہے - اس لئے میں تجھے چھوڑے دیتی ہوں - ورنہ یہیں مار ڈالتی - اب سن لے کہ تو فوراً یہاں سے نکل جا - اور اپنے گھوؤں میں جا کر اس طرح چھپ رہ کہ کوئی نہ جانے کہ تو کون ہے - اس واقعہ کا بھی کبھی کسی سے ذکر نہ کرنا اور نہ اس مرد کی طرف کبھی آنکھ اُٹھا کر دیکھنا - یہ شخص تیرے واسطے نہیں ہے - پھر سُن رکھ اور اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو تُو نہ ہو گی - چل جا" ٭

اُستن نے جنبش بھی نہ کی ٭

ملکہ "عورت! جاتی نہیں"؟

اُستن نے سر اُونچا کیا - میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پہ بالکل مُردنی چھا رہی ہے ٭

اُستن (روتی ہوئی) "نہیں میں نہ جاؤنگی - یہ شخص میرا شوہر ہے - مجھے اس سے اور اس کو مجھ سے محبت ہے - ہائے مجھ سے نہ چھوڑا جائیگا - آپ کیوں مجھ سے میرا شوہر چھڑوانا چاہتی ہیں"؟

میں نے دیکھا کہ عذرا غصّے کے مارے کانپ گئی - میں ڈرا کہ بنا بنایا کام بگڑا! ٭

ہلی (یونانی میں) "عذرا! خدا کے واسطے رحم کرو جو کچھ اس کی زبان سے نکل رہا ہے سخت اضطراب اور اضطرار میں" ٭

عذرا (یونانی میں) اس وقت تک تو میں پر سرِ رحم ہی ہوں - ورنہ یونہی کھڑی رہتی؟

(اُستن سے عربی میں) اُستن۔ دیکھ میں پھر کہتی ہوں۔ نکل جا۔ کیوں اپنی جان کی دشمن ہوئی ہے"؟

اُستن "میں ہرگز نہ جاؤنگی۔ یہ شخص میرا ہے۔ میں نے اس کی جان بچائی ہے اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھے مار ڈال۔ میں اپنے شوہر کو کیسے چھوڑ دوں؟"

عذرا دفعتہً گھومی اور جھک کر اُستن کے سر پر آہستہ سے ایک طمانچہ مارا۔ اُستن تو وہیں بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ جہاں عذرا کا ہاتھ پڑا تھا استن کا سر سفید ہو گیا۔ اور اس نے وہیں اپنا ہاتھ رکھ لیا +

میں (گھبرا کر) "اُف! یہ کیا غضب ہے"؟

عذرا "احمق کی بچی سمجھتی ہے کہ مجھ میں کچھ طاقت ہی نہیں۔ اجنبی! آئینہ لا۔ یہ مردار اپنی صورت تو دیکھ لے (میں نے جلدی سے آئینہ نکال کر عذرا کو دیا) لے اپنے سر کو دیکھ اور بتلا کہ مجھ میں کچھ طاقت ہے یا نہیں"؟

اُستن نے وہ سفید نشان دیکھا اور رو کر وہیں زمین پر گر گئی +

عذرا "بول اب جاتی ہے یا میں اپنی طاقت دکھلاؤں۔ یہ تو میں نے اپنی مہر کر دی ہے تاکہ جب تک تیرے تمام بال نہ سفید ہو جائیں میں تجھے پہچان سکوں۔ اگر میں نے تیری صورت پھر کبھی یہاں دیکھی تو یاد رکھ کہ تیری ہڈیاں بھی ایسی ہی نظر آئینگی" +

اُستن اب کیا بول سکتی تھی۔ بیچاری روتی ہوئی اُٹھی اور چپ چاپ چلی گئی +

عذرا (مجھ سے) "حنیف! تو اتنا کیوں گھبرایا ہوا ہے؟ یقین جان کہ میں جادوگرنی نہیں ہوں۔ یہ جو کچھ تو نے دیکھا ایک شعبدہ ہے اور ایک دوا کا اثر۔ تاکہ اس کو خوف پیدا ہو جائے۔ میں اب قرطیس کو اپنے کمرے میں اٹھوائے جاؤنگی۔ تم دونوں بھی وہیں آ ٹھیرو۔ تاکہ میں ہر وقت خبرگیراں رہ سکوں۔ دیکھ خبردار ہوش آنے پر قرطیس سے یہ نہ کہہ دینا کہ میں نے اس عورت کو نکال دیا ہے اور میرا ذکر بھی اس سے بہت ہی کم کرنا دیکھ میں نے تجھ سے کہہ دیا ہے۔ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں" +

عذرا مجھے میرے خیالات اور ان واقعات کے حوالے کر کے فوراً چلی گئی۔ میں کچھ تو خوف اور کچھ ان عجائبات سے بالکل دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ غنیمت ہوا کہ سلسلۂ خیالات

نے مجھے کہیں نہیں پہنچایا تھا کہ عذرا کے گونگے باڈی گارڈ آگئے اور امین کو اُٹھا لے گئے۔ میں اور ایوب بھی ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ ہمارا یہ کمرہ عذرا کے کمرے سے بالکل ملحق تھا۔ یہ وہی کمرہ ہے جس میں میں نے سب سے پہلے عذرا یا یوں کہو کہ عذرا کا برقع دیکھا تھا۔ یہ اس وقت تک مجھے تحقیق نہ ہوا تھا کہ عذرا سوتی کہاں ہیں؟ غالباً قریب ہی کوئی کمرہ ہوگا +

امین رات بھر بالکل مردے کی طرح پڑے سوتے رہے۔ کروٹ تک نہیں بدلی۔ میں بھی فی الجملہ خوب سویا۔ مگر خوابوں کی بھرمار رہی۔ خاص کر دو طرح کے۔ ایک تو وہی عذرا کی شعبدہ بازی کے متعلق۔ اور دوسرا ان ہڈیوں کے ڈھیروں کے متعلق +

میں نے دیکھا کہ وہ تمام ہڈیاں میرے دیکھتے ہی دیکھتے جی اُٹھی ہیں اور ہزاروں آدمی ایک باقاعدہ فوج کی طرح کوچ کر رہے ہیں۔ سورج کی شعاعیں ان کی سفید پڑ رہی ہیں۔ شہر کور کے دروازے ان کے واسطے کھل گئے ہیں۔ لیکن شہر بھر سنسان ہے۔ محلات ویران ہیں۔ بازاروں میں سناٹا ہے۔ کوئی ذی رُوح نظر نہیں آتا۔ یکایک ان ہڈیوں نے نعرے لگانے شروع کئے۔ کور تباہ ہوگیا۔ کور ویران ہوگیا۔ کور کھویا گیا۔ یہ بے گوشت ہڈیاں دیواروں پر چڑھ گئیں۔ بڑے بڑے مکانوں کو پھاند گئیں۔ شہر کے دوسرے دروازے تک پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہونے لگا۔ دروازہ بند پا کر وہ فوج کی فوج پھر پلٹی اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کی ہڈیاں کھو میں گرنے لگیں۔ اس آواز سے ڈر معلوم ہوا اور آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو عذرا ہمارے کمرے میں سے ہوکر اپنے کمرے میں جا رہی ہیں۔ میں نے لاحول پڑھی اور کروٹ بدل کر سو گیا۔ اس مرتبہ مجھے صبح تک خبر نہیں ہوئی۔ ضروریات و نماز و وظیفہ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ عذرا برقع اوڑھے ہوئے آگئیں +

عذرا "حنیف! آج رات کیسی گزری؟"

میں (سلام کرکے) "آپ کی عنایت سے جیسی کٹی کٹ ہی گئی"۔

عذرا (مسکرا کر) "میری عنایت سے کیا معنی؟ اب تھوڑی دیر میں یہ بھی جاگ

اُٹھینگے - بخار تو یقین ہے کہ اب اُتر گیا ہوگا"

عذرا نبض دیکھنے کے لئے جھکی ہی تھی کہ امین نے انگڑائی لی اور دو کروٹیں بدل کر آنکھیں کھول دیں اور ایک عورت کو جھکا ہُوا دیکھ کر گلے میں باہیں ڈال دیں

امین "استن منہ کیوں لپیٹے ہوئے ہو؟ کیا کہیں دانت میں درد ہے"؟

ایوب امین کو بولتا سُن کر شکر کرتا ہُوا اس کے پاس جا بیٹھا اور مزاج پرسی کرنے لگا۔ امین ایوب کو دیکھ کر کچھ شرمایا اور عذرا کے گلے سے باہیں نکال لیں

امین "ایوب! سخت بھوک معلوم ہو رہی ہے - کچھ ہو تو لاؤ (اِدھر اُدھر دیکھ کر) "ہم کہاں آ گئے؟ یہ کیا جگہ ہے"؟

ایوب (عذرا کو کنکھیوں سے دیکھ کر) "مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ کیا جگہ ہے تو پہلے ہی بات نہ ہوتی - امین! تم زیادہ بات کرنے کی کوشش نہ کرو - تم بہت ہی بیمار رہے ہو - ایسا نہ ہو کہ سر میں درد ہونے لگے (عذرا کی طرف اشارہ کر کے) مجھے ان سے ڈر معلوم ہوتا ہے - یہ ہٹ جائیں تو تمہارے واسطے کچھ لاؤں"

عذرا بالکل خاموش کھڑی یہ گفتگو سُن رہی تھی - ایوب کے ادھر اشارے کرنے سے امین کی بھی ان کی طرف توجہ ہُوئی

امین "ہیں! یہ کون ہیں؟ اور اُستن کہاں گئیں"؟

عذرا ہمارے سامنے سب سے پہلے مرتبہ امین سے بولیں - مگر لطف یہ ہے کہ جو کچھ کہا بالکل جھوٹ

عذرا "اُستن کہیں کام گئی ہے - اس کی جگہ میں خدمت کے لئے حاضر ہوں کہیئے"

عذرا کی نازک اور دلکش آواز سے امین کی کچھ اور آنکھ کھلی اور وہ بڑی دیر تک اس کفن یا برقع کو دیکھتے رہے - لیکن کچھ بولے نہیں - اس اثنا میں ایوب یخنی لے آیا - یخنی پی اور پھر سو گئے - بعد میں معلوم ہُوا کہ ایوب نے ایسے ہی موقع کے انتظار میں کچھ چڑیاں شکار کر کے اپنی ترکیب سے پہلے ہی یخنی تیار کر رکھی تھی

امین پھر جاگے تو مختلف سوالات کی بھرمار کر دی - میں نے بمشکل تمام صبح تک

ٹالا۔ الحمد للہ کہ دوسرے روز وہ بالکل تندرست ہو کر اُٹھے۔ اس وقت میں نے مختصر ان کی بیماری اور اپنے سفر کا حال کہ سنایا۔ چونکہ عذرا ہمارے سر پر بیٹھی تھیں اور کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ اتنا کہ دیا کہ یہ اس ملک کی ملکہ ہیں اور ان ہی کی وجہ سے تم نے زندگی تازہ پائی ہے۔ ملکہ بوجوہ برقع پوش رہتی ہیں ✣

عذرا کی اکسیر دوا نے کرامات کی کہ دوسری صبح تک ایبن کے نہ زخم باقی تھا نہ ضعف اور ان کے ساتھ ہی پچھلی باتیں بھی پیش نظر ہو گئیں۔ اُستن کا خیال اب تک ان کے دل سے نہ گیا تھا۔ اپنی بیہوشی کے بعد سے لے کر اس وقت تک کے حالات پوچھنے چاہئیں۔ لیکن عذرا کی پہلی ہی فہمائش کا اثر مجھ پر کچھ کم نہ تھا کہ انہوں نے مجھے پھر بلا کر دھمکا دیا تھا۔ میں نے جس طرح ممکن ہوا اس مرتبہ پھر ٹال دیا ✣

میں اپنے ذہن میں یہ سمجھ رہا تھا کہ عذرا مدتوں کی ترسی ہوئی ہے۔ پہلی ہی ملاقات میں ایبن کے سر ہو جائینگی۔ مگر اللہ رے استقلال کہ خبرے نباشد۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرتی رہیں کہ اُن کی عزیزداشت ونگہداشت پوری کی اور نہایت عزت اور ادب سے پیش آتی رہیں اور جس طرح ممکن ہو سکا اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ البتہ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے جذبات کو بمشکل تمام ضبط کر سکتی تھیں۔ ایبن بھی اس عجیب وغریب عورت کے حالات معلوم کرنے اور صورت دیکھنے کے لئے بہت ہی مستعجل تھے۔ یہ انہوں نے کئی مرتبہ کہا کہ اس کی دلکش آواز اور جسم کی ساخت سے میں یہ ضرور بتلا سکتا ہوں کہ یہ عورت نہایت حسین ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر استن کی صورت ان کے پیش نظر نہ ہوتی تو وہ اب تک کبھی کے عذرا کے قدموں پر گر پڑے ہوتے۔ اگرچہ عذرا یا میری زبان سے اس وقت تک ان کو کوئی حالات نہیں معلوم ہوئے تھے۔ لیکن نہ معلوم ان کو کس طرح شبہ ہو گیا کہ ایک مرتبہ بڑے غوض وفکر کے بعد وہ کہنے لگے کہ ہو نہو یہ وہی عورت ہے جس کا ذکر ہم والد کی تحریر اور اِس کُپّی کے ٹکڑے پر دیکھ چکے ہیں ✣

تیسرے روز انہوں نے پھر مختلف سوالات کرنے شروع کئے۔ مجھے بہت ہی

تنگ کیا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ بھئی میں کچھ نہ بتلاؤنگا۔ تمہیں جو کچھ دریافت کرنا ہو ملکہ سے خود پوچھ لینا"۔ ایبن نے کھانا کھایا اور ہم سب عذرا کے پاس جا بیٹھے +

عذرا ہمیں (بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ ایبن کو۔ کیونکہ میں تو اب کوئی چیز باقی نہ رہا تھا) دیکھ کر اُٹھیں اور بہت ہی تپاک سے آگے بڑھ کر ایبن سے اور پھر مجھ سے مصافحہ کیا +

عذرا۔ "میں تم کو چلتا پھرتا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتی ہوں (میری طرف دیکھ کر) بھلا ان کے بچنے کی کوئی صورت رہ گئی تھی (ایبن سے) یقین جانو کہ اگر میں اُس وقت نہ پہنچ جاتی تو آپ کی زندگی ممکن ہی نہ تھی۔ خیر وہ خوف کا وقت جاتا رہا اب یہ میرے ذمے ہے کہ وہ وقت پھر کبھی نہ آنے دوں" +

ایبن نے جھک کر سلام کیا اور اپنی پوری بلاغت ختم کر کے ان کا شکریہ ادا کیا +

عذرا (مسکرا کر) "نہیں اِن الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جیسے آدمی کے دُنیا سے اُٹھ جانے پر دنیا بھر کو قلق ہوتا۔ حُسن کامل بھلا دنیا میں کہاں پیدا ہوتا ہے؟ اور میں تو ——— خیر" +

ایبن۔ "اہا ہا یہ کہئے! تسلیم۔ عمو آپ دیکھتے ہیں؟ آپ کس خوبصورتی سے بناتی ہیں (میرے کان میں) کہیں یہاں بھی قاہرہ کے سے قصّے نہ پیش آئیں" +

میں نے ایبن کے چٹکی لے لی کہ کہیں عذرا نہ سُن لیں +

عذرا۔ "یہاں مہمان کی تواضع کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن یقین ہے کہ میرے خدمتگار سُرعت آپ کے پاس رہتے ہونگے۔ اگر تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دینا" +

ایبن۔ "سر دست تو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ جو عورت کئی روز سے میری بیمارداری کر رہی تھی کہاں چلی گئی"؟

عذرا (ذرا شرما کر) "ہاں! وہ عورت۔ اچھا۔ مجھے ٹھیک تو معلوم نہیں۔ لیکن وہ چلے جانے کو کہتی تھی۔ بیمارداری کرنی کچھ ہنسی نہیں۔ اور یہ وحشی کیا جانیں؟ ممکن ہے کہ وہ اب آجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ آئے۔ ان وحشیوں کا اعتبار ہی کیا؟

ایبن۔ "عجب مضمون ہے۔ خیر۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کو میرے ساتھ محبت تھی۔ بڑے بُرے وقت میں میرے کام آئی تھی۔ اور سچ یُوں ہے کہ میرے دل کو بھی اُس سے

لگاؤ ہے"۔

عذرا ہنس کر چُپ ہو گئی۔

باب نوزدہم

از کجا در روزگارِ من فتاد
چوں تو سنگین دل بلائے کافرے

اس کے بعد مختلف مضامین پر گفتگو ہوتی رہی۔ مگر چونکہ وہ نفس قصّے سے کچھ تعلق نہیں رکھتی لہٰذا اس کا اعادہ کرنا فضول ہے۔ اگرچہ عذرا کی عادت تھی کہ وہ ذرا ذرا اسی بات پر اُلجھ پڑا کرتی تھیں۔ لیکن اس وقت نہ معلوم کس وجہ سے وہ حتّے الوسع بہت ہی کم بولیں۔ چلتے ہوئے ہم سے کہا کہ تم سب کے بہلنے کے واسطے آج رات کو میں ناچ کراؤنگی۔ چونکہ یہ بھی تمہاری نظروں میں منجملہ عجائبات کے ہوگا۔ یقین ہے کہ تم سب محظوظ ہوگے"۔

مجھے تعجب ہوا کہ بنوالحجر جیسی خوددار قوم بھلا اِن لغویات میں کیوں پھنسنے لگی۔ مگر بعد میں حافظ جعفر کی شہادت یاد آگئی۔ میں نے گھبرا کر عذرا سے کہا بھی کہ ہمیں اس ملک کی ایک دعوت تو عمر بھر بھُولیگی نہیں۔ یہ آپ کا ناچ دیکھئے ہمیں کیا کیا ناچ نچائے۔ مگر عذرا ہنسیں اور کہا کہ "گھبراؤ نہیں میرے سامنے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوسکتی اور یہ ناچ اگر تم نے نہ دیکھا تو شاید عمر بھر پچھتاؤ گے"۔ خیر ہمیں بھی اطمینان ہوگیا۔ زیادہ کچھ کہنے کا محل ہی نہ تھا۔

تینوں ظہر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ پھر طلبی ہوئی۔ عذرا ہماری منتظر ہی بیٹھی تھیں دیکھتے ہی کھڑی ہوگئیں۔

عذرا کے نزدیک میرا عدم و وجود تو اب برابر ہوگیا تھا۔ اُن کو جو کچھ کہنا ہوتا تھا امین ہی کو مخاطب کرتی تھیں۔ بجز اس کے کہ کوئی خاص بات میرے متعلق ہو۔

مجھے اس کی شکایت نہیں۔ البتہ اس وقت تبقاضاے بشریت رشک ضرور تھا مگر بقول شخصیکہ ؎ اب کیا رہا ہے جس پہ رقیبوں کا ڈر کریں +

عذرا:۔ میں چاہتی ہوں تمہیں بھی اِن کھوؤں کی سیر کرا دوں۔ اگر تکلیف نہ ہو تو چلو۔ عجیب جگہ ہے" +

ایک نوجوان کو ایک عورت کے ساتھ رہنے کا بہانہ ہی چاہئے۔ ایمن فوراً طیار ہو گئے حالانکہ مجھے ان کے ضعف کی وجہ سے اب بھی خوف ہی تھا +

اِس سیر کو مفصّل بیان کرنا گویا ان ہی باتوں کا اعادہ کرنا ہے جن کو میں بیان کر چکا ہوں۔ البتّہ یہ امر ظاہر کر دینے کے قابل ہے کہ اس مرتبہ وہ کھوئیں ہمیں نہیں دکھلائی گئیں۔ جن کو میں دیکھ چکا تھا۔ سب سے آخر میں ہمیں وہی مقام دکھلایا گیا جس کو دیکھ کر میں رات بھر ڈرا تھا۔ اس کے بعد ہم نے متوسط الحال لوگوں کی قبریں دیکھیں۔ یہ حقیقت میں قبریں تھیں۔ مگر کچھ اس قطع کی کہ شاید پہلے ایک کنواں کھودا گیا ہوگا اور اس میں جتنے لوگ مر گئے تھوڑا بہت مصالحہ لگا کر یا بھر کر تہ بہ تہ کوئیں میں رکھ دئے گئے +

یہ تو ایک طبعی بات تھی کہ ایمن پر اس سیر کا بڑا ہی اثر ہوا۔ لیکن اُنہوں نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایّوب بیچارے کا بہت ہی بُرا حال تھا۔ کانپتا جاتا تھا اور بار بار واپس چلنے کا تقاضا کرتا تھا۔ اس ملک میں قدم رکھتے ہی اس کے دل پر خوف غالب ہو گیا تھا۔ یہ تماشا دیکھ کر تو تعجب ہے کہ وہ رات کو زندہ کیونکر رہ گیا۔ اور حقیقت میں ایک جاہل ڈرپوک آدمی کو سینکڑوں لاشیں سینکڑوں برس کی بالکل اصلی حالت میں رکھی ہوئی گھور رہی ہوں تو اس کے قلب کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اگرچہ ان بے جانوں کی آوازیں مدت ہوئی کہ بند ہو چکی تھیں۔ لیکن بقول ایّوب کے ان میں سے ہر ایک پھاڑ کھانے کو دوڑتا تھا۔ اتفاق سے یاقوت بھی ہمارے

ؔ مجھے کئی روز تک تعجب رہا کہ آخر ان کثیر التعداد کھوؤں کے کھودنے میں جو پتھر نکلے ہونگے وہ کس کام میں لگائے گئے ہونگے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کور کی شہر پناہ اور مختلف محلّاتِ شاہی اور اُمرا کے مکانات کے کام میں لائے گئے تھے + (حنیف)

ساتھ ہی تھا۔ ایوّب کو ڈرا ہوُا دیکھ کر کہنے لگا کہ" اس میں ڈرنے کی کون بات ہے ؟
ایک دن آخر تو بھی ایسا ہی ہو جائیگا "+

ایوّب (یاقوت کو بُری نظر سے دیکھ کر) "کمبخت سٹھیا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ ڈر ہی کیا ہے؟ ارے جانور پڑے نہ ڈریں آدمی کو تو ضرور ہی ڈر لگیگا"+

امین کو پھرتے پھرتے بہت ہی تکان ہو گیا۔ میں نے عذرا سے کہہ کر بمشکل تمام پیچھا چھڑایا اور اپنی جگہ پر آکر لیٹ گئے +

بھلا عذرا کو کہاں چین پڑتا تھا؟ عصر کے بعد ہمیں پھر بُلا لیا۔ ایوّب اُنہیں بھی ایک کھلونا ہاتھ آگیا تھا۔ کہنے لگیں کہ لاؤ اسے پانی کی سیر کراؤں۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ اتنا بڈھا ہو کر بھی ڈرتا ہے"+

میں "غریب نے کبھی گھر سے قدم نہیں نکالا۔ ڈرے نہیں تو کیا کرے۔ اس ہی پر کیا منحصر ہے۔ میں بھی تو ڈرا ہوُا ہوں۔ یہ تو بیچارہ غمزدہ ہے۔ سترہ بچوّں کا باپ ہے ان ہی میں سے ایک بھی نہ رہا۔ بیوی بھی مرگئی۔ گھر تباہ ہو گیا۔ دل بہت ہی ضعیف ہے۔ ذرا سی بات کا بڑا اثر ہوتا ہے +

عذرا "یہ مجھے ابھی معلوم ہوُا کہ یہاں کی سیریں دیکھ کر تو بھی ڈر گیا۔ ڈرنے کی تو کوئی وجہ نہیں۔ عبرت ضرور ہونی چاہیئے۔ بہرحال اس بڈھے کو تماشا دکھاؤں دیکھوں اسے دیکھ کر کیا کہتا ہے"+

عذرا نے ایوّب سے کہا کہ اگر تجھے اپنے بچوں کی صورتیں یاد ہوں تو اس پانی میں دیکھ کر بتلا کہ یہی تھیں یا نہیں۔ ایوّب پانی کی طرف جھکا۔ مگر اس طرح کہ ایک ہاتھ سے مجھے اور دوسرے سے امین کو پکڑ لیا۔ اس کے تمام بچے پانی میں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بقول اس کے اکثر کی صورت تو وہی تھی۔ لیکن بعض پہچانے بھی نہ جاتے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایوّب ان کی صورت ٹھیک ٹھیک اپنے ذہن میں حاضر نہ کر سکا ہوگا۔ کیونکہ عذرا کی طاقت اس خصوص میں نہایت محدود تھی۔ پانی میں صرف ان ہی چیزوں کی تصویریں بن سکتی تھیں جن کی تصویر دیکھنے والے کے دل میں صحیح پیدا ہو جائیں۔ لیکن اگر کسی جگہ یا کسی شخص کو

اس نے خود دیکھا ہو تو اس مقام یا شخص کی تصویر بہت ہی صحیح پانی میں بن سکتی تھی۔ جیسے ہماری کشتی کی تصویر۔ دوسروں کے دل پر اس کو پورا پورا اختیار نہ تھا۔ لہٰذا تصویروں کا درست ہونا بھی معلوم۔ اسی طرح جامع ازہر کی اندرونی تصویر (جہاں تک مجھے یاد تھی) صحیح بن جاتی تھی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ اس وقت وہاں کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس مقام کو خود تو اس نے دیکھا نہ تھا۔ دوسرے کا ذہن موجودہ حالت پر پہنچ نہ سکتا تھا۔ ایوب کو ان باتوں سے بحث نہ تھی۔ اس کے نزدیک تو مرغے کی ایک ٹانگ یہ جادو ہی تھا۔ ہزار سمجھایا کہ یہ بھی قوت مقناطیسی ہے اور اگرچہ عجب چیز ہے۔ مگر مسمریزم سے خارج نہیں۔ مگر کون سنتا ہے۔ وہ تو سحر سامری ہی کہتا رہا۔ ایوب بیچارہ اپنے بچوں کو یاد کر کے بہت ہی رویا۔ اور عذرا کے نزدیک وہ ڈر کے مارے رو رہا تھا اس نے کچھ اور مذاق کرنا چاہا۔ مگر میں نے روک دیا۔ امین کو بھی تعجب ہوا۔ لیکن کچھ کہا نہیں۔ عذرا نے پوچھا تو آپ نے سر جھکا کر اتنا کہا کہ "میرے نزدیک تو لغویت ہے" اور میرے نزدیک ہے بھی صحیح +

شام ہو ہی گئی تھی۔ ہم نے وہیں نماز پڑھی۔ کھانا کھا ہی رہے تھے کہ یاقوت چوپایہ بنا ہوا آیا اور ملکہ سے عرض کیا کہ "ناچ کا تمام انتظام ہو گیا ہے" +

عذرا اپنی وہی کالی کفنی (یا برقع) پہنے (جس کو میں اس روز رات کو لعنتوں کی بوچھار کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا) تیار تھیں۔ ہمیں ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آئیں۔ کھو کے دہانہ سے پندرہ بیس قدم پر ہمارے واسطے کرسیاں بچھی تھیں۔ ہم تینوں جا بیٹھے۔ چونکہ ابھی تک کوئی شخص وہاں نہیں آیا تھا۔ اس لئے تعجب ہوا +

امین "عمو! یہاں ناچیگا کون؟ یہ آسمان کے تارے؟"

عذرا "دیکھو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے" +

اتنے میں مختلف کھوؤں سے پچاس یا ساٹھ بنو الحجر مشعلیں سی لئے ہوئے نکلے۔ جن کے شعلے کوئی گز گز بھر اونچے اٹھ رہے تھے۔ قریب آئے تو سب سے پہلے امین کی نظر پڑی۔ مجھے متوجہ کر کے کہنے لگے "عمو! آپ نے کچھ دیکھا بھی؟

یہ مشعلیں کاہے کی ہیں"؟

میں (بغور دیکھ کر) "اللہ اکبر! کیسی مشعلیں؟ یہ تو لاشیں جل رہی ہیں"!

حقیقت میں کسی شخص کے ہاتھ میں جلتا ہوُا ہاتھ تھا تو کسی کے پیر۔ تمام لوگ ہمارے سامنے ایک ہلال بنا کر کھڑے ہو گئے۔ عجب عبرتناک تماشا تھا۔ مشکل یہ تھی۔ نہ اُٹھتے بنتا تھا نہ بیٹھے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ لوگ پہلوؤں پر ہو گئے اور سامنے میدان خالی چھوڑ دیا گیا۔ اس اثنا میں ہمارے سامنے چند لکڑیاں گاڑ کر ان پر لاشیں ٹانگ دی گئی تھیں۔ ایک ظالم نے ایک عورت کی لاش کے پاؤں میں جا کر آگ دیدی اور پھر دوسری اور تیسری اور چوتھی کے۔ یہاں تک کہ ہمارے سامنے چوبیس لاشیں دھڑ دھڑ جل رہی تھیں۔ شعلے زبان حال سے بے زبانوں کی طرف سے موکلانہ آسمان کی طرف جانا چاہتے تھے۔ ہڈیاں جل جل کر بددُعائیں دے رہی تھیں اور عذرا کے نزدیک ایک سیر تھی۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ وہی مصالحہ جو ان مردوں کو زندۂ جاوید بنانے کے کام میں لایا گیا تھا۔ اس وقت بالکل تیل کا کام دے رہا تھا۔ ؎

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

نیروؔ[۱] نے اپنے باغ میں زندہ عیسائیوں کو کپڑوں میں تیل لگوا کر جلوایا تھا۔ یہاں شاید اس زمانے کے بعد پہلی دفعہ یہ تماشا ہمیں دکھلایا گیا۔ مگر غنیمت تھا کہ

[۱] یہ شخص شاہان رومتہ الکبرٰے میں چھٹا بادشاہ تھا۔ ۵۴ء عیسوی میں تخت نشین ہوُا۔ ابتدا تو بہت ہی حلیم مزاج۔ سلیم الطبع۔ عادل۔ مگر بعد میں معلوم ہوُا کہ یہ دھوکا ہی تھا۔ چند ہی روز میں یہ مصنوعی نقاب اُتر کر اس کی اصلی صورت معلوم ہو گئی۔ سب سے پہلے اپنی ماں کو قتل کیا۔ پھر تفریحِ طبع کے لئے روم میں قتل عام کرایا۔ کئی مرتبہ روم کے مختلف محلوں میں آگ لگوا کر تماشا دیکھا۔ مذہب مسیحی کا شیوع نہ دیکھ سکا اور ایک ہی رات میں سینکڑوں بیگناہ عیسائیوں کے کپڑوں میں تیل لگوا کر اپنے باغ میں جلوا ڈالا۔ اپنی بیوی پر عیسائیہ ہونیکا شبہ کر کے بچوں سمیت اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ آخر اس کے ظلم فضول خرچی اور عیاشی سے خلقت تنگ ہو گئی۔ پسو نامی ایک شخص نے سازش کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور اپنی ہی خواہش سے اپنے ایک درباری کے ہاتھوں ۶۸ء میں قتل کر ڈالا گیا + (حنیف)

یہاں بجائے زندوں کے مردوں پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ لیکن ہمارے قلب پر دونوں کا یکساں اثر ہوا۔ بلکہ اس کا زیادہ قوی۔ کیونکہ یہ خوفناک تماشا ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ جو حالت اس وقت خصوصاً میرے دل کی تھی میں کسی طرح بیان نہیں کرسکتا اب بھی اگر کبھی خیال آجاتا ہے تو سوتے سوتے چونک اُٹھتا ہوں۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت میں دیکھنے والے کے قلب و دماغ کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے صدیوں کے اطمینان سے سونے والے مردوں کا یوں انفار کے ہاتھوں اس بیدردی کے ساتھ جلتے دیکھنا۔ سخت خوفناک نظارہ اور عبرت خیز واقعہ تھا۔ اب کون کہ سکتا ہے کہ ان جلنے والے بیکسوں میں جمشید جلا ڈالا گیا یا سکندر۔ کوئی گمنام فقیر جل گیا یا نامآور امیر۔ کس کو خیال تھا کہ ان لوگوں کی لاشوں کی اس خوبصورتی سے محافظت اس غرض سے کی گئی تھی کہ یہ جلنے کے کام آئیں۔ ہائے کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اسی طرح ایک روز ہماری ہڈیاں بھی ایسے ہی ذلیل کام میں لائی جائیں اور ہم بھی مرنے پر اسی طرح وحشیوں کا تماشا بنیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار +

وہ باشندگان کور جن کو یہاں کے کھنڈرات ڈھونڈھتے ہیں اور نہیں ملتے۔ وہ باشندگان کور جن کو یہ کھوئیں عجب نہیں کہ قیامت تک روئینگی۔ وہ باشندگان کور جس کے صناعوں کے بنائے ہوئے عالیشان محل اپنے بانیوں کو کھو کر اب تک ششدر کھڑے ہیں۔ جب تختوں تک جل جاتے تھے تو کوئی بدبخت آکر ایک ٹھوکر مار دیتا تھا اور دوسری لکڑی پر ان ہی کے کسی بھائی کو پھر آگ لگا دیتا تھا۔ بے بسی کے ساتھ جل رہے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ اُن کے شعلے زمین سے دس دس گز اُونچے اُٹھ کر اپنی صورت حال جنگل کے حیوانوں کو دکھلا دکھلا کر مدد مانگتے ہیں۔ کیسا قیامت کا وقت ہے کہ ان کی اعانت کے لئے ایک چڑیا بھی دم نہیں مار سکتی۔ آخر بیچارے بیس ہی منٹ میں تو بالکل ٹھنڈے ہو جاتے ہیں ؎

خدا ہی اس چُپ کی داد دیگا کہ تُربتیں روندے ڈالتے ہیں
مسافران عدم کسی سے نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں

ہم تینوں کی یہ کیفیت تھی کہ بالکل مدہوش کھڑے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے۔

اس قدر حواس باختہ تھے کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکتے تھے۔ ورنہ ممکن تھا کہ ا ہین کے منع کرنے سے صدیوں کے آرام کے خوگر لوگوں کو یوں مصیبت میں نہ ڈالا جاتا +

آخر یہ شقی بنو الجر ایک مرتبہ پھر ہمارے سامنے ہلال بنا کر آ کھڑے ہوئے۔ اور جلنے والوں کی لاشوں کو مہلت ملی +

عذرا (قہقہہ لگا کر) حنیف! کچھ دیکھا؟ میں نے کہا نہیں تھا کہ اگر یہ سیر نہ دیکھو گے تو پچھتاؤ گے +

میں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دیکھ کر بہت پچھتائے۔ عذرا کوئی شخص بھی جس کو خدا نے عقل دی ہے۔ ایسی سیر دیکھ کر خوش نہ ہو گا۔ افسوس ہے آپ پر کہ آپ اس کو سیر کہتی ہیں۔ آپ کے سینے میں دل نہیں ہے۔ پتھر ہے۔ بلکہ اس سے کوئی سخت چیز" +

عذرا (مسکرا کر) خدا آنکھوں کے ساتھ آدمی کو عقل سلیم بھی عطا کرتا تو کیا اچھا ہوتا۔ ارے نادان! اتنا تو دیکھ کہ اس واقعہ سے جو سبق حاصل ہوتا ہے۔ وہ دوسری طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی تماشا دیکھ کر یقین آنا چاہئے کہ جب آئندہ کوئی اعتبار نہیں تو آدمی کس برتے پر اپنی تخت و پز کرے۔ نیز یہ کہ آدمی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنا موجودہ زمانہ ایسا گزارے کہ جس میں پوری طرح آسائش اور اطمینان بھی ہو اور مرنے کے بعد اس سے ہمدردی بھی کرنیوالا کوئی رہ جائے۔ اگر ان امرازادوں اور عابد فریب عورتوں کو یہ بات معلوم ہوتی کہ گو ان کی لاشیں ہزاروں برس تک باحتیاط رکھی رہینگی۔ مگر آخر انجام ان کا ایک وحشی قوم کے ہاتھوں یہ ہونے والا ہے تو وہ لوگ کیا کرتے؟ اچھا اب تماشا گاہ میں روشنی تو کافی ہے اب ناچ دیکھو" +

اس شقی القلب عورت کی باتوں پر جی تو چاہتا تھا کہ یہیں گولی رسید کروں۔ مگر سخت مجبوری تھی۔ خون کے سے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا +

تھوڑی دیر میں جو لوگ لاشوں کی مشعلیں اٹھائے کھڑے تھے اب سامنے

آ کھڑے ہوئے اور ہمارے داہنی طرف سے اندازاً سو عورتیں اور بائیں طرف سے سو ہی مرد نکل کر ناچنے لگے۔ ناچ کیا تھا بندروں کی اچھل کود تھی۔ یا جتنی تصویریں اندر کھوؤں میں بنی ہوئی تھیں ان کی نقلیں کرتے تھے۔ اس میں پیدائش اور موت کے سین بھی تھے اور بادشاہ کی تخت نشینی اور قتل بھی۔ ان کو کیا بیان کروں اور کہاں تک بیان کروں۔ اس ناچ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہوا وہ چونکہ گونہ دلچسپ ہے اس کا ذکر کرتا ہوں +

ایک کالی بلا ہٹی کٹی ڈائن عورت۔ جیسے کوئی شراب کے نشے میں ہوتا ہے۔ جھومتی ہوئی آئی اور ہمارے قریب ہی آ کر لیٹ گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی "کالا بکرا لاؤ" کالا بکرا لاؤ" +

کئی مرد اور عورتیں اس کے ارد گرد آ جمع ہوئیں اور سب نے تشخیص کی کہ اس پر بھوت چڑھ گیا ہے +

چند شخص "کالا بکرا" لانے کی فکر میں گئے اور یہاں اُس چڑیل نے پھر "کالا بکرا" کالا بکرا" چیخنا شروع کیا +

لوگ "ہاں ہاں ابھی آتا ہے" +

وہی چڑیل "کالا بکرا لاؤ۔ کالا بکرا" +

لوگ "اچھا اچھا۔ ابھی آتا ہے" +

اتنے میں وحشی کہیں سے ایک کالا بکرا بھی پکڑ لائے۔ وہ چڑیل برابر "کالا بکرا" پکارے جاتی تھی۔ خدا خدا کر کے بکرا ذبح ہوا۔ اس عورت نے اس کا خون پیا تو چین آیا +

اس کے بعد اس غول بیابانی سے تمام میدان صاف ہو گیا۔ ہم نے سمجھا کہ امن ہو گیا۔ اجازت لے کر اٹھنے ہی کو تھے کہ ایک طرف سے بڑے بڑے کتے۔ لنگور۔ بھیڑیئے۔ گدھے۔ بکرے۔ چیتے۔ ہرن آنے شروع ہوئے۔ سخت پریشانی ہوئی کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور نہیں۔ حضرات بنو الجحر ہی کھالیں پہنے ہوئے ہیں۔ ناچے۔ کودے۔ کھیلے۔ سب ہی کچھ ہوا۔ یہ شرمناک نظارہ ہم سے

تو دیکھا نہ گیا۔ میں نے عذرا سے کہا کہ " اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان جلی ہوئی لاشوں کو دیکھ آئیں۔ عذرا کو چھوڑ کر ہم نے دو چار لاشوں کو دیکھا۔ جل کر سفید ہوگئی تھیں۔ راکھ اڑی اڑی پھرتی تھی۔ اُدھر اندھیرا تو تھا ہی اور سوائے ہمارے اور کوئی تھا بھی نہیں۔ میں نے دل کھول کر اطمینان سے ان وحشیوں کو گالیاں دیں۔ سامنے سے ایک بکری آتی ہوئی دکھلائی دی۔ میں ڈر کر چپ ہو رہا۔ یہ بکری ذرا اندھیرے میں جا کر کھڑی ہوگئی اور وہیں سے آواز آئی۔ ادھر آؤ۔ خیال کیا تو اُستن کی آواز تھی۔ امین بے سوچے سمجھے ادھر چلے گئے اور میں پیچھے پیچھے۔ دیکھا تو واقعی بکری کے لباس میں اُستن تھی +

استن " اسد! آخر میں نے تجھے ڈھونڈھ نکالا۔ ملکہ مطاع الکل مجھے اب زندہ نہ چھوڑیگی۔ نناس! تو نے سُن ہی لیا ہوگا کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا۔ اسد! مجھے تجھ سے بڑی ہی محبت ہے اور تو میرا ہو چکا ہے۔ کیا اب تو مجھے دھوکا دیکر چھوڑ جائیگا؟ میں نے تیری جان اس لئے تھوڑا ہی بچائی تھی کہ تو میرے ساتھ دشمنی کریگا۔ میں پہلے ہی مرجاتی تو اچھا تھا +

امین " مجھے تعجب ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئی تھیں؟ میں تجھے عمر بھر نہ چھوڑونگا۔ چلو ملکہ سے تجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت لے دوں " +

استن (کانپ کر) " نہیں نہیں وہ مجھے فوراً مار ڈالیگی۔ تجھے اس کی طاقت کا حال معلوم نہیں ہے۔ نناس جانتا ہے۔ اس سے پوچھ لے۔ اگر تجھے بھی میرے ساتھ محبت ہے تو بس ابھی میرے ساتھ بھاگ چل۔ جس طرح ہو سکیگا ہم دونوں نکل جینیں گے اور دلدلوں کے پار ہو جائینگے " +

امین کو دیکھا تو بالکل تیار تھے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ " امین دیکھنا خدا کے واسطے ایسا نہ کرنا۔ بالکل اپنے اور میرے ساتھ دشمنی ہے "

استن " اسد! کچھ نہ سُن اور میرے ساتھ ہولے۔ بس جلدی چل۔ مجھے ہوا میں سے موت کی بو[1]

---

[1] ان وحشیوں کی قوت شامہ خداداد نے کیسی ہوتی ہے کہ اکثر بڑی بڑی باتوں کی پیشینگوئی وہ ہوا کو سونگھ کر دیتے ہیں اور اکثر اوقات یہ پیشینگوئی بالکل صحیح پڑتی ہے۔ (حنیف)

آتی ہے۔ دیکھ شاید ملکہ "مطاع الکل" ہماری باتیں سُن رہی ہو گی +

اُستنن نے امین کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور بے تکلف ان کو چومنا شروع کیا۔ اور گھبراہٹ میں امین کو لئے ہوئے آگے بڑھی ہی تھی کہ میں نے پھر امین کو روکا۔ اور بمنت خدا کے واسطے دلائے۔ مگر اس وقت امین کا نشہ ایسا نہ تھا کہ ایسی ایسی خفیف ترشیاں اُتار دیتیں۔ وہ پھر کچھ آگے بڑھے کہ دفعتہً میرے کان میں عذرا کے ہنسنے کی آواز آئی۔ پلٹ کر جو دیکھتا ہوں تو واقعی عذرا یاقوت اور دو گونگے خدمتگاروں کو لئے کھڑی ہیں۔ اُف جان ہی تو نکل گئی۔ میں نے سمجھا کہ بس اب خیر نہیں۔ سب سے پہلے تیری جان جائیگی۔ قریب تھا کہ بیہوش ہو کر گر جاؤں۔ مگر سنبھل گیا۔ اُستنن بیہوش ہو ہی گئی۔ مگر واہ رے امین۔ ذرا شرمندہ تو معلوم ہوتے تھے باقی اثر ڈھونڈھے بھی نہ ملتا تھا۔ ان کو کیا خبر کہ عذرا کس بلا کی عورت ہے +

باب ششم

بجرم عشق توام مے کشند و غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

تھوڑی دیر کے لئے بالکل سناٹا رہا۔ یہ یاس و بیم کا وقت میرے لئے بہت ہی سخت گزرا۔ آخر عذرا امین کی طرف متوجہ ہوئیں +

عذرا (مسکرا کر) "کیوں صاحب! شرمندہ کیوں ہوتے ہو؟ بکری کا شیر کی بغل میں ہونا بھی واقعی ایک تماشا ہے" +

امین "کیسی شرمندگی"؟

عذرا اے اُستنن! تو کیا کہتی ہے۔ مجھے تو تیرا خیال ہی نہ ہوتا۔ مگر میرے لگائے ہوئے نشان تیرے سفید بالوں نے تجھے ظاہر کر دیا۔ اندھیرے میں تو نے بغل گرم

کرنے کا اچھا موقع پایا۔ مردار میں تو سمجھی تھی کہ تو یہاں سے دفع ہو گئی ہو گی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو میرے حکم کو ایسا حقیر سمجھیگی" ؛

اسنتن :- تو مجھے کیوں نہیں مار ڈالتی کہ ایک دفعہ ہی فیصلہ ہو جائے ؛

عذرا :- تجھے ابھی اپنی زندگی کی امید بھی باقی ہے؟ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو دفعتہً بغل دلدار سے بغل گور میں جا پڑے۔ ایسی گرمیاں وہاں تھوڑا ہی ملینگی۔ تڑپا تڑپا کر نہ مارا ہو تو سہی ؛

عذرا نے اپنے گونگوں کو کچھ اشارہ کیا۔ دونوں نے بڑھ کر اُسنتن کو پکڑنا چاہا تھا کہ ابین جھپٹے اور ایک کے مُکا لگایا اور دوسرے کو دھکا دیکر گرا دیا ؛

عذرا (قہقہہ) بہت خوب! اگر بیمار نہ ہوتے تو شاید دونوں کا خون کر ڈالتے۔ لیکن معاف کرنا۔ اب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ اور میرے حکم کی تعمیل ہونے دو۔ اس مُردار کو ابھی تو کوئی نقصان نہ پہنچیگا۔ جس سے تمہیں محبت ہے۔ میں بھی اُس کا لحاظ کرتی ہوں۔ ذرا میرے کمرے تک تو چلنے دو۔ خنکی بڑھ گئی ہے۔ کہیں پھر تمہیں بخار نہ ہو جائے" ؛

میں نے بمشکل تمام ابین کو پکڑ کر کھینچ لیا۔ ان کے دخل دینے کا اتنا اثر تو ہوا کہ اُسنتن کو خود چلنے کی اجازت ہو گئی اور ہم سب عذرا کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ایوب بھی ہمیں دیکھ کر آ گئے تھے ان کو ہٹا دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یاقوت کو بھی۔ کمرے بھر میں ہم تینوں اور عذرا کی ایک معتمد چھوکری رہ گئی۔ عذرا اپنے پلنگ پر بیٹھی ہیں۔ ہم دونوں مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہیں۔ اور ہمارے داہنی طرف کسی قدر فاصلے سے حرمان نصیب اُسنتن ؛

عذرا :- ضعیف! میں نے تیرے سامنے ہی تو اس مُردار کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا تھا اور تو جانتا تھا کہ میں اس عورت کی صورت تک سے جلتی ہوں۔ تجھے اور دافعات بھی معلوم تھے۔ پھر تجھے ان میں شامل ہونے کی کیونکر جرأت ہوئی۔ تیری بغیر اطلاع کے تو یہ واقعہ نہ ہوا ہو گا۔ سچ بتلا! میں اس معاملے میں جھوٹ سننا گوارا نہ کرونگی" ؛

مین "جو کچھ آپ نے دیکھا بالکل اتفاقی بات تھی۔ مجھے اس کا بالکل علم نہ تھا" +
عذرا "خیر مجھے تیرا اعتبار ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قصور اسی مردار کا ہے" +
ابین (غصّے میں) "کیسا قصور اور کیسا گناہ؟ یہاں کی رسموں کے بموجب یہ میری بیوی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تیسرا شخص جو میرے اور اس کے درمیان میں دخل دے قصوروار ہے۔ نیز جو کچھ اس کا قصور ہے وہی میرا بھی ہے۔ پس جو سزا اُس کو ہوگی اسی کا مستوجب میں بھی ہوں اور یہ یاد رکھنا کہ اگر ان گونگے بدمعاشوں نے اس عورت کو بُری نظروں سے بھی دیکھا تو ٹانگیں چیر کر پھینک دُونگا۔ ذرا کوئی آگے بڑھ کر تو دیکھ لے" +

عذرا بالکل خاموش بیٹھی یہ باتیں سنتی رہیں۔ جب ابین کہ چکے تو وہ اُستن کی طرف متوجہ ہوئیں +
عذرا "کیوں تجھے کچھ کہنا ہے؟ کمبخت۔ ذلیل تو میرے مقابلہ میں ایک مکھی اور مچھر تک کی وقعت تو رکھتی نہیں اور میرے احکام کو کھیل بنانا چاہتی ہے۔ تجھے آخر میرے ہی زیر طناب یہ حرکت کرنے کی کیونکر جرأت ہوئی"؟

اُستن کو پہلے تجربوں سے معلوم ہی تھا کہ عذرا سخت ظالمہ ہے۔ غصّے کی حالت میں اس سے کسی طرح کے رحم کی اُمید نہیں ہوسکتی اور سب سے زیادہ غصّہ اُس حکم عدولی سے آتا ہے۔ اس وقت اس کو یقین ہوگیا کہ میں اس کے ہاتھوں بچنے والی نہیں۔ وہ ادب سے سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ عذرا کی طرف بڑھی اور نہایت مغرورانہ لہجے میں بے خوف جواب دینا شروع کیا +
استن "ہاں تمام قصور میرا ہی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا۔ محبت کی کشش قبر کی کشش سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ میری زندگی بغیر اس شخص کے تلخ گزریگی اور جتنے روز میں نے اس کی صورت نہ دیکھی میں سمجھتی ہوں کہ شاید ایسا وقت میرے اُوپر کبھی نہ گزرا ہوگا۔ میرا جی نہ مانا اور میں نے تیرے غصّے کی کوئی پروا نہ کی۔ بے میں تجھ سے کہتی ہوں کہ مجھے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کا صلہ مل گیا کہ اس شخص نے مجھے آغوش میں لے کر اقرار کرلیا کہ وہ میرا چاہنے والا ہے" +

عذرا کچھ تلملا کر اُٹھی مگر پھر بیٹھ گئی +

اُستنن :- میں نہ جادوگرنی ہوں نہ ملکہ ہوں - نہ ہمیشہ رہنے والی ہوں - لیکن لوگوں کی نظریں پہچانتی ہوں - میں بُرقع اوڑھے ہونے پر بھی تیرے دل کی باتیں سمجھتی ہُوں" +

عذرا نے کچھ کہنا چاہا - مگر اُستنن نے ایک تحکمانہ لہجے میں روک دیا +

اُستنن :- ظالم ملکہ! میں جھوٹ نہیں کہتی - تو ہزار چھپا مگر میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تجھے اس شخص سے محبّت ہے اور محض اپنے جذبات کی خاطر تو اپنے بے گناہ رقیب کا کانٹا نکال پھینکنا چاہتی ہے - ظالم ملکہ! مجھے تیرے ہاتھوں بچنے کی کوئی امید نہیں ہے - مر کر نہ معلوم میں کہاں پہنچوں اور میرا کیا انجام ہو مگر اتنا جانتی ہوں اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا +

میں اسد کو دیکھتے ہی دیوانی ہو گئی تھی اور معًا مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس چاہ کے جرم میں میری جان جائیگی - مگر میں اپنی جان کی پروا نہ کرکے اس کی ہو گئی اور اس کو اپنا کر لیا - اور دیکھ میرا خیال جھوٹا نہ تھا - موت اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے - اب بھی میں تیرے سامنے اپنے عشق کا اقرار کرتی ہوں - خوب جان لے کہ یہ میرا ہے اور میرا ہی ہو کر رہیگا - تیرا حسن اس پر پورا اثر نہ کریگا تیرا جادو کچھ اثر کر جائے تو کر جائے - تو اچھی طرح سمجھ لے کہ میرا خون ضرور رنگ لائیگا - میں دیکھتی ہوں کہ تیرے دن بھی بہت کم رہ گئے ہیں - تو بھی اسی حسرت سے جان دیگی - ہائے - ذرا ٹھیر جا - سُن — ہائے — دیکھ — تو — ہائے ذرا سُن — ہائے —" +

اُستنن کی آواز بند ہو گئی اور دھڑ سے زمین پر آ رہی - عذرا اس کے سامنے کھڑی ہے اور استنن کی طرف ایک انگلی سے اشارہ کر رہی ہے - اس کی صورت پر خون برس رہا ہے اور استنن کی جان نکل رہی ہے - میں اور ایمن گھبرا کر استنن کی طرف بڑھے - مگر وہاں خدا جانے کس اثر مقناطیسی سے اس کی جان نکل چکی تھی - پہلے تو ہماری سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یہ کیا ہوا - لیکن جیسے ہی ایمن کو معلوم ہوا

کہ اُستن ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ غصے میں عذرا کی طرف بڑھے۔ عذرا تو دیکھ ہی رہی تھی ذرا ہاتھ اور بڑھا دئے اور امین جیسے ایک دھکا کھا کر میرے اُوپر آگرے۔ مین نے ان کو پکڑ لیا۔ ورنہ زمین پر گر کر بڑی چوٹ آتی۔ بعد میں ان سے معلوم ہؤا کہ اس وقت اُنہیں ایسا معلوم ہؤا تھا کہ جیسے کسی نے سینے پر ایک مُکّا مار کر دھکا دیدیا ہے۔ اور تمام جرأت وحرارت سلب کرلی ہے +

عذرا پھر اپنے پلنگ پر لیٹ رہیں اور اپنا مُنہ چھپا لیا +

کچھ ہی ہو مظلومہ اُستن ہم تجھے قسمت کی دُھنی ہی سمجھینگے۔ دنیا کے عشاق کو یہ آخری حسرت رہی کہ اُن کا خاتمہ اس شخص کے سامنے ہو جس کے عشق کے جرم میں وہ مارے جاتے ہیں۔ مقدر نے کم سے کم یہ حسرت تو تیری پوری کردی +

عذرا تھوڑی دیر میں پھر اچھی خاصی ہو بیٹھیں +

عذرا (امین سے) "معاف کرنا کہ ـــ" +

امین (نہایت طیش میں) "ایک خونی کو کوئی معاف کردے۔ کُتیا اگر میرا بس چلے تو ابھی تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں۔ مردم خوار چڑیل معافی مانگتی ہے"؟

عذرا (مسکرا کر) "نہیں نہیں۔ تمہیں حالات معلوم نہیں۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں تمہارے سامنے صدیوں کا راز کھول دوں۔ تُو میرا آرام جان قرطیس ہے۔ تیرے ہی واسطے میں دو ہزار برس سے مصیبت اُٹھا رہی ہوں۔ اب جو تُو مِلا تو اس عورت کا ہو کر۔ پھر کیونکر میں اس عورت کو زندہ رکھ سکتی تھی۔ قرطیس"!

امین "کمبخت کیوں جھوٹ بکنے پر کمر باندھی ہے؟ مجھے قرطیس کون کہتا ہے؟ میرا نام امین ہے۔ دغا باز کو کہیں سے میرے مورث اعلےٰ قرطیس کا نام معلوم ہوگیا ہے۔ بس چلی ہے دھوکا دینے" +

عذرا "اچھا تجھے یہ تو معلوم ہے کہ تیرا مورث اعلےٰ قرطیس تھا۔ سچ جان کہ تیرا مورث اعلےٰ نہیں تو ہی قرطیس ہے۔ تُو ہی مر کر زندہ ہؤا ہے۔ تو ہی میرا سرتاج ہے" +

امین "مردار کا جھوٹ تو دیکھو۔ کمبخت مجھے قرطیس بنائے دیتی ہے۔ کہہ تو دیا کہ میں امین ہوں قرطیس نہیں۔ دھوکا دینا چاہتی ہے۔ کمبخت سرتاج کہہ کر پھسلاتی ہے" +

عذرا۔ "بھلا تجھے کیا معلوم۔ دو ہزار برس گزر گئے مدتوں تیری رُوح خدا جانے کہاں کہاں پھرتی رہی۔ اب تو مجھے کیا پہچانیگا۔ مگر قرطیس! میں اس وقت تک ویسی ہی حسین ہوں جیسی تو چھوڑ گیا تھا" +

امین۔ "بے حیا کیے جاتی ہے۔ مجھے تیرے حُسن سے کیا واسطہ؟ حسین ہو یا کالی بلا۔ مجھے تجھ سے تعلق کیا"؟

عذرا (ہنس کر) "کوئی گھڑی ہی جاتی ہے کہ تو میرے پیروں پر سر رکھیگا۔ یہ ساری نفرت تشریف لے جائیگی اور تجھے اپنی زبان سے ماننا پڑیگا کہ تو میرا عاشق زار ہے۔ میری رقیب کا مُردہ سامنے پڑا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کی رُوح کو بھی چین نہ دُوں۔ آ خدا کے لئے آ! اور بغلگیر نہیں ہونا تو خیر۔ میرے پہلو میں تو آ بیٹھ!

امین نے کچھ جواب نہ دیا۔ عذرا ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں +

عذرا۔ "قرطیس! لے دیکھ" +

چاند کا ہالے سے نکلنا کہوں یا عذرا کا بُرقع اُتارنا۔ سورج پر سے بادلوں کا ہٹنا کہوں یا عذرا کے رُخ انور سے نقاب کا سرکنا۔ دم کے دم میں وہ رشک حور اور غیرت پری اپنے معمولی تنگ و چست لباس میں امین کے سامنے کھڑی تھی۔ یونانیوں کی وینس پانی سے یا گلیشیا پتھر سے ایسا صبر شکن حسن اور توبہ فراموش ادائیں کاہے کو اپنے ساتھ لائی ہونگی جو عذرا میں اس وقت تھیں۔ امین تو آدمی تھے۔ اگر فرشتہ ہوتا اور امین نہ بن جاتا تو مجھے تعجب ہوتا۔ امین کی عذرا سے چار آنکھیں ہوئی تھیں کہ غصّہ تعجب سے اور نفرت حیرت سے بدل گئی۔ حُسن نے وہ جادو کیا کہ سب کچھ بھول گئے۔ وہ پیچھے ہٹنا چاہتے تھے مگر آگے ہی بڑھتے بنتا تھا۔ بچنا چاہتے تھے مگر نہ ہو سکتا تھا۔ مجھے تعجب بھی ہوا اور ہنسی بھی آئی۔ مگر معًا یہی خیال آ گیا کہ اپنا حال تو یاد کرو۔ تو اس سے دُگنی عمر کا ہے۔ اس پر تو بیہوش ہو گیا تھا۔ امین پھر بھی عالی ظرف ہے کہ کھڑا تو ہے +

امین (سخت متعجب ہو کر) "ارے عمو! یہ سچ مچ عورت ہے یا کوئی ——" +

عذرا (ہنسکر) "ہاں ہاں عورت ہوں۔ آدم و حوا کی بیٹی۔ شک کے کیا معنی؟ یوں

ہونے کو ملکہ ہوں۔ مگر قرطبیس تیری ادنےٰ کنیز ہوں" +

عذرا نے ہاتھ پھیلائے اور ابین آگے بڑھے۔ لیکن اتفاق سے ان کی نظر اُستن کی لاش پر پڑی اور وہ چونک کر پھر ٹھٹک رہے +

ابین "نا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ تو تو وہی سفاک ہے نا —"

عذرا (مسکراکر) "قرطیس بس اس کا خیال جانے دے آجا۔ اگر میں نے گناہ کیا ہے تو اپنے صدقے میں معاف کردے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے تیرے جوش محبت میں۔ اب نہ ترسا" +

میں نے ابین کو پھر پیچھے ہٹتا دیکھا۔ مگر خدا جانے کس کشش نے اُس کو پھر دھکیلا۔ دم کے دم میں عذرا ان کے پہلو میں تھیں۔ دونوں دلدار ہم کنار تھے۔ اُف کس قدر رشک ہوا ہے کہ نہ دیکھا گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ افسوس ہے کہ ایک عورت کے جادو ے حُسن نے مجھ پر وہ اثر کیا کہ اخلاق تو ایک طرف میں انسانیت سے خارج ہو گیا +

احسان فراموش ابین! یہ وہی اُستن ہے جس نے تیری جان بچائی۔ یہ وہی استن ہے جس نے تیرے واسطے جان دی۔ تجھے کچھ بھی خیال ہوتا ہے کہ تو اسی کی لاش پر بیٹھ کر اس کی رقیب سے جشن اُڑا رہا ہے؟ ابین! ایک مظلومہ کے احسانوں کا تو کیا اچھا معاوضہ دے رہا ہے۔ ظالم کچھ تو سمجھ کہ اس کی رُوح مجھے کیا کہتی ہوگی؟ کتنی دیر کے لئے آدمی کسی پر بھروسہ کرسکتا ہے؟ ابین! میں تجھے ایسا نہ جانتا تھا۔ مگر سچ یُوں ہے کہ تیرا اس میں کیا قصور؟ حسن کا جادو ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی کو کسی قابل چھوڑے جو کوئی حُسن کے ہاتھوں یُوں بکیگا۔ وہ اس سے بھی زیادہ اگر سنگدل ہوجائے تو تعجب نہیں۔ مآل کار کون سوچے اور عزّت و ناموس کی کون پروا کرے +

میں نہیں کہہ سکتا کہ عذرا سیر ہوگئی یا کسی مصلحت سے وہ بہت ہی جلد ابین کے پہلو سے جُدا ہوگئی اور قہقہہ لگا کر کہنے لگی "کیوں قرطیس! میں نہ کہتی تھی کہ تجھ سے نہ رہا جائیگا" ابین شرما کر چُپ ہو رہے۔ اِتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کی وحشت

اور نفرت کچھ کم نہ ہوئی تھی۔ شرمندہ سے پیٹھ موڑ کر کھڑے ہو رہے۔ عذرا نے پھر قہقہہ لگایا اور برقع اوڑھ کر اپنی چھوکری کو کچھ اشارہ کیا۔ مگر وہ خود اس سیر میں اتنی محو تھی کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی۔ عذرا نے ایک ٹھوکر مار کر اپنی طرف متوجہ کر کے پھر اشارہ کیا۔ وہ گئی اور دو گونگوں کو لے آئی۔ تینوں ملکہ استن کی لاش گھسیٹ لے گئے۔ اچھا ہوا کہ بیچاری کی روح نے تو آرام پایا ہوگا۔ اُف رے عذرا تیری بیدردی! اور اللہ رے ابین تیری بے حمیتی!

عذرا نے پھر اپنا برقع اُتار پھینکا اور ایک نظم پڑھنی شروع کی۔ اس کے کئی شعر قطعہ بند ہیں اور دو حصّوں میں منقسم ہے۔ ایک کو تشبیب کہئے اور دوسرے کو گریز مجھے جتنا کچھ یاد ہے اپنی زبان میں لکھتا ہوں۔ افسوس ہے کہ جو فصاحت و بلاغت اس میں تھی وہ ظاہر نہیں ہو سکتی۔ ناظرین اعتبار کریں کہ اگر زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی نظم پڑھی جاتی تو معلقہ قصاید کی زیبایش ہوتی۔ ممکن ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو۔ کیا کہوں؟ اصل میرے پاس نہیں ہے ورنہ اس کا اندازہ ہو جاتا:۔

"محبّت ایک پھول ہے جو ریتیلے صحرا میں وحدت وانانیت کا دعوے کرتا ہے"

"اُس کو کسی سرسبز زمین کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر شورہ زمین میں بھی یا نمیں دور دور پر خندہ زن دیکھا گیا ہے۔

"اس پھول کا حسن بہ نسبت آسمان کے چمکتے ہوئے تاروں کے زیادہ دلکش ہے

"اس کے اُوپر جہان کا روشن کرنے والا آفتاب چمکتا ہے اور آفتاب پر ارواح عالم فدا ہوتی ہیں۔

"اس پھول میں درد کی طرح کانٹے نہیں ہوتے۔ پھر بھی پاس سے گزرنے والوں کا دامن پکڑ لیتا ہے۔

"وہ شخص اس پھول کو توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں رکھ لیتا ہے

"یہی ایک پھول ہے جو اس شخص کے مرنے پر بھی نہیں کمُلاتا۔ بلکہ اس کی خوشبو مرنے والے کی قبر سے اُڑ اُڑ کر پاس سے گزرنے والوں کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہے

"دُنیا میں انسان کی راحت اور اطمینان کے لئے بس ایک ہی چیز پیدا ہوئی ہے"

اور وہ بھی محبت کا پھول ہے۔

"آسمان پر ایک ہی دلکش ستارہ نکلا ہے۔ اور وہ ستارہ یہی محبت ہے۔

"اندھیری رات میں بس ایک ہی روشنی پیدا ہوئی ہے اور وہ روشنی یہی محبت ہے۔

"مابقی تمام چیزیں فضول ہیں اور نقش برآب۔ جو ہوا کے ساتھ اُڑ جانے پر ہر وقت مائل رہتی ہیں۔

"کوئی شخص محبت کا اندازہ مقرر نہیں کر سکتا۔

"یہ ہے بھی ایسی لامحدود چیز کہ انسان کی محدود عقل میں نہیں سما سکتی۔

"یہ انسان کی رُوح سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کا گوشت اس کی خوراک ہوتی ہے۔ آدمی خود اپنا دل اس کے سامنے کھانے کو رکھ دیتا ہے۔

اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر صورت نہایت دلکش ہوتی ہے۔"

عذرا ذرا امین کی طرف جھکیں اور ایک بوسہ لیکر ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پھر کہنا شروع کیا۔ یہیں سے گریز شروع ہوتی ہے ÷

"محبّت کی جو کچھ تکلیفیں ہوتی ہیں وہ راحت سے کہیں خوشگوار ہوتی ہیں۔

"مجھے دیکھ کہ اتنی مدت کے فراق نے میری محبّت میں کچھ فرق نہیں آنے دیا۔

"تیرے انتظار کا صلہ میں نے پالیا اور وہ صلہ تو ہے۔

"ایک دفعہ میں تجھے نظر بھر کر دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ تو مجھ سے چھن گیا۔

"میں نے اپنے دل میں تیری محبّت کا بیج بویا۔

"آنسوؤں سے پانی دیا اور صبر کی آگ سے گرمی پہنچائی۔

"وہ درخت بڑھتا رہا یہاں تک کہ اس میں ایک پھول لگا۔

"اور وہ پھول کیا ہے؟ تیری ذات۔

"میں موت سے مصئون ہوں۔ مگر موت کی مشکور ہوں کہ اس نے پھر تجھے مجھ تک پہنچا دیا۔

"اب میں اپنی آئندہ زندگی کا لُطف اُٹھاؤنگی اور دوزخ کے بدلے میں جنّت پاؤنگی۔

"رات اپنا منہ کالا کر گئی ہے اور آفتاب اب نکل آیا ہے۔

"اس کی شعاعیں بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کو چوم رہی ہیں اور وہ چوٹیاں میری اُمیدیں ہیں۔

"اب ہم اپنی زندگی سے لُطف اُٹھائینگے اور وصل کے مزے لُوٹینگے۔

"تُو دیکھیگا کہ دنیا کے بادشاہوں کے تاج ہم دونوں کے سر پر ہونگے۔

"اور بادشاہ اوران کی رعایا ہمارے قدموں کو چومینگے۔

"ہمارے حسن سے زمانے کی نظریں خیرہ ہو جائینگی۔

"اور دنیا اپنے تمام خزانے ہمارے قدموں میں لاڈالیگی۔

"اور ہزاروں برس ہم دونوں ایسے لطف سے بسر کرینگے کہ فرشتوں کو بھی ہم پر رشک ہوگا"+

عذرا اپنی نظم ختم کرکے بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر خاموش رہی۔ لیکن کچھ ایسی بیچین تھی کہ بار بار پہلو بدلتی تھی۔ آخر نہ بیٹھا گیا۔ ایبن کے پاس آکھڑی ہوئی +

عذرا اوفرطیس! کیا عجب ہے کہ تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہیں دھوکا دے رہی ہوں اور تمہیں ابھی تک اعتبار نہ آیا ہوگا کہ میں نے دو ہزار برس تک تمہارا انتظار کیا ہے اور تم ایک مرتبہ مرکر پھر پیدا ہوئے ہو۔ اس شبہ کو تم اپنے دل سے نکال ڈالو۔ میں جو کچھ کہتی ہوں اس میں شک کی قطعی گنجایش نہیں ہے۔ آفتاب اپنا راستہ بھول جائے تو بھول جائے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا میں تمہارے متعلق کوئی بات بھی جھوٹ زبان سے نکالوں۔ میری اگر آنکھیں نکال ڈالی جائیں تو میں تمہاری وہ دلکش آواز سُنکر ہی تمہیں پہچان لونگی جو آج سے دو ہزار برس پہلے میں سُن چکی ہوں میری قوت لامسہ بھی لے لی جائے اور ہزار آدمی اگر مجھے ہاتھ لگائیں تو میں تمہارے ہاتھ کو پہچان جاؤنگی۔ شکر ہے کہ اب فراق کی راتیں اور انتظار کے دن خواب و خیال ہو جائینگے۔ لیکن اگر اب بھی تمہیں شبہ باقی ہے تو آؤ تم دونوں کا شک قطعی طور پر مٹادوں تاکہ تمہیں موقعہ کلام باقی نہ رہے۔ حنیف! تو ایک چراغ اٹھالے اور میرے ساتھ چل" +

میں اگرچہ عذرا کا مطلب بالکل نہ سمجھا تھا۔ لیکن اُٹھا اور چراغ اُٹھا لایا۔

دراصل عذرا کی باتوں پر قبل از وقت فکر کرنا میں نے قطعی چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اصلیت معلوم نہیں ہوتی اور فکر و خوض کا سر مفت پہاڑ کی کھوؤں میں ٹکراتا ہے۔

غرض عذرا نے بھی ایک چراغ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بیچ میں ایین ہوئے اور پیچھے میں بھی چراغ لے کر ساتھ ہو لیا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں یہ کہہ چکا ہوں کہ عذرا کے اس کمرے کی چاروں دیواروں پر چھت سے لے کر زمین تک پردے پڑے ہوئے تھے۔ عذرا بڑھیں اور شمالی دیوار کا پردہ اُٹھایا۔ ادھر ایک مختصر سا دروازہ تھا۔ ہمیں لئے ہوئے اس میں داخل ہو گئیں۔ نیچے اسی قطعہ کا زینہ تھا جیسے ان کھوؤں میں بنے ہوئے ہیں۔ البتہ یہ نئی بات تھی کہ اس کی سیڑھیوں کے پتھر بیچ میں سے کوئی چار چار گرہ گھس گئے تھے اور اِدھر اُدھر کے بدستور موجود تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان سیڑھیوں پر آمد و رفت بہت زیادہ ہوئی ہے۔ بعض وقت اور خصوصاً پریشانی اور بدگمانی کی حالت میں آدمی کی طبیعت پر چھوٹی چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ یُوں کسی چیز پر ادنےٰ و ذلیل سمجھ کر متوجہ نہ ہوجئے۔ لیکن پریشانی میں یہی چیزیں دوبھر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ تالاب میں ایک پتّے کو ڈال دیجئے۔ وہ مدّتوں پڑا رہیگا۔ لیکن ذرا چلنے دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہی پانی اس پتّے کو کس کس طرح اور کہاں کہاں اُٹھا کر پھینکتا ہے۔

زینہ طے کرکے میں پھر کر بغور ان سیڑھیوں کو دیکھنے لگا کہ عذرا نے مجھے دیکھ لیا۔

عذرا "حنیف! شاید تجھے تعجب ہؤا ہے کہ ان سیڑھیوں کے پتھر گھس کیونکر گئے ہیں؟ یقین جان کہ ان پتھروں کو میرے ہی پیر چاٹ گئے ہیں۔ میں نے ان پتھروں کو اور زینوں کی طرح برابر پایا تھا۔ لیکن دو ہزار برس سے کچھ زیادہ عرصے کی متواتر شب و روز کی تنہا میری آمد و رفت نے ان کو گھِس ڈالا ہے"۔

میں یہ سُن کر چُپ ہو رہا۔ مگر سچ یُوں ہے کہ مجھے اس کا اعتبار نہیں آیا کہ عذرا کے پیروں نے پتھروں کو رگڑ ڈالا ہے۔ نازک پیر نہ ہوئے کسی عاشق یا عابد

کی پشیمانی ہوگئی - ذرا اندازہ لگائیے کہ ان سیڑھیوں کے گھسنے کے لئے ایک آدمی کو دو ہزار برس تک کتنے کروڑ مرتبہ ان پر سے گزرنا چاہیئے ؛

غرض ہم اور آگے بڑھے اور ایک اور دروازہ ملا جس پر پردہ پڑا تھا - پردہ اُٹھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی کمرہ یا مقبرہ ہے جس میں مَیں نے اس رات عذرا کو بددعائیں دیتے اور لعنتیں بھیجتے دیکھا تھا ؛

میں تو خوش ہوا کہ آج یہاں کا راز کھل جائیگا - چنانچہ ایسا ہی ہوا ؛

عذرا - "یہ دیکھو - یہ جگہ ہے جہاں میں دو ہزار برس برابر سوئی ہوں" ؛

یہ وہی جگہ تھی جہاں میں نے اس روز آگ جلتی ہوئی دیکھی تھی اور جس کو میں نے گڑھا سمجھا تھا ؛

عذرا - "یہاں میں صدیوں ایک چادر اوڑھے اپنے دل پر پتھر رکھے پڑی رہی ہوں - مجھے یہ کسی طرح گوارا نہ ہوسکا کہ میرا آرام جان پتھر پر پڑا ہو - اور میں نرم توشکوں اور گرم لحافوں میں آرام کروں - گرمی کی دشمنی سہی - سردی کے تازیجا اُٹھائے - مگر دل کو کیا کروں کہ یہیں چین پاتا تھا - میرے آتے جاتے یہ سیڑھیاں بھی گھس گئیں - لیکن محبت کے شعلوں میں کچھ کمی نہ آئی - دیکھوں قرطیس اب تو میری مہرو وفا کی کیا داد دیتا ہے - اب تمہیں ایک عجیب چیز نظر آئیگی - قرطیس! تم اپنی آنکھوں سے اپنی لاش دیکھوگے - اسی لاش کی پرستش کرتے ہوئے یہ زمانہ کٹ گیا - ورنہ خدا جانے کیا انجام ہوتا - لو اب تم دیکھنا چاہیئے ہو" ؛

ہم دونوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش ہو رہے۔ موقعہ بھی ایسا تھا کہ کچھ کہتے نہ بنتا تھا۔ عذرا بڑھیں اور چادر کا کونا پکڑ کھڑی ہوئیں جو لاش پر ڈھکی ہوئی تھی +

عذرا "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگرچہ تمہاری نظروں میں یہ نظارہ خوفناک یا تعجب خیز ہو۔ لیکن یہی جسم اور یہی صورتیں جن پہ ہم کو اس وقت ناز ہے۔ پہلے بھی اسی شکل پر موجود تھیں اور ممکن ہے کہ اب ایک مرتبہ نابود ہو کر اسی صورت پر پھر پیدا ہو جائیں۔ کچھ نہیں بگڑتا تو ان اجرام ارضی و سماوی کا۔ اگر ان کی زبان ہوتی تو یہ خود اقبال کر لیتے کہ اب سے بہت پہلے بھی یہ ہمارے ساتھ خاکبازی کر چکے ہیں۔ موجودہ حالت کا مقابلہ اپنی پچھلی صورت سے ہم صرف اس واسطے نہیں کر سکتے کہ حافظہ کو قادر مطلق نے ایسی قوت عطا نہیں فرمائی کہ وہ اپنے پیچھے کچھ لکھا ہوا چھوڑ جاتے تاکہ ہم پچھلی سوانح عمری کو موجودہ سوانحات سے مقابلہ کر سکیں۔ جو مستعار مٹی ہمیں زمین نے دی تھی وہ اس میں مل گئی اور قبر نے ہمارے غرور کے ساتھ حافظہ کو بھی سلب کر لیا۔ قرطیس میں نے کور کے باشندگان کی ترکیب معلوم کر کے تمہارے جسم کو پیوند خاک ہونے سے بچایا ہے اور تمہارے حُسن کو زمانہ کے دستبرد سے بچا لیا ہے۔ اس میں کسی پر احسان نہیں۔ اگر ہے تو اپنے دل پر۔ لو! [illegible] مُردہ اور زندہ جسم ملتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ زمانہ کے ناپیدا کنار دریا کے اس پار ہو کر دیکھو تو دونوں ایک ہی چیز نظر آئینگی۔ بلکہ ایک ہی ہونگی۔ میں کہ سکتی ہوں کہ روح تو روح زمانہ آدمی کی صورت تک کو نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ بات جُدا ہے کہ ہماری نیند نے ہمارے پچھلے واقعات بالکل بھُلا دئے ہوں یا ہمارے پچھلے مصائب کو ایسے گہرے دریا میں ڈبو دیا ہو کہ پھر نہ اُبھر سکیں یا ہماری خوشیوں کو کسی اندھے کوئیں میں پھینک دیا ہو کہ پھر ہم ان کی صورت ہی نہ دیکھ سکیں۔ لیکن جہاں آنکھ کھُلی ہم وہی اُٹھینگے جو پہلے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمیں پچھلے واقعات مستحضر نہیں ہیں اور یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس گہری نیند سے ہماری آنکھ نہ کھلے۔ اسی زمین کے

بخارات نے ابر کی صورت اختیار کر لی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آکر زمین کو اپنی اصلی وضع پر چھوڑ دیا۔ پہاڑ کی چوٹیوں کو برف نے ڈھک کر سفید کر رکھا ہے۔ لیکن جہاں برف گلی (اور ضرور گلیگی) تو چوٹیاں اپنی اصلی حالت پر نظر آئینگی۔ ممکن ہے کہ ہمارے پچھلے زمانے کے ہنسنے اور رونے کی آواز (یا صدا) بھی ہمارے کان میں آئے اور زمانہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ آنکھ کھلنے کے بعد ممکن ہے کہ وہ آوازیں جن سے پہلے ہمارے کان آشنا تھے ہم پہچان سکیں۔ ایک زنجیر ہے جس کی ہر کڑی بنانے والے نے بالکل یکساں ایک گینڈے کی بنائی ہے۔ اس زنجیر کو اگر ہماری ہستی فرض کر لو اور اس کی ہر کڑی کو ہماری ایک زندگی۔ ان کڑیوں کی شکل وصورت رنگ ڈھنگ تو ایک سا ہی ہے۔ اب فرق ان میں صرف اس قدر رہ گیا کہ ہر کڑی پر روح اپنا اثر برقی ایک خاص زمانے میں خاص وقت تک ڈالتی ہے۔ جہاں وہ اثر اس میں سے نکلا۔ زنجیر کی تمام کڑیاں ایک ہیں۔ پس تم طیس اپنے مردہ جسم کو دیکھ کر نہیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ وہی جسم ہے جو سونے سے پہلے تھا۔ مگر تمہاری نیند ایسی گہری تھی کہ اب تم اپنے ہی جسم کو نہ پہچان سکوگے۔ بہرحال میں تمہاری کتاب ہستی کا پچھلا ورق لوٹ کر جو کچھ لکھا ہے دکھلاتی ہوں"۔

"لو دیکھو"

عذرا کے ایک جھٹکے سے چادر لاش پر سے اتر گئی۔ چراغ کی روشنی کافی تھی ہی میں نے جھک کر مردے کو دیکھا اور حیران ہو کر رہ گیا۔ عذرا کی پیچیدہ فلسفیانہ تقریر کی صحت کو میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی تردید کے لئے آمادہ تھا۔ لیکن جو چیز اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اس کو کیا کروں۔ وہ تو اس کے ایک ایک لفظ کو ابھار ابھار کر صحیح دکھلا رہا تھا۔ کیونکہ چوکی پہ ہمارے سامنے "ایمن" پڑے سو رہے تھے۔ میں نے اسی وقت زندہ ایمن کا جو میری نظروں کے سامنے کھڑا تھا مردہ "ایمن" سے جو سامنے لیٹا ہوا تھا۔ مقابلہ کیا۔ اور بال برابر بھی فرق نہ پایا۔ اگر فرق تھا تو صرف اس قدر کہ جو جسم سامنے پڑا ہوا تھا وہ کسی قدر پرانا معلوم ہوتا

تھا۔ بار بار ایک ایک عضو کا مقابلہ کیا۔ مگر رگ و ریشہ تک میں فرق نہ پایا۔ حتٰی کہ بال بھی جو امین کے حسن میں سونے میں بالکل ایک سے تھے۔ مردہ "امین" کی صورت پر بالکل وہی کیفیت تھی جو اکثر میں نے گہری نیند میں امین کے چہرے کی دیکھی ہے۔ اکثر سنا گیا ہے کہ جو بچے توام (جوڑواں) پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی صورتوں میں فرق نہیں ہوتا۔ مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ مردہ اور زندہ امین میں جو مماثلت دیکھی ہے وہ شاید توام بچوں میں بھی نہ ہوتی ہو ٭

امین پر اس وقت ایسی حیرت تھی کہ اگر میں ہوتا تو یقیناً بیہوش ہو جاتا۔ مبہوت کھڑے اپنے مردہ جسم کو بغور دیکھ رہے تھے۔ پانچ سات منٹ کے بعد وہ چیخ اٹھے کہ:۔ "خدا کے لئے اسے ڈھک دو۔ اور مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔ مجھ سے نہیں دیکھا جاتا"

پری جمال عذرا چراغ لئے ہوتے بالکل ایک دیوی معلوم ہوتی تھیں یا آسمانی فرشتہ جو اس شکل میں گویا اہل دُنیا کو عجائبات عالم دکھلانے آیا ہے وہ بھی بار بار ان دونوں کو دیکھتی تھیں اور خاموش تھیں۔ امین کے سوال پر وہ کچھ مسکرائیں اور اُن کے پاس آکھڑی ہوئیں ٭

عذرا:۔ نہیں قرطیس ذرا ابھی ٹھیرو۔ میں تمہیں کچھ اور بھی دکھلا دوں۔ تاکہ کل کو تمہیں یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ اپنی وفا جتائی اور جفا چھپائی۔ حنیف! ذرا آگے بڑھ کر اُس جسد کا سینے پر سے کُرتہ تو ہٹائے۔ شاید قرطیس اپنے مردہ جسم کو ہاتھ لگاتے ڈریں ٭

حقیقت یہ ہے کہ ڈرا ہوا تو میں بھی تھا۔ مگر عذرا کی حکم عدولی کا نتیجہ چونکہ فوراً ہل جانے والا تھا اور اس خوف کا نتیجہ مفہومی۔ لاچار بڑھا اور کانپتے ہاتھوں سے بند کھول کر مُردے کا سینہ ننگا کر دیا۔ دل کے قریب ہی ایک زخم نظر آیا جو بظاہر کسی تیر کا معلوم ہوتا تھا ٭

عذرا:۔ قرطیس! یہ زخم بھی دیکھا؟ یہ مجھ ناشدنی ہی کے ہاتھ کا لگایا ہوا ہے۔ اس مصریہ امنیرٹس سے جل کر میں نے ہی اپنے ہاتھ سے تجھے قتل کیا تھا۔ کیونکہ تیرا دل اس مردار کے ہاتھ میں تھا۔ اس لعنتی عورت کو میں بوجوہ مار نہ سکی۔ اگر مجھے اُس پر بھی کچھ اختیار ہو سکتا تو اُس عورت اُستن کی طرح وہ بھی میرے ہاتھ سے

ماری جاتی ہیں نے غُصّہ اور جلدی میں تجھ پر ہی ہاتھ صاف کیا اور دو ہزار برس تک اس کی سزا بھگتی۔ ہزار شکر ہے کہ میری مصیبتیں رائیگاں نہ گئیں۔ اور میں نے پھر تجھے پالیا۔ میں نے جو کچھ گناہ کیا تھا۔ اس کے عوض میں اب میں تجھے تازہ زندگی دونگی جس سے تو میری طرح ہزاروں برس اسی شکل و صورت کو لئے ہوئے زندہ رہے۔ لیکن یہ وعدہ نہیں کرسکتی کہ تجھے کبھی موت نہ آئے۔ کیونکہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے اور اس عمر کے ساتھ دنیا کی جاہ و حشمت بھی میں تجھے دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔ کل ہی ہم یہاں سے چل کر اس کا انتظام کر لینگے۔ اس وقت صرف ایک بات باقی ہے۔ تو نے اپنے مردہ جسم کو دیکھ لیا اور اپنے جسم سے اچھی طرح مقابلہ کر لیا۔ اب یقین ہے کہ تجھے میری باتوں میں شک باقی نہ رہا ہوگا۔ میں نے تیرے مردہ جسد کے پہروں میں پڑے پڑے صدیاں گزار دی ہیں۔ لیکن اب میرے مقدر نے مجھے زندہ قرطیس دلوا دیا ہے تو اس مردے کی ضرورت نہیں جو خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ خدا نے اس کو بالکل سچّا کر دیا۔ اس مبارک موقعہ کے لئے میں نے پہلے سے تیاریاں کر لی تھیں۔ دیکھ"!

عذرا نے بڑھ کر ڈھیں سے ایک شیشی جیسی اُٹھائی اور وہیں ذرا فاصلہ پر کھڑا کر کے اپنے کپڑے بچا کر اس شیشی کو اس لاش پر لوٹ دیا۔ دفعتہً لاش میں سے کالا دھواں اُٹھا اور کھوہ بھر میں اندھیرا ہوگیا۔ طبیعت دھواں دیکھ کر ہی پریشان ہوگئی تھی اب دم بھی بند ہونے لگا۔ بھاگیں تو راستہ نہیں ملتا۔ کھڑے رہیں تو جان جاتی ہے۔ عجب مصیبت تھی۔ غنیمت ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں دُھواں نکل گیا اور کھوہ صاف ہوگئی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو چوکی پر لاش کا نام و نشان بھی نہیں۔ تیزاب[1] نے اس کو دم بھر میں جلا اور گلا کر رکھ دیا۔ البتہ چونے جیسی سفید راکھ باقی رہ گئی تھی۔ عذرا نے تھوڑی سی راکھ ہاتھ میں لی اور یہ کہتے ہوئے ہوا میں اُڑا دی:۔

"مٹی مٹی میں۔ ہوا ہوا میں۔ مردہ مردوں میں جا ملے۔ قرطیس مر کر پھر پیدا ہوگیا"۔

---

[1] میرا قیاس ہے کہ اس شیشی میں کوئی سخت تیزاب تھی۔ جس کا اثر زندہ۔ مردہ دونوں پر یکساں ہونا چاہئے (حفیظ)

عذرا (ہم سے) "تو بس تم مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔ اور اگر ممکن ہو تو سو جاؤ۔ کل ہی میں تمہیں ایک جگہ لے چلونگی۔ چونکہ وہ مقام دیکھے ہوئے مجھے صدیاں گزر گئی ہیں۔ اس لئے آج رات بھر میں مَیں کچھ تیاریاں کرونگی"+

ہم دونوں عذرا کو سلام کر کے شکر کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے آئے +

ایّوب کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ میں نے ہزار شکر کیا کہ وہ ہمارے ساتھ نہ تھا ورنہ خدانخواستہ اس کی لاش ہی اٹھا کر لانی پڑتی"+

امین بھی میرے ساتھ میرے ہی کمرے میں آ بیٹھے۔ مگر نہایت غمزدہ۔ خاموش۔ میں پھر بھی امین کو نہایت مستقل مزاج کہونگا کہ انہوں نے پہلی ہی مرتبہ خوفناک واقعات دیکھے۔ اور اپنے ہوش میں رہے۔ لیکن اس وقت اُستن کی لاش اور اپنا جنازہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ ایک ایک بات پر غور کر کے کچھ نتیجہ نکالنا چاہتے تھے۔ مگر پریشانی کچھ نہ کرنے دیتی تھی۔ اب وہ عذرا کے سامنے تو تھے نہیں کہ زبان ہلاتے بھی ڈرتے۔ انہوں نے سب سے پہلے خود کو ملامت کرنی شروع کی +

امین "عمو! آپ سچ کہتے تھے۔ میں نے بڑی ہی نادانی کی کہ خواہ مخواہ ان مہلکات میں پھنس گیا۔ کاش میں نے وہ تحریرات ہی نہ دیکھی ہوتیں۔ والد مرحوم نے میرے ساتھ بڑی دشمنی کی۔ وہ خاندانی امانت کمبخت میرے ہی نصیب کی رہ گئی تھی۔ کوئی اور ہی جلا پھینکتا تو اچھا تھا"+

مزہ یہ ہے کہ عذرا کی نسبت کچھ کہنے کی اب بھی آپ کو جرأت نہ تھی یا جی نہ چاہتا تھا+

امین "عمو! کچھ تو بتلایئے کہ اب میں کیا کروں؟ آپ ذرا میری بے حمیتی کو تو دیکھئے کہ اُستن جیسی وفادار کو میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے مر جانے دیا۔ اور اسی پر بس نہیں۔ اس کی لاش کے سامنے ہی میں نے اس کی قاتلہ کے ارمان پورے کئے۔ لاحول ولا قوۃ عمو! آپ نے مجھے مرنے ہی کیوں نہ دیا۔ ابھی تو روزِ اوّل ہے یہاں روز یہی ہوگا۔ میں اُس جادوگرنی کے قبضے میں ہوں جو ناچ نچانا چاہیگی ناچونگا۔ کاش یہی ہوتا کہ میں آئندہ اس بھوتنی کی صورت ہی نہ دیکھتا۔

مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا - میں بالکل اس کے اختیار میں ہوں - اگر میں دُور رہنا چاہوں تو نہیں رہ سکتا - کس مصیبت میں جان ہے؟ اور ہاں عمو! وہ لاش بھی دیکھی؟ بھئی مجھے تو کچھ بھی شک نہیں ہے کہ وہ میری ہی لاش تھی - میری عقل تو بالکل جاتی رہی - آپ ہی کچھ فرمایئے" +

میں خود اپنے خیالات میں مستغرق تھا اور اپنی نسبت پہلے ہی فرض کر چکا تھا کہ میرے عقل و حواس رخصت ہو چکے ہیں - میں ان کو کیا رائے دے سکتا تھا - میں نے صاف کہہ دیا کہ میں خود حیران ہوں اور اپنے ہوش و حواس پر صبر کر چکا ہوں - مجھ سے تم کیا رائے لیتے ہو ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار - کا مضمون ہے - مگر میں نے ان کو بھاگ چلنے کی رائے دی - جس کو سنکر وہ ہنس کر کہنے لگے کہ آپ بچوں کی سی باتیں کہتے ہیں - عذرا جیسی عورت سے آپ کہاں بھاگ سکتے ہیں - ذرا قدم تو اُٹھا دیکھئے"؟ میری یہ رائے ہر طرح ہنسی کے قابل تھی - اوّل تو عذرا کے ہاتھوں چھٹکارا مشکل - دوسرے ہماری حالت بالکل پروانہ کی سی تھی کہ قربت شمع کا یقینی نتیجہ اس کی ہلاکت ہے - لیکن باوجود اس کے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ شمع کو چھوڑ جائے - ہم ہزار عذرا سے بے وفائی اور بے رُخی کرنا چاہیں مگر دل کرنے بھی دے ع دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را - کا مضمون ہم پر پوری طرح صادق آتا تھا +

میرا دعوےٰ ہے کہ دنیا میں جس شخص نے عذرا کو بے نقاب دیکھا ہو یا اس کی باتیں سنی ہوں - وہ دنیا کا آرام و راحت تج بیٹھا ہوگا - مجھے تو مرفوع القلم کر دیجئے اور امین کے تعلق خاص پر غور کیجئے کہ جن کے عشق کا عذرا خود دم بھرتی تھیں اور جن پر وہ بلا شائبہ و شک ثابت کر چکی تھیں کہ محض امین ہی کی خاطر وہ دو ہزار برس تک مصائب اٹھا چکی ہیں - پھر بھلا یہ کہاں اور کس طرح جا سکتے ہیں +

اس میں بھی شک نہیں کہ وہ نہایت ظالم عورت تھی - اُستن کو محض اس قصور میں کہ وہ اس کی سد راہ ہوتی تھی - ہماری آنکھوں کے سامنے جان

سے مار چکی ہے۔ لیکن آخر اس کی وفاؤں سے ہم کہاں تک آنکھیں بند کر لیں۔ اور یہ تو قطعی امر ہے کہ مرد ایک حسین عورت کے گناہوں سے بہت ہی جلد قطع نظر کر لیتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں جبکہ یہ گناہ اُس شخص کے جوشِ عشق میں سرزد ہوئے ہوں[1]۔ ایسے موقعے بھلا مردوں کو کہیں ملتے ہیں؟

اس میں بھی شک نہیں کہ ایسی عورت سے تعلقات قائم رکھنے میں مرد اس عورت کی خواہشات کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ خود اپنی پسند سے شادی کرنے میں بھی نتائج پیدا ہوں اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص چراغ لے کر بھی شادی کی غرض سے دنیا بھر کو ڈھونڈ ڈالے تو اس کو یہ حسن میسر نہیں آسکتا۔ چہ جائے کہ عذرا کی سی عقل اور علم اور تجربہ وغیرہ وغیرہ۔ اس صورت میں بھاگ جانا کیا معنی؟ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اہین اگر بھاگ جاتے تو ان سے بڑھ کر احمق اور کون ہو سکتا تھا ؏

میں اس کا معترف ہوں کہ چونکہ میں بھی عذرا کا عاشق تھا اس لئے ممکن ہے،

---

[1] اس میں کلام نہیں کہ عذرا سے قصور سرزد ہوئے۔ لیکن ہر شخص ذرا غور کر دیکھے کہ اگر اس کو عذرا کی سی قوت وعظمت حاصل ہوتی اور پھر یہ واقعات پیش آتے جن کی وجہ سے وہ ان قصورات پر مجبور ہوئی تو وہ کیا کرتا یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ عذرا کی حالت کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ یہ اپنی ذراسی حکم عدولی کی سزا کم سے کم سزائے موت دینے پر مجبور ہوتی تھی۔ اس کے اصول اور خیالات موجودہ نرم قوانین کے مقابلے میں کچھ اور ہی تھے۔ علاوہ ازیں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ وہ ہزار برس سے زیادہ عرصے سے دنیا کے کنارے بیٹھی تھی مہذب ملکوں میں جو کچھ نئی اصلاحات ہوئیں ان سے قطعی بے خبر تھی۔ جس زمانے میں وہ دنیا میں تھی۔ اس زمانے میں بادشاہ اپنی ادنے ادنے عدولی حکم پر بڑے بڑوں کو قتل کر ڈالا کرتے تھے۔ اس اصول سے عذرا کے قصور کچھ مستبعد نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی عمر اور تجربوں نے اسے اور بھی سخت دل بنا دیا تھا۔ اس پر تازیانہ تھا اس کا یہ اصول۔ کہ انسان کی زندگی بغیر عشق کے لاحاصل اور لغو ہے۔ پس اس کے عشق ومحبت کا جو چیز خار دامن بنے اس کو جس طرح بنے ہٹا دینا وہ فرض سمجھتی تھی۔ ان امور پر اگر غور کیا جائے تو وہ بے قصور سمجھی جائیگی۔ ان سب سے قطع نظر کر کے اسکی خوبیوں پر بھی نظر کیجئے۔ ایک وفاہی کا جوہر اس میں ایسا تھا جو اس کے تمام معائب کو ڈھک لینے کے لئے کافی تھا۔ (حفیظ)

کہ ان کے متعلق بعض باتیں میرے قلم سے ایسی نکلیں۔ جن کے تسلیم کرنے میں تامل کیا جائے۔ اتنا تو ضرور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کسی شخص کو لے لیجئے اور اُسے عذرا کی صورت دکھلا دیجئے۔ پھر اگر اس کی باتیں سنیئگا تو میری ہی ہو نگی +

دو گھنٹے یا کچھ زیادہ ہم دونوں بیٹھے موجودہ واقعات پر غور کیا کئے۔ لیکن جہاں تک سوچتے تھے ہمیں طلسمات کا نقشہ معلوم ہوتا تھا۔ یا خواب کی سی باتیں۔ کس کو خیال تھا کہ "کپی کے ٹکڑے" کی تحریر کا ایک ایک لفظ صحیح ہو گا۔ یا یہ کہ ہم کور کے کھنڈروں تک زندہ پہنچینگے؟ کون جانتا تھا کہ یہ عجیب وغریب عورت دو ہزار برس سے بیٹھی ایمن ہی کا انتظار کر رہی ہے؟ لیکن اس وقت تو یہ تماشا ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور ہم کو ان واقعات میں (اور خاص کر ایمن کے متعلق) شک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی +

بہرحال ہم نے خود کو خداوند قدیر کی حفظ وامان میں سونپا اور سو گئے +

باب بست ودوم

الٰہی عمرے خواہم نگاہے ہم کرامت کن
کہ در پیری بہ بینم شوخ نو حسن جوانش را

کوئی نو بجے ہونگے کہ ایوّب میرے کمرے میں آیا۔ میں اسی وقت سو کر اُٹھا تھا۔ مجھے صحیح وسلامت پاکر اس نے بہت ہی شکر کیا۔ اُستن کا حال سُنکر باوجودیکہ وہ اس سے خوش نہ تھا۔ بہت ہی صدمہ ہُوا +

ایوّب "میں تو اسی واسطے اپنی زبان نہیں ہلاتا کہ کہیں آپ کو ناگوار نہ ہو۔ جس کو آپ ملکہ سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ جادوگرنی ہے۔ کمبخت ڈائن۔ جی تو چاہتا ہے کہ اپنا تمنچہ اس پر خالی کر دوں۔ آپ کو اعتبار نہیں آئیگا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ ملک

ہے ہی جادوگروں کا۔ یہ جتنے آدمی آپ چلتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ آدمی تھوڑے ہی ہیں دیکھئے اللہ ہمیں یہاں سے نکالنا بھی ہے یا نہیں۔ میری ساری محنت برباد ہوگئی۔ بھلا یہ ڈائن ایمن جیسے خوبصورت جوان کو چھوڑیگی "+

میں "اگر سچ پوچھو تو اسی کی وجہ سے ایمن زندہ رہے۔ ورنہ کوئی صورت باقی تھی"؟

ایوّب "جان بچا کر اس کو مول لے لیا ہے۔ دیکھ لیجئیگا کہ ایمن کو بھی وہ اپنے ہی جیسا جادوگر بنا لیگی۔ کمبخت اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمیں مرنا ہے۔ قیامت میں اُن کا بُرا حال ہوگا"+

میں "ایوّب! حقیقت میں یہ ملک جتنا عجیب ہے اتنا ہی یہاں کے باشندے بھی عجیب ہیں"+

اگرچہ میں ایوّب جیسا وہمی تو نہ تھا۔ لیکن سچ یوں ہے کہ یہاں کی فوق العادت باتیں دیکھ کر میں بھی کچھ کم ڈرا ہوا نہ تھا+

ایوّب "جی ہاں! اب آپ نے ٹھیک بات کہی ہے۔ آپ مجھے بیوقوف بنائینگے۔ لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس ملک سے میں زندہ نہ نکلونگا۔ میں نے رات اپنے والد کو خواب میں دیکھا ہے وہ بڑے ہی نیکبخت آدمی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی تسبیح لیئے ہوئے میرے سرہانے بیٹھے ہیں۔ اور میرے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر روتے ہیں۔ اور مجھ سے کہتے ہیں کہ "ایوّب تیرا وقت آن پہنچا ہے۔ لیکن مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ تو اتنی دور کے وحشیوں میں بھاگ آئیگا۔ یہاں کے لوگ تو سارے کے سارے شریر اور جہنمی ہیں۔ ان سے بچتا رہنا۔ لیکن مشکل ہے"۔ میں ان سے کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر روتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی"+

میں "ہاں ایوّب! شفقت پدری ایسی ہی چیز ہے۔ بیٹے کی پریشانی نہ دیکھی گئی۔ اور ان کی روح کو یہاں تک آنا پڑا"+

ایوّب "جی ہاں! ان کے شریر ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ لال توا" کونسی نیکی کا کام ہے۔ لیکن والد نے تو یہ کہا ہے کہ تیرا وقت آن پہنچا ہے۔ سچ جانئے کہ اس دنیا میں میں تین چار روز سے زیادہ کا مہمان نہیں ہوں۔ میرے والد

بڑے ہی نیکبخت آدمی تھے" +

میں (ہنسکر) تو ایوب تمہارے نزدیک باپ کو خواب میں دیکھنا موت کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی ساس کو خواب میں دیکھے تو کیا ہوگا؟"

ایوب "آپ تو ہنسی کرتے ہیں۔ میں اسی واسطے کچھ نہیں کہا کرتا۔ آپ میرے والد کو نہیں جانتے۔ وہ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولے۔ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو مجھے کبھی اعتبار نہ آتا۔ مگر ان کا کہنا پتھر کی لکیر ہے۔ میں ان کے کہنے کو کبھی جھوٹ نہیں سمجھتا۔ فکر ہے تو صرف یہ کہ اس ملک میں مر کر میری مٹی خراب ہوگی۔ نماز تو نماز۔ جنازہ اُٹھانے کو بھی آدمی نہ ملینگے۔ خدا کے واسطے اتنا کیجیئےگا کہ میرے جنازہ کو یہ جادوگر ہاتھ نہ لگائیں۔ جس طرح ہو سکے آپ اور امین ہی مجھے نماز پڑھ کر دفن کر دیں۔ میرا اور تو کوئی ہے نہیں۔ آپ اور امین مجھے اکثر دعائے مغفرت سے یاد کیا کیجیئےگا۔ دیکھئے بھول نہ جائیےگا۔ میں نے آپ کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ جب سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ غلاموں کی طرح رہا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی قصور ہوا ہو اللہ معاف کر دیجیئےگا۔ امین باہر ہوا خوری کے لئے گئے ہوئے ہیں ورنہ میں ان سے آپ کے سامنے اپنے قصور معاف کرا لیتا۔ آپ پیچھے تو وہ مجھے چڑائینگے۔ میری طرف سے آپ ہی ان سے معاف کرا لیجیئےگا۔ میں نے ان کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ ان سے تاکید کر دیجیئےگا کہ وہ دعا میں مجھے بھی یاد رکھیں۔ اور ـــــ" +

میں "بس ایوب بس۔ ان باتوں کو اپنے دل سے نکال ڈالو۔ خدا بڑا حافظ حقیقی ہے۔ اس نے ہم سب کو اب تک بچایا ہے۔ اب بھی ہم اسی کی حمایت میں ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔ پہلے ہمارا تب تمہارا بال بیکا ہوگا۔ ایوب سچ جانو کہ میں تمہیں اپنے بھائی کی برابر سمجھتا ہوں" +

ایوب "خدا آپ کو خوش رکھے۔ مگر سچ جانئے کہ میں دو ہی چار روز کا مہمان ہوں۔ آپ کھانا کھا رہے ہوں اور آپ کو شبہ ہو جائے کہ اس میں زہر ہے تو وہ زہر ہی ہو کر لگیگا۔ بس یہی میرا حال ہے۔ ایک بات کیجیئےگا کہ آپ سے جس طرح

ہو سکے مجھے "لال توے" سے بچا لیجئیگا ؟

میں (ذرا غصے سے) "کیا واہیات ہے ؟ کیوں خواہ مخواہ رٹ لگ گئی ہے" +

ایوب "بہت اچھا اب میں آپ سے زبان تھوڑا ہی لڑاؤنگا (کھڑا ہو کر) لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے یاد رکھئیگا" +

ایوب کو حقیقت میں میں بھائی کی برابر سمجھتا تھا - اس کی یہ مایوسانہ باتیں سن کر کلیجہ منہ کو آگیا - اس جیسا وفادار نیک آدمی ملنا مشکل ہے - یوں سب کا مالک خدا ہے - لیکن امین کی زندگی محض اسی کی وجہ سے ہو گئی - ورنہ چار پانچ برس کا بچہ پالنا بڑا کام ہوتا ہے - ایوب کو آج اپنے مرنے کا یقین ہو گیا تھا - اگرچہ ایسے خیالات اکثر غلط بھی ہوا کرتے ہیں - لیکن جو واقعات ہم پر گزرے ہیں اُن سے تو کسی کافر ہی کو جینے کی امید رہی ہو گی - میں نے اگرچہ غصہ دکھلا کر ایوب کی زبان بند کر دی مگر میرا اعتقاد تھا کہ وہ بالکل سچا ہے +

امین سیر کر کے واپس آگئے اور ساتھ ہی کھانا آیا - ہم دونوں نے ملکر کھانا کھایا - میرا جی گھبرا رہا تھا - امین کو لیکر میں باہر نکل گیا - اور بنوانجر کے کھیت بونے کا تماشا دیکھا - ایک شخص پھاوڑے سے زمین کھودتا جاتا تھا - دوسرا بکری کی کھال میں بیج لئے ہوئے زمین میں ڈالتا جاتا تھا اور پیروں سے مٹی اس پر ڈال دیتا تھا - مجھے ان وحشیوں کی ذات سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوا کہ یہ کمبخت اپنے پیٹ کے لئے اتنی محنت تو گوارا کر لیتے ہیں - اگر غور کیا جائے تو صرف یہی ایک بات شبہ ڈالتی تھی کہ وہ بھی بنی آدم ہیں - ورنہ کالانعام بل ھم اضل کے مصداق ہیں +

ہم نے سوچا تھا کہ کچھ عرصہ یہیں ٹھیلینگے مگر یاقوت "ملکہ مطاع الکل" کے حکم سے بلانے پہنچ گیا اور ہمیں مجبوراً جانا پڑا +

عذرا اپنے کمرے میں بے نقاب بیٹھی تھیں - ہم کانپتے کانپتے اندر داخل ہوئے - کیونکہ جس قدر ان سے رسم بڑھتی جاتی تھی بجائے بے تکلفی یا نفرت کے خوف بڑھتا جاتا تھا +

اس مرتبہ انہوں نے خود سلام کرنے میں پیشدستی کی اور امین سے اس طرح

بغلگیر ہوئیں جیسے مدت کے بچھڑے - رات کی باتوں کا خیال کرتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ امین کی بھی قریباً یہی حالت تھی - وہ بھی بے تامل لپٹ گئے ✥

عذرا نے امین کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہنے لگیں کہ "قرطبس کیا تمہیں اس وقت کا انتظار نہیں ہے کہ جب تم مجھے اور میں تمہیں اپنا کہنے کے قابل ہونگے - تم میرے واسطے ہوگے اور میں تمہارے واسطے - وہ وقت دُور نہیں ہے - مگر اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے تم میرے جیسے ہو جاؤ - فنا کے ہاتھ سے تو میں بھی بچنے والی نہیں ہوں - لیکن جس طرح آفتاب کی شعاعوں سے دریا کے پانی روز کلیجے پر تیر کھاتے ہیں - اور ان کی ماہیت میں فرق نہیں آتا - لیکن مدتہائے مدید میں بھی تیر اور اس کو چاٹ کر رکھ دیتے ہیں - اس طرح فنا کے جگر دوز تیر مجھ پر بھی ایک زمانہ تک اثر نہیں کرینگے - موجودہ حالت میں تو مجھ میں اور تم میں بہت بڑا فرق ہے تم میری صورت کو اگر دیر تک دیکھو گے تو شاید تمہاری نظر خیرہ تیرہ ہو جائے - بلکہ عجب نہیں کہ جان تک نوبت پہنچے - یا کم سے کم حواس زائل ہو جائیں (ایک نازدلربایانہ کے ساتھ برقعہ اُٹھا کر) لو میں نقاب ڈالے لیتی ہوں (برقعہ رکھ کر) مگر خیر - میں تمہیں ایک امتحان میں ڈالنا چاہتی ہوں - اگرچہ اس میں مستقل رہنا بہت مشکل ہے - مگر پھر بھی میری اور اپنی خاطر سے اس کو برداشت کرنا - آج ہی شام کو ہم یہاں سے چلینگے اور بشرط خیریت کل تک چشمۂ حیات پر پہنچ جائینگے - وہاں تمہیں تھوڑی دیر کے لئے آگ کے اندر کھڑا ہونا پڑیگا - یہ تم ابھی سمجھ لو کہ وہ آگ تمہارا کچھ نہ بگاڑیگی - بلکہ اسی وقت سے تمہیں ایک حیات تازہ مل جائیگی - جس کا لطف تم خود وہیں محسوس کر لوگے - اس کے بعد تم میرے شوہر بننے کے قابل ہوگے - اور میں تمہاری بیوی" ✥

امین نے زیر لب کچھ کہا جو میں نہ سمجھ سکا - عذرا ان کی پریشانی دیکھ کر بہت ہنسیں ✥

عذرا "حنیف! تجھے بھی میں قرطبس کو پالنے اور یہاں تک پہنچانے کے صلے

میں اسی آگ میں غسل کراؤنگی۔ تو چونکہ ذرا ذرا سی بات پر اُلجھتا ہے۔ اور ہر چیز کا فلسفہ دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے میں تجھے بالخصوص اس آگ میں کھڑا کیا چاہتی ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ عجائبات قدرت الٰہی وہ چیز ہیں جن تک انسان کا فہم و ادراک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شخص محض زبان زوری اور عقل آرائی سے ماہیت اشیا پر حاوی ہو جائے تو وہ قدرت نہیں رہ سکتی۔ حقیقت الٰہی وہ چیز ہے کہ تاوقتیکہ انسان پر خاص واردات نہ گزریں وہ اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ آگ بھی جس کا میں ذکر کرتی ہوں۔ مظاہر الٰہیہ میں سے ایک بڑا مظہر ہے اور تاوقتیکہ تجھ پر خود نہ گزرے تیری عقل اس کی خاصیت تک نہیں پہنچ سکتی"۔

میں :- میں بہت ہی مشکور ہوں کہ آپ مجھ کو مرہونِ منت کیا چاہتی ہیں۔ لیکن اوّل تو مجھے ایسی عجوبہ چیز کے وجود ہی میں احتمال ہے جو انسان کی زندگی کو ایک لامحدود عرصے تک بڑھا دے۔ اور اس میں نئی روشنی پیدا کر دے اور اگر ہو بھی تو مجھے اس کی ضرورت نہیں اور نہ خواہش۔ عمر گزشتہ کے تجربے اور اس وقت کی موجودہ حالت نے میری نظروں میں دنیا کو ایسا خوشنما نہیں دکھلایا ہے کہ میں بہزار ذلت اس میں پڑا رہنے کی کوشش کروں۔ مادر گیتی عجیب سنگدل ہے۔ کمبخت اپنی اولاد سے بھی لوہے کے چنے چبواتی ہے۔ اور زہر ہلاہل پینے کے لئے دیتی ہے۔ مصائب کے پالنے میں جھلاتی ہے اور گناہوں کے کھلونوں سے کھلاتی ہے۔ پھر فرمائیے کہ ایسی سے کسی کو محبت ہو تو کیوں؟ کس کی مصیبت آئی ہے کہ وہ ایک لامحدود زمانے تک گزشتہ تفتیش کی حسرت۔ موجودہ حالت کی مصائب، شباب کے جنون عشق۔ بڑھاپے کی مجبوری کا ناقابل برداشت بوجھ اٹھائے۔ پڑوسیوں کو تڑپتا دیکھے اور مدد نہ کر سکے۔ عقل رکھے اور گمراہ رہے اور اگر یہ نہ ہو تو جنگل کے وحشیوں میں آ بیٹھے اور بناس پتی پر گزارے۔ موت اگرچہ ایک نہایت تلخ چیز ہے۔ لیکن اسی وقت تک جب تک خیال موت ہو اور جہاں وقت گزرا بس پھر کچھ نہیں۔ بالکل سانپ کی کینچلی کی مثال ہے کہ جب تک سانپ کینچلی

میں رہا ایک مصیبت میں رہا۔ اس کے اتارنے سے ڈرا اور جہاں اُتار پھینکی۔ ایک آسائش اور اطمینان معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی جب تک زندہ رہا مصیبت میں رہا اور موت کے خیال سے بھی بھاگتا رہا۔ لیکن جہاں موت آگئی بس اس سے بڑھ کر سبک رُوح کوئی نہیں۔ میرے نزدیک تو ایسی ہمیشگی سے کہ جس میں ہزاروں مصائب سوہان رُوح ہوں جلد مرجانا لاکھ جگہ بہتر ہے۔ قطع نظر اس کے بڑے بڑے مہتم بالشان کام جن کے اصول کے لئے انسانوں نے اپنی جانیں لڑادی ہیں جب حاصل ہو گئے تو ان ہی لوگوں کو اس میں لطف نہ آیا اور اکثر خیال آیا کہ کیوں خواہ مخواہ محنت برباد کی۔ خیال حصول میں جو لطف ہے وہ حصول میں نہیں۔ انتظار میں جو مزہ ہے وہ وصال میں نہیں۔ امید میں جو لذت ہے وہ اس کے بر آنے میں نہیں۔ بچپن میں جو جوانی کے خواب اور اس کے ولولے نظر آتے تھے وہ بہ نسبت جوانی کے زیادہ لطف دیتے تھے۔ جوانی میں پیری کے زہد و اتقا کا خیال زیادہ مزیدار تھا۔ مگر جب یہ دونوں چیزیں حاصل ہو گئیں تو اپنی حرکات طفلانہ پر بہت ہی ہنسی آئی۔ اسی طرح اگر میں اس آگ میں کود بھی پڑا تو بس تمام حظ گیا اور ہزاروں برس کے مصائب کی آنتیں مفت گلے پڑیں۔ نہیں عذرا بس مجھے معاف ہی کیجئے"۔

عذرا۔ حنیف! پھر سوچ لے۔ دیکھ ازدیاد عمر۔ قوت۔ حسن۔ عقل اور علم عجائبات عالم وہ چیزیں ہیں جن کو انسان جان و دل کے بدلے میں بھی ارزاں ہی سمجھتا ہے"۔

میں۔ "کچھ سہی۔ مگر میں تو ازدیاد عمر یا بہ تبدیل الفاظ دنیا کے جاں فرسا مصائب کو اپنے ایک بال کے عوض میں بھی گراں ہی سمجھتا ہوں۔ یہ جتنی چیزیں آپ نے گنائی ہیں ان کا لطف بھی محض خیالی ہے۔ ازدیاد عمر یعنی قید بامشقت۔ قوت یعنی حیوانیت۔ حسن یعنی جاہلانہ غرور۔ عقل یعنی جھوٹا طمع۔ علم عجائبات عالم یعنی سراب حیات۔ ایسی چیزوں کو کوئی لے کر کریگا کیا؟ عقل و علم گو فی نفسہٖ اچھی چیز ہوں۔ مگر کوئی چاہے کہ ان میں کامل ہو یہ میں مانتا نہیں۔ ہر چیز اور بالخصوص ان کا کمال ذوات خاصہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اور وہی ان کا بار اٹھا بھی سکتے ہیں۔ عذرا طمع اور بلند نظری ایک سیڑھی ہے جس میں لاکھوں اور کروڑوں ڈنڈے لگے ہوئے ہیں۔ اس کی بلندی

پر نگاہ نہیں پہنچتی۔ انسان کی عمر گزر جاتی ہے اور غایت بلندی پر نہیں پہنچ سکتا۔ واپس آ نہیں سکتا۔ ڈنڈوں پر ٹھیرنے اور رہنے کی جگہ نہیں۔ بس اسی کا نام کافر ماجرائی ہے۔ ازیں سو ماندہ وازاں سو راندہ۔ اس پر بھی دیکھا گیا ہے کہ اکثر زیادتی دولت سے آدمی کو نفرت ہو گئی ہے۔ مال و دولت سے اس کا دل آسودہ نہیں ہوتا۔ پھر فرمائیے کہ کیا لطف باقی رہا۔ یہی حال علم و عقل کا ہے۔ کمال تک پہنچ نہیں سکتے۔ مذبذبین بین ذالک کی تعبیر ہے۔ تاریکی کامل۔ اب دیکھئے کس گڑھے میں گریں اور کیا انجام ہو۔ اور حقیقت میں اگر چراغ ہدایت سامنے نہ ہو تو گڑھے میں گرنا یقینی۔ اس علم و عقل کی مثال بالکل ان چراغوں کی ہے جو کھوؤں میں اور غاروں میں جلتے ہیں کہ ہزار روشنی ہو اکرے عمق ہی عمق نظر آئیگا یا ادھر اُدھر اندھیرا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ کو اس آگ میں کود کر کونسی نئی بات حاصل ہو جائیگی" +

عذرا "نہیں حنیف تو بڑی غلطی کر رہا ہے۔ عشق وہ چیز ہے جو تمام چیزوں کو لطیف بنا دیتا ہے۔ مشت خاک میں اکسیر کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے۔ اگر عشق پہلو میں ہو تو خیال دوست میں اس لطف سے کٹتا ہے کہ شاید بہشت میں بھی یہ بات حاصل نہ ہو۔ عشق وہ چیز ہے جو مادہ کم و کیف سے آدمی کو بالا کر کے ایک اور دنیا میں پہنچا دیتا ہے ۔" +

میں (ہنسکر) "لیکن اس آگ میں نہا لینے کا غالب نتیجہ یہ تو نہیں ہوتا کہ آدمی خواہ مخواہ کسی پر عاشق ہو ہی جائے۔ غالب نتیجہ تو یہی ہے تا کہ آدمی کی عمر ہزاروں برس کی ہو جائے۔ اور فرض کیجئے کہ اس کو عمر بھر میں کسی پر عاشق ہونے کا موقع نہ ملا تو اور بھی تلخ گزری۔ اب فرض کیجئے کہ وہ جس شخص پر عاشق ہوا وہ ایک پتھر ہے کہ اس پر کچھ اثر ہی نہیں ہوتا تو پھر؟ آدمی چاہتا تو یہ ہے کہ وہ اپنی تصویر موم پر بنائے اور ملاے اُسے پتھر سے جو کمبخت نہ مارے ٹوٹے نہ گلائے گلے۔ پھر فرمائیے ہ تمہیں عذرا میرے (اور میرے کیا دنیا بھر کے) مناسب حال یہی ہے کہ وہ تھوڑے عرصے کے لئے (خواہ سو برس ہی کیوں نہ ہوں) جئے۔ بڈھا ہو۔ اور مر جائے۔ بعد از موت مجھے جو بقا حاصل ہونے والی ہے وہ آپ کی عطیہ بقا سے زیادہ مستحکم و مستقل ہے۔ آپ کی عطیہ بقا اس کے

مقابلے میں قطرے کے سامنے دریا کی مناسبت بھی نہیں رکھتی۔ یہ وہ بقا ہے جس کو فنا نہیں۔ وہ عمر ہے جس میں مصائب نہیں۔ وہ صاف راستہ ہے جس میں کانٹے نہیں۔ وہ لطف ہے جس کا خاتمہ نہیں + جب تک ہماری یہ ہیئت کذائی باقی رہیگی ممکن نہیں کہ ہم مختلف آلام۔ گوناگوں گناہ سے بچ سکیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جو ہر وقت نیش عقرب کے اثر کی طرح انسان کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتیں لیکن جہاں اس ڈھانچے کو فنا ہوئی اور رُوح نے اپنے اعلےٰ مقام کو پرواز کرکے ایک حیات تازہ پائی۔ ان آفات سے تو امن ہو جائیگا" +

عذرا "حنیف! تیری نظر بہت بلند ہے۔ تو ہر چیز کو اپنے عقاید کی عینک سے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ امر تسلیم کر لینے کے قابل ہے کہ جو چیزیں اس عینک سے نظر آتی ہیں وہ ہر شخص کی نظر میں نہایت خوشنما ہوتی ہیں۔ کوئی شخص چاہے کہ کسی کو اس کے اصول کے خلاف کوئی بات منوا دے۔ سر پٹخ کر مر جائیگا۔ مگر نہ ہو سکیگا۔ اس لئے میں تجھ سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ ہاں مجھے تیرے عقاید معلوم ہوتے یا تیرے فلسفہ کے اصول سے واقف ہوتی تو تجھ سے تیری غلطی منوا کر چھوڑتی۔ اور اب بھی واقفیت کے بعد مجھے تجھ سے بحث کرنے کا اتفاق ہوگا۔ تو بجز اس کے کہ تو ایسا موقع ضایع کر دینے پر نہ پچتائے تو میرا ذمہ۔ یا تیری آنکھ اس وقت کھلیگی کہ بُڑھاپے کے تمام عیب تجھ پر حملہ کرینگے۔ چلنا تجھے دوبھر ہوگا۔ بات کرنی تجھے مشکل ہوگی۔ اس وقت بجز اس کے کہ تو اپنی حماقت پر افسوس کرے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ انسان کو جو کچھ بے منت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو کبھی خوشی کے ساتھ قبول نہیں کرتا اور اس سے اعلےٰ و ادنےٰ چیز پر نظر رکھتا ہے۔ ستاروں کے پکڑنے کے لئے دوڑتا ہے اور چراغ جو بآسانی مل سکتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔ ستارے دُور سے کھڑے ہو کر اس کو چڑاتے ہیں اور چراغ کو لیتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔ حسن اُسے پسند نہیں آتا کہ اس میں وہ نمایش کہاں؟ عقل کو وہ اختیار نہیں کہ اس میں وہ بلندی کہاں؟ نام آور بننا نہیں چاہتا کہ اس میں وہ شہرت کہاں؟ دولت وہ حاصل نہیں کرتا کہ اس میں وہ ہمیشگی کہاں؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ستاروں تک اس کو دسترس نہیں ہوتی

اور چراغ اُسے اب ملتا نہیں۔ بس اندھیرے میں کھڑا رہ جاتا ہے۔ حنیف! تو بھی ان ہی احمقوں میں ہے۔ بلکہ ان سے زیادہ۔ کیونکہ تو ستارے کو چھوڑ کر چراغ کے پیچھے بھاگ رہا ہے"۔

میں خاموش ہو رہا اور مدعائے اصلی ظاہر نہ کر سکا۔ اگرچہ کنایتہً کہہ گیا ہوں کہ ظالم تجھ پر مرتا ہوں اور تیرے حاصل ہونے کی امید نہیں۔ پھر ایسی زندگی کو لے کر کیا کرونگا جس میں تیرا فراق بلائے بے درماں کی طرح گلے کا ہار رہیگا اور یہ مصیبت بھی چند روزہ نہیں کہ خیر آدمی صبر کر لے۔ ہزاروں برس کے لئے۔

عذرا (امین سے) "قرطیس! مجھے اب تک یہ معلوم نہ ہوا کہ تم میری تلاش میں یہاں تک کس طرح پہنچ گئے۔ تمہیں میرا حال کیونکر معلوم ہوا؟ کل تمہاری زبان سے اتنا تو سُنا تھا کہ قرطیس کو تم اپنا مورث اعلےٰ جانتے ہو۔ اس کا تمہیں کیونکر علم ہوا؟

امین نے اس امانت خاندانی کا مفصل قصہ سنایا اور اپنی مورثہ اعلےٰ امیراٹس کی تحریر بھی جہاں تک یاد تھی سُنائی۔ عذرا بڑے غور سے سنتی رہیں اور پھر ہنس کر امین کا منہ چوم لیا۔

عذرا "کیوں حنیف! میں نہ کہتی تھی کہ اکثر بُرے کاموں کے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔ آدمی کچھ بوتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ کیا کاٹیگا اور جو مارتا ہے یہ نہیں جانتا کہ کہاں چوٹ لگیگی۔ وہ مصری امیراٹس دریائے نیل کی مردود شاہزادی جو میری سخت دشمن تھی اور میں اب تک اس کی دشمن ہوں۔ کیونکہ اس نے کل تک بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا تھا۔ خود ہی اپنے محبوب کو مجھ تک پہنچانے کی ذریعہ بنی۔ میں نے اُسی مُردار کی وجہ سے قرطیس کو قتل کیا تھا۔ اور دیکھ اُسی نے قرطیس کو میرے پہلو میں لا بٹھایا۔ اس نے کی تھی میرے ساتھ بُرائی اور وہ میرے لئے بن گئی بھلائی۔ بویا تھا وہ بیج کہ میرے سانپ بچھو پیدا ہوں۔ مگر پیدا ہوا اکسیر۔ اس کی دشمنی ہی نے میرے ہاتھ وہ چیز ڈال دی جس کو میں دنیا و مافیہا کے بدلے میں ارزاں سمجھتی ہوں۔ لے اپنے خیالات اور عقاید کی اصلاح کر لے"۔

عذرا (امین سے) ”تو وہ اپنے بیٹے کو وصیت کر کے مری تھی کہ جس طرح بنے مجھے اپنے باپ کے خون کے عوض میں مار ڈالے۔ قرطیس! تم ایک حساب سے اس کتیا کے بیٹے ہو اور ایک حساب سے اس بیٹے کے باپ۔ یا اس مصریہ کے شوہر۔ (ایک چھری امین کے ہاتھ میں دیکر اور اپنا سینہ ننگا کر کے) دیکھو قرطیس! تمہارے ہاتھ چھری ہے اور یہ دیکھو میرے سینے میں دل دھڑک رہا ہے۔ میں خود تمہارے قبضے میں ہوں ایک ہی ضرب میں اپنی مورثہ کی وصیت پوری کر دو۔ اور اپنے خاندان کو ہمیشہ کے تردد و افکار سے چھڑا دو۔ ہاں تامل کیا ہے“؟

امین ”عذرا! تم جانتی ہو کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا۔ اپنے مورثوں کی وصیت کے خیال سے بھی میرا ہاتھ نہ اُٹھیگا۔ میں غلامانہ تمہارے قبضے میں ہوں۔ تمہیں مارنے سے تو خودکشی کرنا بہتر جانتا ہوں“+

عذرا (سینہ ڈھک کر) ”مجھے اب اطمینان ہؤا کہ تم پر میری محبت غالب آتی جاتی ہے۔ ہزار شکر ہے۔ اچھا اب ذرا اپنے ملک کا حال تو سناؤ۔ بڑا آباد اور سرسبز ملک ہوگا۔ سلطنت بھی رومتہ الکبرےٰ سے کچھ کم نہ ہو گی۔ میرا جی قبول نہیں کرتا کہ تم اس وحشی ملک میں ان کھوؤں میں اپنی عمر گزار دو۔ میں خود یہاں سے تنگ ہوں۔ ذرا تم میرے جیسے ہو جاؤ تو میں بھی تمہارے ساتھ مصر چلونگی اور تم اس ملک کے مالک و بادشاہ ہوگے“+

امین ”ہمارے ملک میں اب بھی خدا کے فضل سے ہمارا ہی ہم قوم و ملت بادشاہ موجود ہے“+

عذرا ”ہؤا کرے۔ اس کو معزول کرتا کون بڑی بات ہے“؟

میں (گھبرا کر) ”لیکن آج کل سلطنتوں کا وہ اصول نہیں رہا ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہمارے ایک نہیں تین بادشاہ ہیں۔ آپ کس کس سے لڑینگی“+

عذرا (تعجب سے) ”ایک ملک میں تین بادشاہ! یہ ڈھنگ ہی نرالا ہے۔ بھلا کون کون بادشاہ ہیں“؟

میں ”خدیو مصر۔ سلطانِ روم اور ملکۂ انگلستان“+

عذرا "ایمنین نہیں ہزار بادشاہ ہوں تو کیا ہے؟ میرے قرطبس کے ہوتے نہ کوئی خدا[۱] رہ سکتا ہے۔ نہ سلطان۔ میں دکھلا دونگی کہ چند ہی روز میں تمام دنیا پر میں اور قرطبس ہی حکمران ہونگے" +

مجھے سخت تردد ہوا کہ دیکھئے یہ عورت کیا کیا غضب ڈھاتی ہے؟

عذرا "اچھا اب تم دونوں جاؤ۔ مجھے سفر کی تیاریاں کرنی ہیں۔ تم دونوں اور تمہارا آدمی بھی سب تیار ہو جائیں۔ کوئی فضول چیز ساتھ لینے کا فکر نہ کرنا۔ دو ہی روز کے بعد تو ہم واپس آ جائینگے۔ یہاں آ کر مجھے اس ملک کا انتظام کرنا ہوگا اور پھر ہم سب ہمیشہ کے لئے یہاں سے رخصت ہونگے" +

ہم چلے آئے۔ لیکن مجھے ایک تازہ فکر پیدا ہو گیا کہ دیکھئے یہ عورت مہذب دنیا میں پہنچ کر کیا کیا گل کھلاتی ہے اور کیا کیا فساد برپا کرتی ہے؟ اس کی طاقتوں کا تو میں اندازہ کر ہی چکا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس کا غرور اور بلند نظری دنیا پر قبضہ کئے بغیر چین نہ لیگی اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کمبخت نہ خود مرے۔ اور نہ کسی کے مارے ماری جائے تو اس صورت میں جو کچھ چاہیگی کر گزریگی۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ دنیا پر قابض ہو کر ایک بڑی مضبوط سلطنت قائم کر لیگی +

اگرچہ یہ بات بظاہر ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ لیکن واقعات سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا اور یہ واقعات ایسے تھے کہ عذرا کے دنیا بھر پر قابض ہو جانے میں کوئی شک نہ چھوڑتے تھے۔ دیکھئے کیا نتیجہ ہو۔ بالفعل تو یہ حالت ہے کہ شاید خداوند عالم ہی کو منظور ہے کہ دنیا کی بساط نئے سرے سے جھاڑ کر بچھائی جائے۔ اور ایک ایسی تازہ سلطنت قائم ہو کہ جس کے فرمان قضا عنوان ہوں اور دنیا بھر

---

[۱] افسوس ہے کہ مجھے آخر تک یہ معلوم نہ ہوا کہ عذرا پر کسی ہتھیار کا بھی اثر ہوتا ہے یا نہیں جہاں تک خیال ہے اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ ورنہ دو ہزار برس میں کوئی نہ کوئی واقعہ تو اس پر ضرور گزرا ہوگا کہ کوئی معمولی سا آدمی ہوتا تو مر رہتا۔ ایمن کے ہاتھ میں بے تکلف چھری پکڑا دینا بھی اسی کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ بھلا عذرا کوئی ایسا کام کرتیں جس سے وہ خود معرض خطر میں پڑ جاتیں (حنیف)

میں کوئی شخص اُدھر نگاہ کرنے والا بھی نہ باقی رہے۔ ؎
ورنہ ایمان گیا ہی تھا خدا نے رکھا

باب بست وسوم

مابدل شادیم از داغ و بہارِ ماmپرس
درجہانِ عشق زادیم از دیارِ ماپرس

ہماری تیاری ہی میں کیا دیر لگتی تھی۔ ایک ایک جوڑا ساتھ رکھ لیا اور دو تمنچے اور ایک بندوق احتیاطاً ساتھ لے لی۔ باقی تمام چیزیں اچھی طرح باندھ کر وہیں چھوڑ دیں۔ اوّل وقت عصر کی نماز پڑھی۔ عذرا کے پاس گئے تو وہ بھی اپنی کالی کفنی پہنے تیار بیٹھی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مسکرا کر پُوچھا کہ "تیار ہو" +

میں "جی ہاں ہماری تیاری ہی میں کیا دیر لگتی ہے۔ لیکن مجھ سے اگر آپ پوچھتی ہیں تو جس کام کے لئے آپ نے تیار کرایا ہے۔ اس کا کچھ اعتبار ہی نہیں" +

عذرا "کچھ شک نہیں کہ تو بالکل ان بیہودیوں کا سا خیال ہے جن کو یاد کرکے مجھے نفرت ہوتی ہے۔ کمبخت چاہتے تھے کہ خدا ہمیں دکھلا دو تو ہم ایمان لائیں گے مگر خیر تجھے معلوم ہی ہو جائیگا۔ جلدی کرنا چاہئے۔ زندگی کا کیا اعتبار ہے۔ نہ معلوم کب اور کہاں ختم ہو جائے" +

میں "ہاں! نہ معلوم کب اور کہاں ختم ہو جائے"؟

باہر نکلے تو بالکل سناٹا تھا۔ صرف یاقوت ایک ڈولی کے پاس کھڑا تھا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ عذرا نے حکم دیدیا تھا کہ اس وقت کوئی شخص وہاں نہ رہے۔ اس لئے ہمارے چلنے کی خبر اس وقت سوائے یاقوت یا عذرا کے اُن باڈی گارڈ گونگوں کے نہ

معلوم ہوتی تھی جن کا عدم و وجود برابر تھا +

عذرا ڈولی میں سوار ہوئیں اور کسی مصلحت سے ہم سب کے لئے پیدل چلنا تجویز کیا گیا۔ گھوڑوں میں بیٹھے بیٹھے جی بھی اُکتا گیا تھا۔ ہم نے شکر کیا مردوں سے زندوں میں آئے اور پیر کھولنے کا موقعہ ملا +

تھوڑی سی دیر میں ہم ایک جھیل کے کنارے پہنچے۔ جس میں آج کل کھیت لہلہا رہے تھے اور یہیں سے وہ نہر شروع ہوتی تھی جو مین بارش کے موسم میں بھی یہاں پانی نہ ٹھہرنے دیتی تھی۔ تاوقتیکہ آدمی بر سر موقعہ کھڑا ہو کر نہ دیکھے۔ اس نہر کی ضرورت نہیں معلوم کر سکتا۔ نہر کے کھودنے میں جو کمال فن انجینیری کا اس قوم نے دکھایا تھا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہر دیکھنے والا اگر بغور دیکھے تو اس کو نہر سویز وہاں کے کمال کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہوگی +

اس وقت چونکہ خشکی ہو گئی تھی۔ ہم نے آدھے گھنٹے میں بہت سا راستہ طے کر لیا اور ہم شہر کور کے کھنڈرات میں جا پہنچے۔ ہم ان کھنڈرات کو دور سے دیکھ دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ پاس پہنچنے پر اور بھی عقل حیران ہو گئی۔ شہر بابل اور تھینس سے اگر مقابلہ کیا جائے تو یہ شہر کچھ ایسا بڑا نہ تھا۔ اس کی بیرونی فصیل نے زیادہ سے زیادہ تیرہ چودہ مربع میل زمین پر احاطہ کیا ہوگا۔ فصیل شہر بھی بابل کے مقابلے میں کچھ اونچی نہ تھی اور فی الاصل اونچی فصیل کی اس قوم کو چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ باہر کے حملہ آوروں کا ان کو ڈر نہ تھا۔ اور خانہ جنگی کے لئے اتنی ہی فصیل کفایت کرتی تھی۔ دیوار جتنی اُونچی تھی اتنا ہی چوڑا آثار رکھا گیا تھا اور عجب نہیں کہ اتنی مدت کے قیام میں یہ آثار بھی بہت کچھ مددگار رہا ہو۔ اس کی تعمیر میں وہی پتھر ریختہ کر کے خرچ کیا گیا تھا جو گھوڑوں کے کھودنے میں نکلا تھا۔ فصیل کے گرد کوئی تیس چالیس گز چوڑی اور اسی قدر گہری خندق تھی جس میں اس وقت بھی کہیں کہیں پانی بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ پیشتر ہم اس خندق پر پہنچے۔ پرانے زمانے کا پل بالکل ٹوٹ کر کھنڈر پڑا تھا۔ اس لئے خندق کے پار ہونے میں ذرا عرصہ لگا۔ کاش میرے قلم میں اس قدر طاقت ہوتی کہ میں ان

کھنڈرات کی تصویر ناظرین کے سامنے پیش کر سکتا۔ ہم جس وقت شہر کے اندر داخل ہوئے ہیں تو تمام ٹوٹی پھوٹی عمارات پر ڈوبتے ہوئے آفتاب نے سرخ رنگ کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی مجلس میں تمام حضار نہایت متانت سے ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ یہ عمارات اپنے بانیوں کی یاد میں اس قدر خون روئی ہیں کہ ان کا لباس تک خون ہو گیا ہے یا یوں کہئے کہ یہاں کے باشندوں کی سیاہ کاری پر آسمان اب تک برسرِ رحم نہیں آیا ہے اور ان پر خون برسا رہا ہے۔ میلوں تک مختلف بڑی بڑی عمارات کھڑی نظر آتی تھیں۔ مگر کس حال میں کہ کسی کی منڈیر ندارد ہے تو کسی کا دروازہ۔ کسی کا بالاخانہ گر گیا ہے تو کسی کی دیوار۔ ہونے کو شاہی قلعہ بھی تھا اور اُمرا کے محلات بھی۔ منادر و خانقاہ۔ سیرگاہ دریائیں باغ سب ہی کچھ موجود تھے۔ مگر کس بے کسی اور کس مپرسی کی حالت میں کہ! اللہ اکبر! کلیجے پر پتھر رکھ لیجئے تو دیکھئے۔ مجھے ان کو دیکھ کر یہ وائیں یاد آئیں کہ بال اُلجھے ہیں تو پروا نہیں۔ کپڑے میلے ہیں تو بلا سے۔ بیمار ہیں تو کوئی خبر گیراں نہیں۔ مر گئیں تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سنگار کا خیال ہو تو دیکھنے والا کون ہے؟ بیمار ہوں تو تیمار داری کون کرے؟ کس مپرسی ہیں مر گئیں تو آنسو بہانے والا نہیں ملتا۔ اللہ اللہ!

باستثنائے چند باقی تمام کی چھتیں گری ہوئی تھیں۔ لیکن پختگی عمارات اور طرز تعمیر نے دیواریں اور محرابیں قریباً سب ہی قائم رکھی تھیں[1] +

اس وقت جس مقام پر ہم چل رہے تھے شاید کسی زمانے میں یہ چوک یا شہر کا صدر بازار ہو گا۔ کیونکہ نہایت وسیع چوڑا چکلا بازار تھا۔ دونوں طرف نہایت خوشنما محرابی دوایں

[1] شاید تعجب کیا جائے کہ چھ ہزار برس سے زیادہ کی عمارتیں اب تک اس حالت میں بھی کیسے باقی رہ گئیں مگر یاد کرنا چاہئے کہ یہ عالیشان دارالسلطنت کسی زلزلہ یا آگ کے صدمے سے تباہ نہیں ہوا تھا کہ اسکی عمارتوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ دبانے دو ہی چار روز میں اجاڑ کر عمارتوں کو اپنے بانیوں کے غم میں سر پیٹنے کیلئے چھوڑ دیا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں کی آب و ہوا ابھی معتدل مائل بہ خشکی ہے۔ بارشیں کم ہوتی ہیں۔ زلزلوں کا اثر بھی کم محسوس ہوتا ہو گا۔ اسلئے انکا اس حالت میں باقی رہنا کچھ مستبعد نہیں لیکن ہزار کچھ ہو زمانے کے زبردست ہاتھ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اگرچہ بہت عرصہ ہی ہوا مگر تاہم اسکے دستبرد سے یہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں (حنیف)

تھیں محرابوں کے رکاؤ پر نہایت خوش وضع پھول بوٹے بنے ہوئے تھے۔ لیکن آج کل تو انسانی صنعتوں سے مقابلہ کرنے یا ہنسنے کے لئے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں دیواروں میں اُگ آئی تھیں بعض بعض جگہ تو ان بوٹیوں نے وہ ظلم کیا تھا کہ دیوار توڑ کر رکھ دی تھی۔ ہائے بیکسی کیسی بُری چیز ہوتی ہے!! اس چوک سے مختلف راستے نکلتے تھے۔ جن پر اس وقت جلی ہوئی گھاس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہ راستے اکثر تو محلوں میں پہنچ کر غائب ہو جاتے تھے۔ اور بعض بعض قریب کے چھوٹے سے جنگل میں جو معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں سیرگاہ رہی ہوگی۔ افسوس ہے کہ ہم کو اس شہر کے محلوں میں جانے اور متوسط الحال لوگوں کے گھروں کو دیکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ ورنہ ان کے طرز تمدن وغیرہ کی نسبت رائے قائم کی جا سکتی۔ اتنا تو معلوم ہوتا تھا کہ اُمرا کے ہر مکان کے ساتھ ایک ایک پائین باغ کا ہونا لازمی تھا۔ ہر ایک عمارت کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ نہ دیکھنے کی ہمیں اب تک حسرت ہے اور کسی کو تو کیا موقعہ ملیگا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا قدم بھی وہاں شاید ہزاروں برس کے بعد پہلا قدم ہوگا جو زندہ انسان کا پڑا ہوگا[۱]۔

تھوڑی دور آگے چل کر ہم اور بہت بڑی اور عالیشان عمارت پر پہنچے۔ جس کو میں نے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ کوئی مندر ہے اور حقیقت میں میرا قیاس صحیح نکلا۔ یہ عمارت کم سے کم ہزار گز مربع میں بنی ہوئی تھی۔ نہایت پختہ اور خوشنما عمارت تھی۔ اس میں کئی صحن اس قطع سے نکالے گئے تھے کہ پہلا صحن سب سے بڑا تھا اور اس کے بعد ہر صحن پہلے کے بعد دیگرے چھوٹا ہوتا چلا گیا تھا۔ ہر صحن کو بڑے بڑے اونچے ستونوں احاطہ کئے ہوئے

---

[۱] کیونکہ بقول یاقوت کے بنو الجر کے نزدیک یہ مقام آسیب زدہ تھا۔ یہ لوگ اس کے قریب تک آتے ڈرتے تھے۔ چہ جائیکہ شہر کے اندر داخل ہوں۔ یاقوت بھی گو ہمارے ساتھ تھا مگر بہت ڈرا ہوا تھا۔ وہ بھی اس اطمینان پر کہ ملکہ مطلع الکل اس کے ساتھ ہیں۔ اس کو کسی جن یا آدمی سے نقصان نہیں پہنچ سکتا مجھے اور امین کو یہ خیال کر کے سخت تعجب ہوا کہ ان وحشیوں کو مردوں کے ساتھ رہنے اور ان کے کفن کو اپنے کام میں لانے۔ بلکہ لاشوں کو جلا کر روشنی کرنے میں تو ڈر نہیں لگتا۔ اور ڈرتے ہیں تو ویران شدہ شہر سے جس میں وہی مرنے والے اپنی عمریں گزار گئے۔ لیکن ان کمبختوں کی اور ہی کونسی کل ٹھیک ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح کی وحشت ہے۔ (حنیف)

تھے۔ یہ ستون ایک خاص قطع کے تھے جو سوائے وہاں کے ہمیں دوسری جگہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بیچ میں موٹے ہو کر آدمیوں کی کمر جیسی بناتے تھے اور دونوں طرف گاؤدُم ہوتے چلے گئے تھے۔ میں نے پہلے تو یہ سمجھا تھا کہ جس طرح دنیا کے اور بت پرستوں میں اکثر ستونوں اور دیواروں پر عورتوں کی تصویریں بنانے کا دستور ہے۔ شاید ان لوگوں نے کسی قدر تہذیب کو کام میں لاکر یہ شکل عورت کے لئے اختراع کی ہوگی۔ لیکن دوسرے روز ہم نے کچھ درخت تاڑ کی قطع کے پہاڑ پر دیکھے جن کا تنہ بالکل ان ہی ستونوں کے قطع کا تھا۔ ان کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ وہ ستون ان ہی درختوں کی نقل ہیں۔ ان ستونوں کی قدوقامت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ایک بڑے کا میں نے اندازہ کیا تھا تو اس کا نچلا حصہ سترہ اٹھارہ فٹ مُدّور اور کوئی ستر فٹ بلند تھا۔ اسی سے تمام عمارت کا موازنہ کیا جاسکتا ہے ✤

چونکہ شام ہوچکی تھی اور چاند پر روشنی آگئی تھی۔ عذرا اسی مندر میں اتر پڑیں ✤

عذرا اے فرطیس یہاں کہیں ایک بہت ہی اچھی سونے کے قابل جگہ بنی ہوئی تھی۔ اس کو تلاش کرکے آج رات وہیں گزارنی چاہئے۔ دو ہزار برس ہوئے کہ میں تجھے یہیں لائی تھی۔ وہ مصریہ ساتھن بھی ساتھ تھی۔ تب بھی رات ہم نے وہیں گزاری تھی۔ اس کو دو ہزار برس گزر گئے۔ اب نہ معلوم وہ جگہ باقی رہی ہوگی یا نہیں جگہ بڑے آرام کی تھی" ✤

عذرا کچھ آگے بڑھیں اور اِدھر اُدھر دیکھ بھال کر ایک جگہ کھڑی ہوگئیں۔ اپنے گونگے حمالوں کو اشارہ کیا۔ وہ تمام ناشتہ وہیں لے آئے۔ ایبن کو بھی بلالیا۔ اور میں اور ایوّب بھی وہیں پہنچ گئے ✤

ایک گونگے نے چقماق سے آگ جھاڑی اور لاش کے ایک ٹکڑے میں آگ لگاکر روشنی کردی۔ اوّل تو یہ لاشیں یوں ہی خوب جلتی ہیں۔ لیکن ان وحشیوں میں یہ قاعدہ ہے کہ سفر میں وہ ہمیشہ ایک چقماق اور کسی لاش میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اپنے پاس رکھتے ہیں۔ پہلے اس کو تیل میں ڈبو لیتے ہیں اور اس کے گرد مٹی تھوپ دیتے ہیں۔ جلاتے وقت یہ مٹی ذرا سی کہیں سے ہٹا دیتے ہیں اور اس میں آگ لگا دیتے

ہیں۔ جیسے جیسے جلتا جاتا ہے۔ مٹی ہٹاتے جاتے ہیں۔ اس ترکیب سے گھنٹوں یہ چراغ جلتا رہتا ہے۔ غرض چراغ کی روشنی سے ہم نے دیکھا کہ جس مقام پر ہمیں رات گزارنی ہے۔ یہ مندر کا دروازہ ہے۔ اور محراب کے لداؤ میں ایک کمرہ (شاید فی الاصل درباتوں کے بیٹھنے کے لئے بنایا گیا ہوگا) نکالا گیا ہے۔ وہ ہمارا آرامگاہ بننے والا ہے اس کمرے میں ایک بہت بڑی چوکی تراشے ہوئے پتھر کی تھی۔ یہی ہمارا پلنگ تھا +

گونگوں نے اس کمرے کو صاف کرکے ہم سب کو اندر بلا لیا۔ ہم سب نے سب سے پہلے کھانا کھایا۔ میں اور امین ان کھنڈروں کے متعلق کچھ باتیں کرنے لگے۔ اور ایّوب دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا +

عذرا "قرطیس! جانتے ہو یہ کون مقام ہے؟ پچھلی باتیں یاد آکر سخت صدمہ ہوتا ہے۔ جس جگہ تم اس وقت بیٹھے ہو ٹھیک وہی جگہ ہے جہاں میں نے دو ہزار برس ہوئے تمہاری لاش کو لاکر رکھا تھا۔ ہائے کیا بُرا وقت تھا" +

امین تو یہ سُنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ڈر کر دوسری جگہ جا بیٹھے +

عذرا "میں یہاں تمہیں دو غرض سے لائی ہوں۔ ایک تو یہ کہ ان کھنڈرات کے نظارے کا لطف تم اس چاندنی میں اُٹھا سکو۔ یہ وہ چیز ہے کہ شاید کسی زندہ انسان کو نصیب نہ ہوگی۔ دوسرے میں چاہتی ہوں کہ تمہیں یہ عالیشان مندر اور شہر کور کے دیوتا کا بُت دکھلاؤں جس کو یہ بصارت و بصیرت کے اندھے پُوجا کرتے تھے" +

یہاں تامل ہی کیا تھا۔ ہم فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے +

اس عمارت کے ایک ایک صحن اور کمرے کا رقبہ سمیت مفصل حال بیان کرنا کچھ ایسا دلچسپ نہ ہوگا۔ لیکن اس کی لطافت و صنعت جو کچھ ہم نے دیکھی ہے۔ کسی طرح میرے قلم سے بیان نہیں کی جائیگی۔ ایک خوبصورتی سے چھوٹے ہوئے صحن اور قطار در قطار ستون جن میں سے اکثر صناعوں نے اپنا کمال صنعت خرچ کر دیا تھا وہ چیزیں ہیں جن کا بالتفصیل بیان کرنا ذرا کام رکھتا ہے۔ بہت سے خالی پڑے ہوئے کمرے زبان حال سے اپنی دردناک کہانی کہ رہے تھے اور

تنہائی - بیکسی - خاموشی - پرانے زمانے کی روحوں کو آغوش میں لئے ہوئے ہمہ گوش
سُن رہے تھے - عجیب عبرتناک سماں تھا - ہم پر وہ اثر تھا کہ آواز نہ نکلتی تھی
یا زور سے بولنے کی جُرأت ہی نہ ہوتی تھی - عذرا اپنے سے بھی بڑی عمر کی چیزیں
دیکھ کر کچھ رُعب میں آئی ہوئی تھیں - ہمارے آہستہ سے بولنے میں بھی وہ صدا
ان نیند کے ماتوں کے آرام میں خلل انداز ہوتی تھی - چاندنی ایک ایک چیز کو
اپنے سنہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھی - گری پڑی دیواروں پر وہ غازہ پھرا
تھا کہ وہ بجائے بھیانک ہونے کے دلکش ہو گئے تھے - حقیقت میں بقول عذرا
کے شہر کور کے کھنڈرات اس چاندنی میں کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ آدمی
کے چشم و دل کبھی سیر ہونے میں نہ آتے تھے - ذرا خیال کیجئے کہ یہ عمارات ہزاروں
برس سے اپنے سینے کے سوراخ اس آسمان کو پڑی دکھلا رہی ہیں - فرشتگانِ
مَلاءِ اَعلےٰ ان کو دیکھ کر عبرت سے کانپتے ہیں - مگر اس کے دوصناعوں کی سیاہکاریاں
اور ادبار کی نحوست اب بھی کسی کو رحم نہیں کرنے دیتیں - ایک ایک گرے پڑے
پتھر سے پوچھئے تو وہ آپ بیتی کہانیاں سُنائیں کہ سینہ شق ہو جائے - لیکن ایسے
پتھّر کے دل کوئی کہاں سے لائے - اور کس کو غرض کہ ان کے حال زار پر توجہ کرے
چاندنی نہایت بے قدری اور بے پروائی کے ساتھ اس معبد کو اپنے پیروں
تلے روند رہی ہے - لمبے لمبے ستونوں کا سایہ ہاتھ بڑھا بڑھا کر اس کا دامن
پکڑ کر کچھ کہنا چاہتا ہے - لیکن شنوائی ہوتی نہ دیکھ کر - بسمل لوٹنے لگتا ہے - یہ
سماں اگرچہ وہاں کا حُسن اَور بڑھاتا ہے - لیکن دیکھ دیکھ کلیجہ کانپا جاتا ہے -
یہ تنہائی اور بے کسی - یہ خاموشی کا عالم گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی گزشتہ عظمت کا
مرثیہ پڑھ پڑھ کر ہمیں رُلانا چاہتے ہیں - ہم کچھ ایسے محو ہیں کہ بڑی دیر تک سینے میں
دل نہیں - پتھّر لئے ہوئے اس تماشے کو دیکھ رہے ہیں - آنکھ جس چیز پر پڑتی ہے -
ہٹنے کا نام نہیں لیتی - باشندگانِ کور کی تباہ کاریاں ہماری آنکھوں کے سامنے
پھر رہی ہیں اور یہاں کے چہل پہل کے خیال سے ہم اپنا جی بہلا رہے ہیں کہ
یکایک عذرا نے میرا شانہ ہلایا ❖

عذرا "اب کب تک اس کو دیکھے جاؤ گے۔ چلو تمہیں وہ اعلیٰ درجے کی صنعت کا نمونہ دکھلاؤں جو اس وقت تک اپنے حسن لطافت و صنعت کے لحاظ سے زمانے پر ہنس رہا ہے" +

عذرا دو تین صحن طے کرا کے مندر کے سب سے آخری صحن میں لے گئی۔ یہ صحن عرض و طول میں پچاس گز سے کم نہ ہوگا۔ اس کے وسط میں وہ چیز تھی کہ جس سے بہتر شاید صناعان کور کو بھی بنانی نصیب نہ ہوئی ہوگی +

ایک بہت بڑے چبوترے پر کوئی چالیس فٹ مدوّر ایک سنگ موسے کی گیند تھی۔ اور اس گیند کے اُوپر ایک بہت بڑا بُت تھا۔ چاند کی روشنی اس پر کافی پڑ رہی تھی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کو دیکھ کر میں بالکل دم بخود رہ گیا +

یہ بُت بے جرم سنگ مرمر سے تراشا گیا تھا۔ جلا اس پر ایسی دی گئی تھی۔ کہ باوجودیکہ یہ ہزاروں برس سے بے پروائی کے ساتھ پڑا ہوا تھا۔ لیکن اب بھی چاندنی میں چمک رہا تھا۔ قد میں بیس فٹ سے کچھ ہی کم ہو گا۔ بُت ایک عورت کا تھا۔ شانوں پر دو پر تھے۔ حسن کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی حور کو سامنے بٹھا کر بنایا گیا ہوگا۔ صورت پر متانت اور تقدس برستا تھا۔ اعضا کا تناسب اس خوبصورتی سے رکھا گیا تھا کہ بے انتہا کشیدگی قامت کچھ غیر موزوں نہ معلوم ہوتی تھی۔ یہ عورت اپنے نیم باز پروں کے سہارے پر کسی قدر آگے کو جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے بازو بالکل اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ مدت کی ترسی ہوئی اس وقت کسی کو اپنے آغوش میں لیا چاہتی ہے۔ اور غایت اشتیاق سے گری پڑتی ہے۔ یہ دیبی بالکل مادر زاد ننگی تھی۔ مگر (اور یہی عجیب بات تھی) مُنہ ڈھکا ہوا تھا۔ باوجودیکہ یہ نقاب بھی پتھر ہی کا تھا۔ لیکن اس نزاکت کے ساتھ تراشا گیا تھا کہ چہرے کا تمام نقشہ اچھی طرح نظر آتا تھا۔ اس نقاب کا ایک حصّہ سینے پر پڑا تھا۔ اور دوسرا پشت کے پیچھے ہوا میں اُڑ رہا تھا +

بڑی دیر تک تو تحیّر نے مجھے بولنے ہی نہ دیا۔ آخر میں نے عذرا سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہے"؟

عذرا: "ہا تو اب تک نہیں سمجھا! یہ حقانیت ہے کہ دنیا پر کھڑی ہوئی اہل دُنیا کو اپنا نقاب اٹھانے کے لئے بلا رہی ہے۔ دیکھو یہاں چبوترے پر کچھ لکھا ہوا بھی تھا۔ اس کو سُن کر تمہیں معلوم ہو جائیگا" +

عذرا جھکیں۔ اور ان کے گونگوں نے جو سایہ کی طرح تھے۔ چراغ دکھلایا۔ عذرا نے چینی نما تحریر کا یوں ترجمہ کیا:۔

"کیا دُنیا میں کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہا کہ میرا نقاب اُٹھا کر میری صورت دیکھے جو بہت ہی خوبصورت ہے۔ جو شخص میرا نقاب اُٹھائیگا۔ میں اُسی کی ہو جاؤنگی اور اس کو رحمت عطا کرونگی۔ اور علم اوّلین و آخرین اور نیکیاں بخشونگی +

"اور ایک آواز آئی کہ تجھے سب ڈھونڈھتے ہیں۔ اور سب کو تیری ضرورت ہے تو اچھوتی ہے۔ اور دنیا کے ختم ہونے تک اچھوتی ہی رہیگی۔ عورت کے پیٹ سے کوئی شخص نہ پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا جو تیرا نقاب لوٹ کر تیرا چہرہ دیکھے اور زندہ رہے۔ اے حقانیت کی دیوی! تیرا چہرہ مرنے پر ہی آدمی کو نظر آئیگا +

"اور حقانیت کی دیوی نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور رو پڑی۔ کیونکہ جو لوگ اُسے ڈھونڈھتے ہیں۔ اُسے نہ پا سکینگے اور نہ سامنے کھڑے ہو کر اس کا مُنہ دیکھ سکینگے" +

عذرا: "دیکھا! باشندگان کور معلوم ہوتا ہے کہ حقانیت کی دیوی ہی کو پوجتے تھے۔ اسی کو اپنا خدا سمجھتے تھے۔ اسی کے نام پر معابد بناتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ اسی کی تلاش میں رہتے تھے اور اسی کو نہ پاتے تھے +

میں نے ایک پھر اس نقاب پوش کے بت کو دیکھا۔ جس کا کمال صنعت اس سنگی قید خانہ سے نکل نکل کر انسان کی رُوح کو تازگی بخشتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی پری یا حور ان کمبخت کور والوں کی ناسمجھی کو دیکھ کر پتھر ہو کر رہ گئی ہے۔ اس کو دیکھ کر آنکھ سیر نہ ہوتی تھی۔ جی بھرنے میں نہ آتا تھا کہ عذرا کے تقاضے سے تنگ آ کر میں با دل ناخواستہ ہٹ آیا۔ یہ بُت عمر بھر مجھے نہ بھولیگا۔ یہ حسرت ہی رہی کہ میں نے اس کو ایک مرتبہ بھی جی بھر کر نہ دیکھ لیا اور خاص کر اس لئے کہ جو گول پتھر زمین یا زمین کی تصویر کہی جاتی ہے۔ اس پر اندھیرے میں کچھ خط بھی بنے معلوم ہوتے

تھے۔ اگر دن میں اس کو بغور دیکھا جاتا تو بہ آسانی اس کا پتہ چل جاتا کہ ان باشندگانِ کور نے زمین یا دنیا کو کہاں تک معلوم کر لیا تھا۔ بہر حال یہ تو تصدیق ہو گئی کہ ان حقانیت کے پوجنے والوں نے یہاں تک تو معلوم کر لیا تھا کہ زمین گول ہے +

باب بست و چہارم

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

دوسرے روز علے الصباح ہم وہیں ایک حوض میں جو اب تک باقی تھا اور نہ معلوم کس طرح اب بھی مقطر پانی سے بھرا ہوا تھا۔ نہائے دھوئے۔ نماز پڑھی۔ معمولات سے فارغ ہوئے۔ عذرا پہلے ہی ہمارے انتظار میں برقعہ اوڑھے منتظر کھڑی تھیں (میری دانست میں کیا عجب ہے کہ برقعہ پوشی عذرا نے اس نقاب پوش بُت سے سیکھی ہو) لیکن ان کے چہرے پر کچھ ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔ ہم نے سلام کیا۔ جواب بھی کچھ ایسا ہی پایا جیسا کسی فکرمند سے امید کی جا سکتی ہے۔ امین نے مزاج پرسی کی۔ یہ جواب بھی کچھ تسلی بخش نہ تھا +

عذرا اوہ کچھ نہ پوچھو! یہ رات مجھ پر بہت ہی سخت گزری ہے۔ نہایت بدخوابی رہی۔ ڈراؤنے خوابوں سے رات بھر بُری نوبت رہی۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مصیبت آنے والی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ کو کیونکر نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مگر شاید۔ بھلا فرطیس! اگر تمہیں جاگتا چھوڑ کر میں سو جاؤں تو تم مجھے یاد بھی رکھو گے؟ مجھے امید نہیں پڑتی کہ میری طرح تم میرے آنے کا صدیوں انتظار کرو۔ یہ میرا ہی دل گردہ تھا (امین کے جواب کا انتظار نہ کر کے) چلو جلدی چلنا چاہئے۔ آج کی مسافت بہت ہے۔ اور شام سے پہلے ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنا نہایت ضروری ہے" +

ہم فوراً چل پڑے اور سُورج نکلنے سے پہلے شہر کور سے نکل گئے۔ میں نے اور امین نے ایک حسرت کے ساتھ کور کے کھنڈرات کو دیکھا اور آہ سرد بھر کر چُپ ہو گئے۔ ایّوب کو ان سے کوئی دلبستگی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کی رُو سے یہ جگہ بھوت پریتوں کا ملجاو مامن تھی۔ اس نے شکر کیا کہ جان سلامت لے کر نکل آئے +

جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا گیا۔ عذرا کا مزاج بھی درست ہوتا گیا۔ دوپہر کے قریب جو ہم کھانا کھانے کے لئے ٹھیرے ہیں تو وہ اپنی اصلی حالت میں تھیں +

عذرا: "یہ جانور کہتے ہیں کہ شہر کور کے کھنڈر آسیب زدہ ہیں۔ مجھے آج ہی اس کا یقین آیا۔ ایسی سخت رات مجھ پر صرف ایک مرتبہ اور گزری تھی۔ جب میں قرطیس کی لاش لیکر آئی تھی (خدا وہ حالت کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے) اور تب بھی ان ہی کھنڈروں میں۔ میں نے تو قسم کھائی آج کے بعد پھر کبھی یہاں نہ آؤنگی" +

کھانا کھاتے ہی ہم پھر چل کھڑے ہُوئے اور ظہر کے وقت ایک پہاڑی کے نیچے پہنچے جو بظاہر آتش فشاں معلوم ہوتی تھی اور اندازاً ڈیڑھ دو ہزار فٹ بلند تھی۔ ہم یہاں اُتر کر جلدی جلدی نماز سے فارغ ہُوئے۔ عذرا نہایت بیچین تھیں اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح بات کرنے میں اس پہاڑی کے اُوپر پہنچ جائیں۔ اور یہاں اس کی بلندی دیکھ دیکھ رُوح کانپنی جاتی تھی +

عذرا: "لو اب یہیں سے ہماری محنتوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو یہیں چھوڑ دینا پڑیگا۔ (یاقوت سے) تو ان آدمیوں کو لئے ہُوئے یہیں ہماری واپسی کا انتظار کرنا۔ اوّل تو ہم کل دوپہر تک واپس آجائینگے۔ اگر نہ آئیں تو ٹھیرے رہنا"

یاقوت نے نہایت ادب سے تعمیل حکم کا وعدہ کیا اور کہا کہ اگر آپ کے واپس آنے تک ہم بُڈھے بھی ہو جائیں تُو بھی تو یہیں پڑے رہینگے" +

عذرا: "حنیف بہتر ہوگا کہ یہ شخص (یعنی ایّوب) بھی یہیں ٹھیر جائے۔ اس

کا قلب پہلے ہی تو ضعیف بتلاتا ہے۔ وہاں جو کچھ ہوگا اس کے دیکھنے کی اُسے تاب نہ ہوگی۔ اور کچھ عجب نہیں کہ اس کو سخت نقصان پہنچے۔ علاوہ ازیں وہ اسرار عوام الناس پر ظاہر ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں" +

میں نے ایوّب کی طرف دیکھا تو وہ رو کر میرے قدموں میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ وہاں نہیں تو میں یہاں ضرور ہی مرجاؤنگا۔ کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہوگا۔ وہاں آپ دونوں کے ساتھ ہونے سے کچھ تو اطمینان ہوگا۔ اور یہاں آپ کی پیٹھ مڑی نہیں اور ان وحشی گونگوں نے لال توا میرے سر پر رکھا نہیں" +

عذرا (مسکرا کر) "اچھا خیر آنے دو۔ لیکن اگر اسے وہاں کچھ ہوگیا تو مجھے الزام نہ دینا۔ مجھے اُمید نہیں پڑتی کہ یہ اپنے حواسوں کو صحیح لیکر وہاں سے نکل آئے۔ اگر چلنا ہی ہے تو اسے ایک تختہ اُٹھانا پڑیگا اور ایک چراغ لینا پڑیگا" +

یہ تختہ عذرا کی ڈولی پر اُوپر کی بانس یا بلّی کے نیچے بندھا ہؤا تھا۔ میں تو یہی سمجھتا رہا کہ پردے کے کھلے رہنے کے لئے باندھا گیا ہوگا۔ مگر اب معلوم ہؤا کہ یہ ہمارا ہی بار سر بننے کو تھا۔ کوئی پانچ ساڑھے پانچ گز لمبا اور فٹ بھر چوڑا ہوگا خدا جانے کس لکڑی کا تھا کہ بہت ہی ہلکا اور مضبوط تھا +

ایوّب نے بلا انتظار حکم فوراً ایک چراغ اور تختہ اُٹھا لیا۔ دوسرا چراغ مَیں نے اپنی کمر سے باندھا۔ اور تیل کی کپّی ہاتھ میں لے لی۔ ایمن نے ناشتہ اور پانی کا مشکیزہ اُٹھا لیا۔ عذرا نے یاقوت اور چھوؤں حمالوں کو حکم دیا کہ جھاڑی کے پیچھے جا چھپیں۔ اور جب تک ہم سب نظر سے غائب نہ ہوجائیں وہیں چھپے بیٹھے رہیں۔ ورنہ موت ان کی سزا ہوگی" +

یاقوت نے چلتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا اور بڑی حسرت سے کہنے لگا کہ "کاش بجائے تیرے ملکہ "مطاع الکل" مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ یہاں تامل ہی کسے تھا۔ اگر مجبوری کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو واللہ میں اسی وقت الگ ہوجاتا۔ غرض وہ سب لوگ فوراً جھاڑی میں جا چھپے۔ اور عذرا سب کے آگے ہولیں اور ہم تینوں پیچھے۔ میں سمجھتا تھا کہ پہاڑ کی چڑھائی میں سب

سے زیادہ دقت اسی نازک کمر کو ہو گی۔ لیکن مجھے تعجب ہوتا تھا کہ عذرا ہی سب
سے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی چلی جاتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی
نزاکت ان کو اڑائے لئے جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ابتداءً پہاڑی کی صورت
کو دیکھ کر جس قدر میں ڈرا تھا۔ اتنی دشوار گزار نہ تھی۔ لیکن پھر بھی بعض بعض جگہیں
ایسی سخت تھیں کہ ذرا پیر پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں ڈھونڈھے نہ ملیں۔ کوئی پچاس
ساٹھ فٹ بلندی پر پہنچکر ہمیں ایک درہ جیسا ملا جو بہت ہی تنگ تھا۔ لیکن جیسے جیسے
ہم آگے بڑھتے جاتے تھے کشادہ اور ڈھلوان ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک آگے پہنچکر
بہت ہی کم رہ گیا تھا۔ پھر چٹان کا ایک گھونگھٹ ملا جس نے ہمیں بالکل چھپا لیا۔
اس کے بعد راستہ بالکل مسطح تھا۔ اور ایک کھوہ پر ختم ہوتا تھا جو اس درہ اور
راستے کی طرح قدرتی ہی تھی۔ میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں مادہ نے
یہاں کی چٹان اڑا کر یہ سرنگ بنا لی ہوگی۔ اس کھوہ یا سرنگ کا بے ترتیب اُڑا
ہوا سارا راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا اور اس کو شہر کور کی مصنوعی
کھوؤں سے متمیز کرتا تھا۔ جس کے دروازے عموماً محرابی اور خوبصورت ہوتے ہیں۔
اس کھوہ یا سرنگ کے دہانے پر عذرا ٹھیر گئیں۔ دونوں چراغ روشن کرائے۔ ایک
مجھے دیا۔ اور دوسرا خود لیکر سرنگ کے اندر ہو لیں۔ اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا
اس لئے ہمیں بہت ہی احتیاط سے چلنا پڑا۔ اور شاید آدھے گھنٹے میں بمشکل ہم نے پاؤ
میل راستہ طے کیا ہو گا کہ کچھ ٹھیرے اور ایک ہوا کے جھوکے نے ہمارے دونوں
چراغوں کو گل کر دیا۔ میرے تو ہوش بہیں جاتے رہے تھے کہ عذرا کے پکارنے سے کچھ
اطمینان ہوا۔ وہ چونکہ آگے نکل گئی تھیں۔ ہم ٹٹولتے ہوئے ان تک پہنچ گئے۔ عذرا نے
چقماق سے آگ جھاڑی۔ اور بمشکل تمام پھر چراغ روشن کئے گئے۔ دو ہی چار قدم
آگے بڑھے ہونگے کہ ایک نئی خوفناک چیز ہمیں نظر آئی ÷

معلوم ہوتا ہے کہ آتش فشاں مادہ نے اپنے زور میں ایک اور گڑھا اس قطع
کا بنایا تھا کہ ایک طرف پہاڑ میں خدا جانے کہاں ایک چٹان ابھی رہ گئی تھی۔ باقی
ہر طرف سے خالی تھا۔ اور اس قدر گہرا کہ عمق تک آنکھ تو ایک طرف خیال کا پہنچنا

بھی ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ ہم اس وقت یہ اندازہ نہ کر سکے کہ اس کھڈ کا جوف کہاں اور کس طرح جا کر ختم ہوتا ہے۔ اور میں تو اپنے نزدیک اس وقت تک یہ ہی ناممکن الوقوع خیال جمائے بیٹھا ہوں کہ یہ چٹان معلق ہی تھی۔ اور اگر معلق نہ ہو تو تعجب ہے کہ ایسی کہاں اُلجھی ہوئی تھی کہ صدیوں سے اُس نے جنبش ہی نہ کی۔ بہرحال یہی چٹان ہمارا راستہ تھا۔ اگر ایک طرف پہاڑ کا سہارا نہ ہوتا تو حقیقت یہ ہے کہ اس پر قدم رکھتے ہی آدمی خوف کے مارے مر رہتا ۔

عذرا: "دیکھو ایک ایک قدم احتیاط سے رکھنا۔ ہوا بھی تیز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی دھوکے سے آرہو۔ ذرا قدم اِدھر اُدھر ہوا اور آدمی گیا۔ کیونکہ اس کھڈ کی تھاہ نہیں ہے" ۔

اوّل تو وہ راستہ ہی کونسا صاف اور سیدھا تھا۔ اس پر عذرا کی فہمائش نے یہ اثر کیا کہ ڈر کے مارے ہوش جاتے رہے۔ تہذیب ایک طرف۔ میں تو مزید احتیاط کے لئے اپنے چاروں ہاتھ پیروں پر چلنے لگا۔ میرے پیچھے ایّوب قدم قدم پر خدا کو یاد کرتا ہوا اور اپنے تختے کو گھسیٹتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اور اس کے پیچھے امین۔ اگرچہ امین نے کسی بات میں گھبراہٹ ظاہر نہ کی۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ ان کے مزاج کی معمولی شوخی تشریف لے جا چکی تھی۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ مجھے اور ایّوب کو اس طرح چلتے دیکھے اور ایک آدھ پھبتی نہ کہ ڈالے ۔

عذرا ہم سب کے آگے تھیں۔ ہوا کا جھوکا اگر شدّت کا آتے دیکھتی تھیں تو ذرا جُھک جاتی تھیں ورنہ بےخوف و خطر سینہ تانے اُڑی چلی جاتی تھیں۔ ہم اُن کے گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے بمجبوری اُن کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہمارا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ہم تھوڑی ہی دُور آگے بڑھے ہونگے کہ ایک جھوکا آیا۔ میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ اور میرے ساتھی بھی۔ عذرا البتہ کھڑی رہیں۔ اور بہت ہی احتیاط کی۔ لیکن ہوا ان کے برقعہ کو صاف اُڑا لے گئی۔ یہ صورت بجائے خود نہایت خوفناک تھی۔ ہوا کا سناٹا یُوں ہی کچھ کم نہ تھا۔

اس پر یہ قعہ کے اُڑنے سے بالکل یہ خیال ہوا کہ پہاڑ ہمارے اُوپر آرہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بر قعہ کہیں اس جوف یا خلو میں ایسا غائب ہوا کہ پھر دکھائی نہ دیا۔ عذرا کے برقعہ نے اتر کر اس وقت اُن کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ بس بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم پُل صراط پر ہیں۔ اور سامنے ایک حور بال بکھیرے ہوئے ہمارے انتظار میں یا استقبال کے لئے کھڑی ہے۔ خدا پھر آزمائش میں نہ ڈالے۔ وہ حالت آنکھوں کے سامنے اگر کسی وقت اب بھی آجاتی ہے تو مجھے پسینہ آجاتا ہے۔ عذرا ہمیں بار بار پکارتی تھیں اور احتیاط کے مختلف طریقے بتلاتی چلی جاتی تھیں ہم سے بھی جس طرح ممکن ہوتا تھا۔ ان کے طابق النعل بالنعل چلے جاتے تھے یہانتک کہ خدا خدا کرکے اس چٹان کا خاتمہ ہوا اور ایک نئی مصیبت سامنے آئی +

چٹان کے خاتمے پر ایک غار اژدہا کی طرح سامنے منہ پھاڑے پڑا تھا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا تھا۔ اس غار کی بھی تھاہ نہ تھی۔ اندھیرے میں ہم معلوم نہ کرسکے کہ یہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔ اور اس کے اس طرف کیا ہے۔ بغور دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا۔ مگر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کوئی چٹان ہے یا کچھ اور بلا۔ بہرحال اب ہمیں اس تختے کے لانے کی وجہ اور اس کے استعمال کی ضرورت معلوم ہوئی +

عذرا (ایک جگہ کھڑی ہو کر) "لو اب ذرا یہاں سستا لو۔ ابھی تھوڑی دیر میں روشنی ہو جائیگی +

میری سمجھ میں مطلق نہ آیا کہ اس ظلمات میں روشنی کہاں سے آئیگی؟ لیکن میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ یکایک دھوپ نے اس عقدہ کو حل کر دیا۔ مجھے اس وقت تک حیرت ہے کہ یہاں دھوپ آ کہاں سے گئی۔ ممکن ہے کہ پہاڑ میں کہیں ذرا سا شگاف باقی رہ گیا ہو۔ اور سُورج اس کے محاذ میں آکر یہاں بھی مفت کرم داشتن کا مضمون کر گیا ہو۔ بہرحال اس وقت تو اس ذرا سی دھوپ نے ہمارے دشمن اندھیرے پر تلوار یا اس سے بھی بڑھ کر برق کا اثر کیا۔ ہمارے سامنے حقیقت میں کوئی تین ساڑھے تین گز چوڑا غار تھا۔ سامنے کسی قدر بلند اور نوکیلی چٹان تھی

یہ تو ممکن تھا کہ اگر آدمی جست کر کے اس غار کو پھاندنا چاہے تو اُدھر تک پہنچنا ممکن تھا لیکن کھڑی اور نکیلی چٹان کی وجہ سے وہاں پہنچ کر سنبھلنا اور تھمنا ذرا کام رکھتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ یہ چٹان بھی بالکل معلق ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس پر ٹھیرنے اور چلنے کی جگہ اور بھی زیادہ تنگ تھی۔ اس کی صورت کذائی میں ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کر سکتا۔ بس اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ بغیر کسی چیز کے پُل بنائے اس پر سے گزرنا قطعی ناممکن تھا۔ عذرا کی زبانی معلوم ہُوا کہ یہاں ہَوا ہمیشہ ایسی رہتی ہے نہ آدمی کا قدم بمشکل ٹک سکتا ہے +

عذرا" لو جلدی کرو۔ تختہ رکھو۔ بس اب لمحہ کے لمحہ میں ہی یہ روشنی غائب ہُوا چاہتی ہے " +

میں نے ایوب سے تختہ لے کر اس کا پُل بنایا +

ایوب" افوہ! اب کہیں ہمیں اس تختے پر سے چلنا پڑیگا۔ اچھا بازیگروں کا تماشا کرنا پڑا ہے " +

میں" جی ہاں! اور نہیں تو کوئی تمہارے واسطے پُل باندھنے آئیگا " +

عذرا نے اپنے ہاتھ سے تختہ درست کیا اور اُس پر چڑھ کر ذرا اپنے جسم کو تولا اور کہنے لگیں کہ " معلوم ہوتا ہے کہ پتھر نے کسی قدر اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہ تھی۔ بہرحال مجھے شُبہ ہے کہ کہیں یہ چٹان ہمارا بوجھ نہ سنبھال سکے۔ پہلے مجھے چلا جانے دو۔ اگر پتھّر گرا بھی تو مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائیگا " +

عذرا یہ کہتے ہی چل دیں اور دم کے دم میں اُس پار نظر آئیں +

عذرا" لو جلدی آؤ۔ ابھی تک تو زیادہ خوف کی بات نہیں ہے۔ ذرا احتیاط سے قدم رکھنا بلکہ بیٹھ کر چلو تو اور اَچھا " +

میں نے جُرأت کر کے تختے پر قدم رکھا۔ لیکن جیسے ہی تختہ لچکا۔ ڈر کے مارے میری جان نکلنے لگی۔ میں ویسے ہی ہٹ گیا +

عذرا" عجب بُزدل ہے۔ اگر تجھ سے نہیں آیا جاتا تو راستہ چھوڑ۔ قرطیس کو آنے

دے۔ یہاں ایک ایک لمحہ بھاری ہے" +

مجھے بڑی غیرت آئی۔ اور عورت کے طعن سننے سے مرجانا بہتر سمجھ کر میں نے خدا پر توکل کیا۔ اور آنکھیں بند کر کے تختہ پر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ آگے سرکا۔ اپنے موٹاپے سے پہلے ہی مجھے نفرت تھی اور خاص کر اس وقت! جوں جوں تختہ لچکتا تھا۔ میری جان نکلی جاتی تھی۔ دل ڈوبا جاتا تھا اور ہر قدم آخری معلوم ہوتا تھا۔ الحمد للہ کہ جس طرح بنا بخیریت پار ہو گیا اور جاتے ہی سجدہ شکر کیا +

میرے بعد اگرچہ ایوب تھا۔ مگر عذرا کے تقاضے سے امین کی باری آئی۔ مجھے اپنے سے زیادہ ان کا خیال تھا۔ مگر امین کی جرأت واقعی قابل تعریف ہے کہ وہ کھڑے چلے آئے۔ اس کی داد بھی انہیں اسی وقت مل گئی۔ کہ عذرا نے وہیں آگے بڑھ کر ان کا منہ چوم لیا۔ اور کہا کہ "قرطیس! فراعنہ مصر کے خون میں واقعی خودداری ہے۔ اسی خون نے تمہیں اب بھی نہ جھکنے دیا۔ واقعی ایسا ہی خون نہ ہوتا تو خدائی کا دعوے کیسے ہو سکتا تھا" اب بیچارہ ایوب باقی رہ گیا۔ اُس نے کئی مرتبہ تختے پر قدم رکھا اور ہٹ گیا +

ایوب"۔ مجھ سے نہیں آیا جاتا۔ میں تو اندر ہی جا پڑونگا" +

میں" ایوب! ہمت نہ ہارو۔ جلدی کرو۔ کچھ مشکل نہیں ہے" +

ایوب"۔ جی مجھ سے کسی طرح نہیں آیا جائیگا" +

مجھے اب تک یاد ہے کہ میں نے اس پریشانی میں ایوب سے کہا کہ ایوب اس تختے پر چلنا مکھیاں پکڑنے سے بھی تو آسان ہے۔ حالانکہ اب جو میں خیال کرتا ہوں تو مکھیاں پکڑنا بہت ہی مشکل ہے اور خاص کر گرمی کے موسم میں دیکھئے آدمی کو حصول مقصد کے بعد کس قدر غرّہ ہو جاتا ہے کہ اس کے حصول کے لئے جو جو مصائب اس نے اُٹھائے ہوتے ہیں وہ ذرا سی ہی دیر میں بھول جاتا ہے۔ اور وہ مقصد خود اس کی آنکھوں میں حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے +

عذرا"۔ اس کمبخت سے کہدو کہ اگر آنا ہے تو جلدی آئے ورنہ روشنی گئی۔ دیکھو بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے" +

میں :- ایوب! اگر آنا ہے تو جلد چلے آؤ - ورنہ ابھی اندھیرا ہو جائیگا اور زیادہ پریشان ہوگے - یا ہمارے آنے تک وہیں ٹھیرے رہو" +

امین :- ایوب! کیوں نامرد بنے جاتے ہو - اگر ڈرو گے نہیں تو سب آسان ہو جائیگا"
ہمارے کہنے سُننے سے ایوب نے کچھ جُراُت کی اور "ہا ہے سے" کہکر بڑھا - مگر اس قطع سے کہ دونوں پیر ادھر اُدھر لٹکا دئے - اور ہاتھوں کے سہارے پر پھُدک پھُدک کر چلنے لگا - جھٹکے وہ کھاتا تھا اور یہاں دم میرا نکلا جاتا تھا - اتنے میں روشنی بھی جاتی رہی اور بالکل اندھیرا ہو گیا - ادھر ایوب چیخا - ادھر میں چلایا - قریب پہنچ ہی گیا تھا - میں نے ہاتھ پھیلا دئے - اندھیرے میں سوجھتا تو کیا خاک تھا - کہنا چاہیئے کہ اتفاق سے ہی ایوب کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا - اور میں نے اُسے پکڑ کر کھینچ لیا - مگر اس کشا کشی میں غضب یہ ہؤا کہ تختہ ہاتھ سے جاتا رہا - ایک دفعہ اس کے ٹکرانے کی آواز تو سُنی پھر خدا جانے کہاں کا کہاں پہنچا +

میں :- ارے غضب! اب واپس کیونکر جائینگے" ؟

امین :- آپ کو واپسی کی پڑی ہے - اور میں یہاں تک سلامت پہنچنے پر ہی شکر کر رہا ہوں - عمو! ہنوز روز اوّل است ابھی دیکھئے کیا کیا افتاد پڑتی ہے" +

عذرا :- بالفعل آگے بڑھنے کا فکر کرو - واپسی کے وقت دیکھا جائیگا - حنیف! لے میرا ہاتھ پکڑ لے اور چلا آ" +

باب بست و پنجم

بسوے کلبۂ عاشق ازاں مے آورد نازش
کہ جز پرکالہ ہائے دل نزیبد پائے اندازش

میرا ہاتھ عذرا کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح ممکن ہوتا ہے - میں ٹھوکر کھاتا ہوں - یکایک مجھے معلوم ہؤا کہ میرا اگلا قدم کسی گڑھے میں پڑیگا - اور میں چیخا +

عذرا۔ "ڈرمت۔ تو بے خوف کود پڑ۔ میں تجھے سنبھالے ہُوئے ہوں" +

ایسا کرنا بجائے خود خوفناک تھا۔ عذرا کی اور طاقتیں مسلم۔ مگر میں نے اب تک اس کی قوّت نہ آزمائی تھی۔ اس لئے اَور بھی خوف ہؤا کہ بھلا میرا بوجھ وہ کیا سنبھال سکتی ہے۔ لیکن دنیا میں جیسے بعض بعض وقت کسی حقیر چیز پر ہم اپنے اہم کاموں کا انحصار کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی اس وقت میں نے اپنی جان سی پیاری چیز عذرا کے ہاتھ میں دیدی۔ اور خدا کے توکل پر کود پڑا۔ پہلے تو مجھے خیال ہؤا کہ میں گیا۔ مگر جیسے ہی میرے قدم زمین پر ٹکے اطمینان ہو گیا۔ اتنے میں ایین بھی اسی طرح اُتر آئے۔ اور ان کے بعد ایّوب اس طرح کودا کہ ہم دونوں گر پڑے۔ ہم دونوں ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ عذرا بھی آگئیں۔ ان کے کہنے سے ہم نے دونوں چراغ روشن کئے۔ چونکہ یہاں ہَوا بہت ہی کم تھی۔ اِسلئے چراغ بہ آسانی جل گئے +

روشنی ہونے پر معلوم ہؤا کہ جہاں ہم کھڑے تھے یہ کوئی پانچ گز مربع کچھ مصنوعی اور کچھ قدرتی کھوہ تھی۔ جس قدر حصّہ اس کا قدرتی تھا وہ نہایت غیر مرتب اور بھیانک تھا۔ کیونکہ جگہ جگہ پتھر لٹک رہے تھے اُن کو دیکھ کر ہم بہت ہی ڈرے کہ کہیں ہمارے سر ہی پر نہ آ رہیں۔ باقی حصّہ جہاں حضرت اِنسان کا ہاتھ پہنچا تھا نسبتاً بہت ہی محفوظ تھا۔ ہَوا یہاں کی نہایت معتدل تھی۔ بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ مائل بگرمی +

عذرا۔ "شکر ہے کہ یہاں تک ہم بخیریت پہنچ گئے۔ ایک دفعہ تو مجھے خیال ہؤا تھا کہ تختے کے ساتھ وہ چٹان اور چٹان کے ساتھ تم تحت الثرےٰ کو پہنچ جاؤ گے کیونکہ واقعی وہ پتھر بالکل جُدا کھڑا ہے۔ اور عجب نہیں کہ ہَوا کے زور ہی میں کسی وقت گر پڑے (ایّوب کی طرف دیکھ کر) اس کی عنایت سے تختہ بھی جاتا رہا۔ یہاں کے وحشیوں نے اس کا نام کبش واقعی بہت ہی موزوں تجویز کیا ہے۔ سخت بے عقل اور ڈرپوک آدمی ہے۔ واپس جانے میں واقعی بڑی مشکل پڑیگی۔ خیر ایک ترکیب میرے خیال میں آگئی۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ جہاں تم کھڑے ہو یہ کیا

جگہ ہو گی؟

میں "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا" +

عذرا "حنیف! شاید تو اعتبار نہ کریگا کہ اس جگہ کو ایک شخص نے اپنے رہنے کے لئے پسند کیا تھا۔ اور حقیقت میں اس نے اپنی تمام عمر یہیں گزار دی۔ بنوالحجر اس کے بہت ہی معتقد تھے۔ سُرنگ کے دہانے پر کھانا۔ پانی اور کچھ تیل بطور نذر کے لا رکھا کرتے تھے۔ یہ شخص ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ میں ایک مرتبہ وہاں سے اپنی ضرورت کے موافق چیزیں اُٹھا لاتا تھا اور پھر یہیں آبیٹھتا تھا" +

ہم متعجب ہوکر عذرا کی صورت دیکھتے رہ گئے +

عذرا "اس شخص کا نام "نوث" تھا۔ اس سے بڑھ کر تارک الدنیا اور کوئی کیا ہوسکتا ہے۔ عجیب لطف سے یہاں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ دن رات مشغول رہتا تھا۔ عجب انسان تھا۔ قدیم باشندگان کور کے حالات سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ بڑا فلسفی تھا۔ عجائبات عالم کے تمام راز اس پر روشن تھے۔ اسی سے میں نے اس آگ کا حال معلوم کیا جس کو میں تمہیں دکھلاؤنگی۔ یہ آگ بھی قدرت کاملہ کی ایک عجیب چیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس شخص تک اس آگ کی روشنی نہ پہنچی ہو وہ ذی رُوح ہونے کا دعوے نہیں کرسکتا۔ اور جو شخص اس آگ میں ایک مرتبہ بھی کرڑا کر کے کھڑا ہو گیا۔ بس زندگی تازہ کے ساتھ اور خدا جانے کیا کیا چیز اُسے مل گئی۔ بہرحال اُس شخص "نوث" نے بھی حنیف تیری ہی طرح اس آگ سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ اور بدنصیب یوں ہی مرگیا۔ اس کا قول تھا۔ کہ "آدمی کے لئے عمر طبعی سے زیادہ زندہ رہنا بہت ہی مخدوش ہے۔ انسان بھی کہیں زندہ رہنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ ایک وقت خاص پر اس کا مرجانا نہایت مصلحت ہے" اسی بنا پر اس نے اپنے معلومات کسی کو نہ بتلائے۔ اور سب کچھ ظالم اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ قرطیس! جس زمانے میں مَیں یہاں پہنچی ہوں۔ ان دنوں اس شخص کا بہت ہی شہرہ تھا (میرے یہاں تک آنے کا قصّہ بھی بہت طول طویل اور دردناک مگر دلچسپ ہے۔ کسی اور وقت سناؤنگی) میں اس کی شہرت

سُن کر اُس کی مشتاق ہوئی۔ اور یہیں سُرنگ کے دہانے پر اس کے انتظار میں بیٹھی رہی۔ اور جب وہ اپنا آذوقہ لے کر چلا میں اس کے ساتھ ہولی۔ اس نے مجھے بہتیرا ڈرایا مگر میں ایک نہ مانی۔ لیکن جب میں اُس غار پر پہنچی ہوں تو جان کے لالچ سے یہاں آکر بہت پچھتائی۔ بارے وہ مجھے یہاں لے آیا۔ کئی مہینے بڑے لطف کے ساتھ اس کی ہمراہی میں کاٹ دئے۔ اور اُس میں اُس کی خاص خاص قوتوں کو بھی معلوم کر لیا۔ بہت سی باتیں اس سے حاصل کیں۔ ایک روز اس نے اس آگ کا بھی ذکر کیا۔ میں نے دیکھنا چاہا۔ مگر اس نے نہ مانا۔ آخر کب تک۔ میں نے کچھ اپنے حُسن کا جادو چلایا۔ کچھ باتیں بنائیں۔ کچھ خوشامد کی اور اس کو ساتھ لیکر وہاں پہنچی۔ آگ میں جانا چاہا تو اس نے نہ مانا اور مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اور حقیقت میں اگر میں اس کے خلاف کرتی تو وہ ضرور مار ہی ڈالتا۔ میں نے سوچا کہ جلدی کیا ہے۔ یہانتک تو معلوم ہو ہی گیا ہے بڈھا آدمی کے روز جئیگا۔ اس کے مرنے پر دیکھا جائیگا۔ وہاں سے پلٹ کر اس کی رضامندی سے میں باہر نکل آئی۔ اس کے فیض صحبت سے جو کچھ میں نے حاصل کیا کچھ کم نہ تھا۔ میں کہہ سکتی ہوں کہ گو میں اس آگ میں نہیں نہانے پائی لیکن اُس کی صحبت نے مجھ میں بالکل ایک نئی رُوح پھونک دی۔ اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک وہی شخص پایا ہے جس نے گویا اپنے زہد سے حقانیت کو بے نقاب دیکھا تھا +

"اس کے چند روز بعد قرطیس تم امینراٹس کے ساتھ اس خطہ میں پہنچے۔ تم کو دیکھتے ہی عمر بھر میں سب سے پہلے اور سب سے آخری مرتبہ میں محبت اور چاہت کی لذّت سے واقف ہوئی۔ اسی جوش میں یہ سوجھی کہ میں اور تم یہاں آکر ایک مرتبہ حیات ابدی پالیں تو بے غل وغش لطف زندگی اُٹھائیں۔ وہ ظالم مصری کسی طرح نہ ٹلی اور ہمارے ساتھ ہی یہاں آئی۔ سب سے پہلی بدشگونی یہ ہوئی کہ میں نے آتے ہی "نوٹ" کو مرا ہوا پایا۔ حنیف! جس جگہ تو بیٹھا ہے اسی کے قریب اُس نے اپنی جان دی تھی اور یہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اب تو اُس کی ہڈیوں کی

خاک بھی ہوا نے اڑا کر رکھ دی ہو گی" +

عذرا سے یہ سُنکر مجھے ذرا حیرت سی ہوئی۔ اِدھر اُدھر ہاتھ سے ٹٹولا تو ایک چھوٹی سی چیز میرے ہاتھ آئی۔ اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو کسی آدمی کا دانت تھا۔ مگر بالکل زرد۔ میں نے عذرا کے ہاتھ میں دیدیا +

عذرا (ہنسکر) "ہاں اُسی کا دانت ہے۔ مجھے اس کی صورت اب تک اچھی طرح یاد ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اسی کا دانت ہے۔ ذرا خیال تو کرو کہ "نوٹ یا "نوٹ" کی عقل و علم کی کیا نشانی باقی رہ گئی ہے۔ صرف ایک دانت۔ اور وہ بھی محض بیکار۔ حالانکہ "نوٹ" وہ شخص تھا کہ اگر چاہتا تو اب تک زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر تھا اپنی دھن کا پکّا۔ مرتے مرگیا۔ لیکن اُس آگ میں نہ نہایا۔ حنیف! اس سے اس کے تقدس کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ غرض میں "نوٹ" کو اسی حالت میں چھوڑ کر قرطیس کو لئے ہوئے اس آگ تک پہنچ گئی۔ اور ہمت کر کے اپنے نزدیک موت کے منہ یعنی اُس آگ میں جا کھڑی ہوئی۔ خدا کی قدرت نہ صرف میں سلامت رہی۔ بلکہ ایک نئی زندگی پا کر نکلی۔ جس کی قدر تمہیں اسی وقت ہو گی کہ جب تم پر خود وہ کیفیت طاری ہو جائے۔ یہ حسن جس کو تم دونوں نے دیکھا ہے۔ اور یہ عمر اُسی آگ کا عطیہ ہے۔ میں نے نکلتے ہی قرطیس تمہیں آغوش میں لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ لیکن خدا جانے اس ڈائن مصریہ نے تم پر کیا جادو کر دیا تھا کہ بجائے اس کے کہ تم میری طرف توجہ کرو۔ تم نے میرے مقابلے میں امنیرائٹس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ مجھے نہایت رشک ہوا اور حالت غیظ میں تمہارا ہی برچھا اُٹھا کر تمہارے سینے میں مار دیا۔ تم وہیں سرچشمہ حیات پر بیجان ہو کر گر گئے[۱]

---

[۱] قرطیس کے قتل کا حال جیسا کچھ اب عذرا کی زبان سے معلوم ہوا اور جو کچھ امنیرائٹس نے اس کپتی کے ٹکڑے پر لکھا تھا۔ بہت ہی فرق رکھتا ہے۔ منجملہ اور تناقضات کے وہاں بیان کیا گیا ہے کہ قرطیس کو اس عورت نے اپنے جادو کے زور سے مار ڈالا۔ اب نہ معلوم کونسی بات ان دونوں میں سچی ہے لیکن یاد ہو گا۔ کہ قرطیس کی لاش کے سینے پر ایک زخم معلوم ہوتا تھا۔ خواہ وہ زخم قبل از موت لگایا گیا ہو یا بعد میں۔ یہ عذرا کے بیان کا ثبوت قطعی ہے۔ دوسرا امر جس کو ہم تحقیق نہ کر سکے یہ ہے کہ وہ دونوں عورتیں قرطیس کی لاش کیونکر اُٹھا لائیں۔ آخر اس کھوہ میں سے نکلنا اس زمانہ میں بھی تو ایسا مشکل ہو گا۔ بہرحال دو عاشقوں کا اپنے معشوق کی لاش اُٹھا کر سخت دردناک نظارہ ہو گا۔ میرا تو خیال آتے ہی رونگٹا کھڑا ہوتا ہے + (حنیف)

"ہائے وہ وقت بھی مجھے کبھی نہ بھولیگا۔ قرطیس! جب تم گر گئے تو مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ بہت روئی۔ بُرا حال کیا۔ اور سارا رونا اس بات کا تھا کہ میں تمہارے ساتھ مر بھی نہ سکتی تھی۔ ورنہ جو صدمہ اس وقت مجھے ہوا تھا۔ کوئی معمولی آدمی ہوتا تو وہیں مر رہتا۔ اور وہ مصریہ پاپن الگ کوس کوس کر میری جان کھائے جاتی تھی۔ خدا تو یہ مصری جانتے ہی کیا تھے۔ کمبخت کھڑی ہوئی اپنے بت اوسرس۔ آئیرس نقطس۔ حفظ و سقط کی مار مجھ پر ڈال رہی تھی۔ اور میں تھی کہ اس صدمہ میں ان بتوں کا نام سُن سُن کر اور بھی جلی جاتی تھی۔ اور اس پر رحم بھی آتا تھا۔ ورنہ میں اس کو بھی وہیں ڈھیر رکھتی۔ غرض ہم دونوں نے مل کر تمہاری لاش یہاں سے اُٹھائی۔ اور باہر لے گئے۔ اس کے بعد میں نے اس عورت کو دلدلوں کے پار اُتروا دیا۔ اب یہ تمہاری زبانی معلوم ہوا کہ وہ ایک لڑکا جننے تک زندہ رہی۔ اور آخر کار اپنے ہی فعل سے تم کو یا یُوں ہی کیوں نہ کہوں کہ اپنے محبوب کو مجھ تک پہنچا دیا +

"قرطیس جہاں تک مجھ کو تمہاری پچھلی زندگی میں تعلق رہا ہے۔ اس کا قصہ تم سُن چکے۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ اس کا نعم البدل تمہیں دوں۔ ممکن ہے کہ تم اس قصے میں بہ نسبت بھلائی کے بُرائی زیادہ دیکھوگے۔ ورنہ اس میں تو شک ہی نہیں کہ دنیا کی ہر چیز کی طرح نیکی اور بدی اس میں بھی توام ہی نظر آئینگی جو کچھ ہم میں نے بالکل صحیح قِصّہ تمہارے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اچھا اب اس مقدس آگ تک پہنچنے سے پہلے مجھے تم سے کچھ کہنا ہے وہ کہ لُوں تو پھر چلوں۔ کیونکہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ اس رُوح بخش آگ تک جانا گویا موت کے منہ میں جانا ہے۔ موت اور زندگی میں اس قدر قرب ہے کہ انسان کہہ نہیں سکتا کہ اس کا دوسرا قدم موت کے مُنہ میں پڑیگا یا حیات کے کندھے پر۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آئے جس سے میں اور تم پھر صدیوں تک ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ آخر میں ایک عورت ہی ہوں۔ کوئی پیغمبر تو ہوں نہیں کہ کل کا حال بتلا سکوں۔ اس قدر ہیں" نوٹ ہالی کی زبانی بھی سُن چکی ہوں۔ اور خود بھی تجربہ کر چکی ہوں کہ اس آگ میں نہانے کا اثر یہ ہے کہ آدمی کی عمر بڑھ جائے۔

اور اس کو عجیب و غریب علم حاصل ہو جائے (جس کی ماہیت میں بیان نہیں کر سکتی تم کو خود معلوم ہو جائیگا) اور یہ بھی ضروری ہے کہ گو آدمی کی عمر بڑھ جائے - مگر چونکہ اس کی فطرت پر زیادہ اثر نہیں پڑتا - اس لئے یہ ممکن نہیں کہ آدمی ابدالآباد تک زندہ رہ سکے - کیونکہ ایسی زندگی خارج از فطرت انسانی ہے - اس لئے قرطیس! سب سے پہلے تم میرا اطمینان کر دو کہ تم نے میرے قصور دل سے معاف کر دئے ہیں - قرطیس! حقیقت میں میں بہت ہی بڑی قصور وار - گنہگار - اور خطا کار ہوں اب خواہ تم اپنی موت کو میرا قصور ٹھیرا لو یا اس عورت اُستن کے قتل کو گناہ سمجھ لو - جس کو میں نے عدول حکمی میں مار ڈالا - یا میرے جھوٹ بولنے کو خطا قرار دے لو - اور اگرچہ یہ تمام بدیاں مجھ سے نہایت ہی محبت میں سرزد ہوئی ہیں مگر میں بہرکیف پشیمان ہوں اور اسی اپنے عشق و محبت کو شفیع ٹھیرا کر میں تم سے معافی چاہتی ہوں جس طرح میرے جذبات نے مجھے اندھے کوئیں میں دھکیلا - اسی طرح امید ہے کہ عشق و محبت کے واسطے سے میں اپنی مراد پاؤنگی - قرطیس! اس وقت تم میری عظمت و قوت کو اپنے دل سے نکال ڈالو - اور مجھے اپنی ایک ادنےٰ کنیز سمجھ کر میرا ہاتھ پکڑ کے ایک تو یہ کہ دو کہ تم نے میری تقصیرات معاف کیں - اور دوسرے یہ بتلا دو کہ تمہارے دل میں میری محبت کا کچھ اثر بھی ہؤا ہے یا نہیں" +

عذرا یہ کہ کر امین کے جواب کا انتظار کرنے لگیں - ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ واقعی وہ بہت ہی شرمندہ ہیں - اُن پر سرتاپا عاجزی برس رہی تھی - ان کے گڑگڑانے کا میرے اور امین کے اُوپر برابر ہی سا اثر ہؤا - بلکہ امین پر کچھ زیادہ - پہلے میں دیکھتا تھا کہ عذرا کی طرف ان کا میلان طبع بالکل مجبوری کا تھا - یا مدہوشانہ جیسے بعض وقت کوئی چڑیا سانپ کو دیکھ کر مدہوش سی ہو جاتی ہے - اور اُڑنے کی طاقت سلب کرا بیٹھتی ہے - لیکن اس وقت ان کی حالت میں نے بالکل اضطراری پائی - عذرا کے جوش محبت کو وہ ضبط کرنا چاہتے تھے - مگر نہ ہو سکتا تھا - میں نے دیکھا کہ ان کے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے - وہ بڑھے - اور عذرا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوئے +

امین ”عذرا سچ جانو کہ جتنی مجھے تمہاری محبّت ہے۔ شاید کسی مرد کو کسی عورت سے ہوئی ہو۔ باقی رہی معافی۔ اُستن کے قتل کو تو میں اپنے دل سے معاف کرتا ہوں۔ تمہارے اور گناہوں کا مجھے علم نہیں۔ ان کی نسبت تم جانو یا عالم الغیب! اُسی کے حضور سے تم بخشوع و خضوع معافی چاہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس وقت اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہاری محبّت کی اپنے دل میں کچھ انتہا نہیں پاتا۔ زندگی بھر تو تمہارا ساتھ چھوڑونگا نہیں“ +

عذرا ”اب چونکہ میرے سرتاج نے میرے اُوپر یہ مراحم کئے ہوں۔ مجھ پر بھی اس کا شکر واجب ہے۔ اور یہ دیکھو اس شکریے میں بہزار ذلت اپنے سرتاج کے قدموں پر گرتی ہوں (امین کے پیروں پر سر رکھ دیا) اور اے دیکھو میں نہایت عاجزانہ ان کے قدم چومتی ہوں۔ جتنے گناہ میں نے جوش محبّت میں کئے تھے۔ ان سب کا کفارہ ان مصائب سے ہو گیا تھا جو میں نے اپنے سرتاج کے انتظار میں صدیوں اُٹھائے۔ اور پھر میرے سرتاج نے بغایت مرحمت ان کو بخش بھی دیا +

”اب میں عہد کرتی ہوں کہ میں عمر بھر گناہوں کے پاس بھی نہ پھٹکونگی اور جہانتک ممکن ہوگا نیکی اختیار کرونگی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ میں تمام عمر بیویوں یا ادنےٰ کنیزکوں کی طرح اپنے فرض پورے کرونگی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ آج کے بعد لاحاصل طمع اور لغو بلند نظری کو عمر بھر کے لئے ترک کر دونگی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ مدت العمر قرطیس کی ایک ادنےٰ کنیزک رہونگی۔ اور اس کی محبّت کی میں اپنے دین و ایمان کے برابر قدر کرونگی۔ اور اس کے احکام کی بجا آوری اپنا سب سے پہلا فرض سمجھونگی۔ میں عہد کرتی ہوں کہ ۔۔ ۔ ۔۔ مگر زبانی عہود کرنے اور باتیں بنانے سے کیا حاصل ہے۔ جو کچھ میرے دل میں ہے۔ میں کر کے دکھلا دونگی۔ حنیف! تو میرے عہود و مواثیق کا گواہ رہنا۔ میں اپنے نزدیک یہ سمجھ چکی ہوں کہ میں اپنا نکاح قرطیس سے کر چکی ہوں۔ آپ اپنے مذہب و ملّت اور اپنی رسوم کے موافق جس وقت چاہیں اس کی تکمیل کر لیں۔ بہرحال یہ نکاح میرے اور ان کی زندگی تک بالکل ناقابل انفساخ ہو گیا۔ حنیف زندوں میں تو اور مردوں میں نوث کی رُوح اس

نکاح کے گواہ ہیں۔ یہاں یہ ہوائیں اس نکاح کا اعلان اکناف عالم میں اور آسمان پر کر دینگی +

"اب رہا میرا جہیز جو ہیودیوں کی رسم کے بموجب ضروری ہے۔ اِس بے سرو سامانی میں میرا جہیز ہی کیا ہو سکتا ہے۔ مگر جو کچھ ہے میں اس کو قرطیس کی مِلک کرتی ہوں۔ اس وحشت کدہ میں اس ہُو کے مقام میں میرا جہیز سوا اس حُسن کے اَور کیا ہو سکتا ہے۔ اس حُسن دیرپا کے ساتھ میں اپنے جہیز میں قرطیس کو وہ علم وعقل دیتی ہوں جو معمولی آدمی کو میسر نہیں آسکتا۔ اس جہیز میں میں تجھے اس آگ میں کھڑا کرونگی۔ اور اسی جہیز میں تو دیکھیگا کہ دنیا کے صغار و کبار تیرے قدموں پر جھکینگے۔ یہی جہیز دنیا کے بادشاہوں کا تاج تیرے قدموں پر گرائیگا۔ اسی جہیز کی وجہ سے تو اہل دنیا کے دل کے حالات پر واقف ہوگا۔ اور اسی جہیز میں تجھے اہرام مصری کی طرح ایک وقت خاص تک دوام حاصل ہوگا۔ اسی جہیز کی وجہ سے قرطیس تجھ پر عجائبات عالم ظاہر ہونگے +

"دیکھو میں پھر قرطیس کے قدموں پر گرتی ہوں۔ اور میرے ساتھ دنیا کے تمام بحر و بر۔ دنیا کے ادنےٰ غلام سے لیکر جلیل القدر بادشاہ تک۔ غریب کے جھونپڑے سے لیکر محلات شاہی تک قرطیس کے پیروں میں ہیں۔ جہاں تک آفتاب عالمتاب کی شعاعیں پہنچتی ہیں۔ جہاں تک ماہتاب اپنے نور سے دُنیا کو معمور کرتا ہے۔ جہاں تک طوفانوں کے اثر پہنچتے ہیں۔ جہاں تک آندھیوں کی رسائی ہے۔ وہ تمام مقامات قرطیس کے قدموں پر عاجزانہ فدا ہونگے۔ بیماریاں ان سے دور بھاگینگی۔ اور غم وغصّہ ان سے ہمیشہ الگ رہیگا۔ ایک وقت خاص تک موت ان کو مُنہ نہ دکھا سکیگی۔ غرض یہ وہ چیزیں ہیں جو عشق نے مجھے عطا کی ہیں۔ اور میں ان کو نہایت ادب سے قرطیس کے نذر کرتی ہوں۔ اب اس میں آندھی آئے۔ مینہ آئے۔ زلزلہ آئے۔ حیات آئے۔ ممات آئے۔ نیکی ہو یا بدی ہو یہ کسی طرح نہیں بدل سکتے۔ جو کچھ ہو چکا ہمیشہ کے لئے ہو چکا۔ اس میں تبدیلی کو امکان نہیں۔ چلو اب وہاں چلیں جہاں ان سب باتوں کی دم بھر میں تکمیل ہو جائیگی" +

یہ کہہ کر عذرا چراغ لے کے آگے بڑھیں۔ سامنے ہی دیوار میں (غالباً آتش فشاں مادہ نے) ایک چھوٹی سی کھڑکی بنا دی تھی۔ عذرا اس میں جا گھسیں اور ہم تینوں ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اندر کچھ سیڑھی کی طرح کچھ اونچا نیچا تھا۔ ہم بہ آسانی نیچے اُترے چلے گئے۔ پندرہ سولہ قدم کے بعد ایک اور ڈھلوان سُرنگ ملی۔ مگر اس قدر تنگ کہ بیٹھ کر چلنا پڑا۔ جی تو بہت ہی گھبراتا تھا۔ اور چونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ تمام آتش فشاں مادہ کی کارسازیاں ہیں اس لئے مجھے خدشہ بھی زیادہ تھا۔ لیکن عذرا کی ہمراہی ہمارے لئے بڑی ڈھارس تھی۔ چراغ ان کے ہاتھ میں تھا ہی بڑھے چلے جاتے تھے۔ میں نے احتیاطاً اتنا کیا کہ ان راستوں کا نقشہ اچھی طرح اپنے ذہن میں جما لیا۔ اگرچہ بعض وقت خیال بھی ہؤا کہ کیوں فضول دماغ پر زور دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمارے بہت ہی کام آیا ✤

آدھا گھنٹہ یا کم و بیش اسی طرح چلتے ہو گیا۔ قدم بھی اُٹھنا اب محال معلوم ہوتا تھا کہ یکایک پھر راستہ کشادہ ہو گیا اور ہم چند قدم چل کر ایک بڑی کھوہ میں پہنچ گئے۔ اس کھوہ کو چھوڑ کر پھر ایک تنگ و تاریک ڈھلوان راستہ ملا۔ آخر بڑی دیر کے بعد یہ راستہ بھی ایک اور کھوہ پر ختم ہؤا۔ یہاں روشنی دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں تو یہ سمجھا کہ ہم شاید زمین کے آخری طبقہ میں پہنچ گئے ہیں۔ مگر عذرا سے معلوم ہؤا کہ ابھی اور عمق بھی باقی ہے ✤

عذرا: "یہاں تک تو ہم خیریت سے پہنچ گئے۔ لو اب تم قلبِ زمین میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جہاں سے انسان و حیوان۔ شجر و حجر کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق ارواح تقسیم کی جاتی ہیں" ✤

عذرا پھر ایک سُرنگ میں اُتر پڑیں۔ اور ہم کانپتے کانپتے۔ آیندہ افتادوں سے ڈرے ہوئے ان کے پیچھے ہو لئے۔ یہ سُرنگ گو پچھلی سُرنگوں کی بہ نسبت تنگ نہ تھی۔ مگر تھی نہایت متوحش اور بھیانک۔ کوئی آدھا گھنٹہ یا زیادہ ہمیں اس کے طے کرنے میں لگا ہو گا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے تھے۔

ایک خوفناک رعد کی سی آواز ہمارے کان میں آتی تھی۔ جس سے رُوح کانپتی جاتی تھی۔ بارے خدا خدا کرکے اس سُرنگ سے بھی پیچھا چھوٹا اور ہم ایک اور بہت بڑی کھوہ میں پہنچ گئے +

اس کھوہ کی تمام دیواریں خدا جانے کس[۱] مادہ نے سڈول کردی تھیں اس میں کچھ گلابی مائل روشنی معلوم ہوتی تھی کہ ہر وقت رہتی تھی۔ جس سے آنکھوں میں ایک طرح کی ٹھنڈک معلوم ہوتی تھی۔ اور یُوں دیکھنے میں بھی بہت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ یورپ والے گلابی چمنیاں کیوں نہیں بناتے کہ کہیں تو اس روشنی کا لطف آجائے۔ پہلے تو ہمیں کچھ نہ معلوم ہُوا۔ مگر تھوڑی دیر میں ایک آواز آنی شروع ہوئی جو رفتہ رفتہ معلوم ہوتا تھا کہ آگے بڑھتی آتی ہے۔ اور شور بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک نہایت تیز روشنی آگے بڑھتی معلوم ہوتی تھی۔ یہ حالت اس ہُو کے مقام پر جیسی کچھ خوفناک ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔ یہانتک کہ یہ روشنی قریب ہو گئی۔ آنکھیں اس کی تیزی کی متحمل نہ ہوسکیں۔ اور شور سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ سوائے عذرا کے ہم سب نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔ اور ڈر کے مارے وہیں آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے۔ اتنا ہم نے دیکھ ہی لیا کہ یہ روشنی نہایت صاف و شفاف ہے۔ اور قوس قزح کی طرح مختلف رنگ اس میں چمکتے ہیں +

عذرا "قرطیس! اور قریب ہو جاؤ۔ یہی رُوح کا جوہر ہے۔ اور تمام موجوداتِ عالم اس کے عرض ہیں۔ یہ خلاصہ ہے اور کائنات اس کی تفصیل۔ یہ عطر ہے اور دنیا اس کا فضلہ۔ اس کے بغیر کرۂ ارض اور مافیہا کو قیام نہیں ہوسکتا۔ اس کے بغیر ذوی الارواح حرف غلط ہیں۔ اور قریب آکر اس کی لذت چکھو اور اس کا لطف حاصل کرو" +

---

[۱] میں کسی خاص مادہ کا نام نہیں لے سکتا۔ اگرچہ میں اب تک اس مادہ کا نام آتش فشاں ہی لیتا ہوں۔ لیکن عقل کام نہیں کرتی کہ آتش فشاں مادہ اس قدر عرصہ سے یہاں ٹکا کیسے رہ گیا۔ محققین علم طبقات الارض شاید اس کا کچھ نام رکھ سکیں + (حنیف)

اس روشنی کے ابھی کچھ بخارات سے باقی ہی تھے کہ عذرا کے کہنے سے ہم سب آگے بڑھ کر اس مقام پر جا کھڑے ہوئے - جہاں وہ روشنی جا کر غائب ہو گئی تھی - حقیقت میں طبیعت پر عجیب طرح کا فرحت بخش اثر ہؤا - اور تمام قوا میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی - ایک قوت جسمانی ہی ہمیں اضعاف مضاعف معلوم ہوئی - اور بھی اِسی پر قیاس کر لینا چاہئے - جو تفریح ہم خود میں پاتے تھے ضبط نہ کر سکے اور خوب جی کھول کر ہنسے - یہاں تک کہ ایّوب بھی - جس کے ہونٹ ہفتوں ہنسی سے نا آشنا رہے تھے - قرآن مجید کی اکثر آیات میرے بر زبان تھیں - تمام بھولی بسری باتیں بالکل اس طرح میرے پیش نظر ہو گئیں کہ گویا اس وقت میرے سامنے ہو رہی ہیں - معلوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل اگر میرے سامنے پیش کئے جائیں تو میں چٹکیوں میں حل کر کے رکھ دُوں - معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا ہوں اور عجیب وغریب اسرار مجھ پر کھل گئے ہیں اور نئی نئی طاقتیں مجھے حاصل ہو گئی ہیں - قصہ مختصر میں اپنے قلب کی حالت کسی طرح بیان نہیں کر سکتا - میں خود کو بالکل بدلا ہؤا پاتا تھا +

میں یہ مزے لے ہی رہا تھا - کہ دور سے پھر وہی آواز سنائی دینے لگی - اور حسب معمول جیسے جیسے آگے بڑھتی جاتی تھی شور زیادہ ہوتا جاتا - اور روشنی بڑھتی جاتی تھی - ہم سب ڈر کر پیچھے ہٹ آئے - اب معلوم ہوتا تھا کہ گرج کی آواز گویا ہمارے سامنے تھی - اور روشنی کا ایک مینار جیسا ہماری آنکھوں کے سامنے چکر کھا رہا تھا - عذرا اس روشنی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو گئیں - مگر ہم تینوں کی آنکھیں پھر متحمّل نہ ہو سکیں اور آپ سے آپ بند ہو گئیں +

تھوڑی دیر میں یہ آواز اور روشنی حسب دستور غائب ہو گئی +

عذرا "لو قرطیس! تم اس کے بیرُونی لطف اٹھا چکے - اب اس کی خاصیت کو بھی آزما لو - اب کی مرتبہ جو یہ روشنی پھر آئے - تم بے تامّل اس کے اندر کھڑے ہو جاؤ - پہلے کپڑے اُتار کر تیار رہو - کیونکہ کپڑوں کو یہ شعلے جلا ڈالینگے - لیکن تمہارے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا ئینگے - ذرا سی دیر میں تمہارے حواس بجا

ہو جائینگے۔ اس روشنی کو اچھی طرح اپنے جسم پر پڑنے دو۔ اور اس کے شعلوں کو اپنے سانس کے ساتھ اندر کھینچنے کی کوشش کرو۔ اس کا اچھی طرح خیال رکھنا کہ تمہارے جسم کا کوئی حصّہ ایسا باقی نہ رہ جائے جس پر یہ روشنی اثر نہ کرے۔ قرطیس! کچھ سمجھے بھی"؟

ایلن "میں نے سب کچھ سمجھ تو لیا ہے۔ لیکن ہمّت نہیں پڑتی۔ میں بزدل تو ہوں نہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتی آنکھوں جلتی آگ میں کیسے جا کھڑا ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی میری کچھ مدد نہ کر سکیگا اور تمہارے ہاتھ سے میں اور میرے ہاتھ سے تم ہمیشہ کے لئے جاتی رہو گی۔ لیکن خیر جو کچھ ہو۔ تم کہتی ہو تو جا کھڑا ہونگا"۔

عذرا (کچھ سوچ کر) "تمہارا ڈرنا کچھ تعجب خیز بات نہیں ہے۔ اور نہ بزدلی۔ اچھا قرطیس اگر میں اس آگ میں جا کھڑی ہوں اور سلامت نکل آؤں۔ تب تو تمہیں اطمینان ہوگا"؟

ایلن "ہاں اس حالت میں مجھے کوئی خوف نہ رہیگا۔ لیکن اس کی بھی کیا ضرورت ہے۔ میں یوں ہی اس کے شعلوں میں کھڑا ہونے کو تیار ہوں"۔

میں "عذرا اگر تم سلامت نکل آئیں تو میں بھی (آپ کی اصطلاح میں) اس آگ میں نہا لونگا"۔

عذرا (قہقہہ لگا کر) "ہیں حنیف تو بھی! میں تو سمجھتی تھی کہ نوٹ کی طرح تو مدّت العمر بھی پسیجنے والا نہیں ہے۔ تیری نیّت کیونکر بدل گئی"۔

میں (ذرا شرما کر) "یہ تو میں جانتا نہیں۔ لیکن جی یہی چاہتا ہے کہ میں ہزاروں برس زندہ رہوں"۔

عذرا "چلو غنیمت ہے۔ صبح کا بھولا اگر شام کو بھی آجائے تو وہ بھولا نہیں کہلاتا۔ اب کی مرتبہ میں پھر نہاتی ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سے میری عمر اور حسن وغیرہ میں زیادہ ترقی ہو جائے۔ اور اگر یہ نہیں تو بہر حال مجھے کوئی نقصان تو پہنچ نہیں سکتا۔ میں اس میں اور مصلحت یہی سمجھتی ہوں کہ جب پہلے میں نہائی

ہوں تو جذبات مجھ پر غالب تھے۔ دل میں اس مصریہ کا کینہ بھرا ہوا تھا۔ طبیعت میں بدی تھی۔ اور اب تو شکر ہے کہ صورت بالکل دگرگوں ہے۔ اِس لئے میں پھر اس آگ میں نہا کر از سرِ نو پاک ہونا چاہتی ہوں۔ خرطیس! تم بھی جب نہانے لگو تو تمام بُرے خیالات کو اپنے دل سے نکال ڈالنا۔ اور حتی الوسع صفائی قلب کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہونا تاکہ اس کا اثر باقی رہ نہ جائے۔ بہرحال تیار رہو رہو +

باب بست و ششم

بیا ساقی کہ من مُردم کفن از برگ تاکم کُن
بآب مے بدہ غُسلم دریں خمخانہ خاکم کُن

اس کے بعد تھوڑی دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ عذرا نے اس آگ میں کودنے یا نہانے کے لئے اپنے حواس مجتمع کئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہی آواز پھر آنے لگی۔ اور جیسے ہی روشنی معلوم ہوئی عذرا نے کپڑے اُتار ڈالے اور اپنے بالوں سے اپنا تمام جسم چھپا لیا۔ میں کیا کہوں کہ عذرا اس وقت کیا معلوم ہوتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا دل بہلانے یا لبھانے کے لئے حضرت حوّا شاید اس سے بہتر وضع میں نہ آئی ہونگی۔ عذرا کا حُسن یُوں ہی جہاں سوز تھا۔ اس پر لجانے۔ شرمانے اور بدن کو چرانے کی ادا نے وہ قیامت ڈھائی کہ ہم نقشِ حیرت بنے رہ گئے +

روشنی بالکل قریب آگئی۔ عذرا نے ہٹ کر امین کے گلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور پیار سے کہنے لگیں ”قرطیس! کاش میں اپنا دل چیر کر اپنی محبّت دکھلا سکتی“۔ عذرا کا ایک بے قراری کے ساتھ امین کو چومنا مجھے اس وقت تک یاد ہے۔ قلب پر ایک عجیب اثر پڑا۔ اور جس طرح کسی سے رُخصت ہوتے ہوئے ایک صدمہ

ہوتا ہے۔ میری نہ معلوم کیوں وہی حالت ہو گئی۔ اور میرے آنسو نکل پڑے +

روشنی اور اس کے ساتھ وہ دلخراش آواز بڑھتی چلی آتی تھی۔ عذرا بڑھیں اور راستے میں جا کھڑی ہوئیں۔ اور اپنے ہاتھ پھیلا دیئے طرفۃ العین میں آگ نے انہیں آلیا۔ عذرا بار بار پانی کی طرح اس روشنی کو گویا اپنے جسم پر ڈالتی تھیں۔ اور بدن ملتی جاتی تھیں۔ منہ کھول کھول کر شعلوں کو اپنے نفس کے ساتھ اندر کھینچتی تھیں۔ اُف کس قدر خوفناک نظارہ تھا کہ میں کانپا جاتا تھا۔ لیکن عذرا ہماری پریشانی کو دیکھ کر مسکراتی تھیں اور خوش معلوم ہوتی تھیں۔ آگ ان کی زلفوں سے شوخیاں کرتی تھی اور اُن کے بالوں سے کھیلتی تھی۔ اُن کے پاکیزہ جسم پر قربان ہو ہو کر چومتی تھی۔ اور عذرا۔ یہ معلوم ہوتی تھی کہ پری آگ سے کھیل رہی ہے یا فرشتہ ہے کہ اس نور کو لیکر آسمان سے اُترا ہے۔ الفاظ کہاں سے لاؤں۔ کہ ان کی تصویر کھینچ کر رکھ دوں۔ لیکن یکایک میں نے دیکھا کہ ان کی صورت پر ایک طرح کا تغیر آیا ہے۔ یہ میں بیان نہیں کر سکتا کہ وہ تغیر کس قسم کا تھا۔ لیکن ایسا تغیر تھا کہ میری آنکھیں اس کو محسوس کرتی تھیں۔ ان کے چہرے کی شگفتگی اور مسکراہٹ دیکھتے ہی دیکھتے جاتی رہی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید میری آنکھیں دھوکا دے رہی ہیں۔ میں نے اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں۔ پھر جو دیکھا تو وہ آگ یا نور یا شعلہ پھر واپس جا رہا۔ اور عذرا اسی جگہ کھڑی تھیں۔ عذرا ہماری طرف دو ہی قدم بڑھی ہونگی کہ ان کے پیر ڈگمگانے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا گول چہرہ ستّ کر لمبا ہو گیا۔ اور آنکھیں گھس گئیں۔ ان کے ٹٹولنے سے معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں نے جواب دے دیا۔ جسم کی جلا جاتی رہی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چہرے پر جھرّیاں پڑ گئیں۔ ایین بھی کھڑے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ خدا جانے کس خیال سے دو تین قدم پیچھے ہٹ کھڑے ہوئے +

عذرا (بھرّائی ہوئی آواز میں) "قرطیس! ہائے یہ کیا ہو گیا"؟

اُف ذرا سی ہی دیر میں آواز کی دلکشی بھی جاتی رہی!

عذرا" قرطیس! ہائے یہ کیا ہو گیا! مجھے کیا ہوا۔ کہیں اس آگ کی خاصیت تو نہیں بدل گئی۔ قرطیس! دیکھنا میری آنکھوں کا کیا حال ہے؟ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا" +

عذرا نے گھبرا کر اپنا سر پکڑنا چاہا۔ مگر ہاتھوں نے یاری نہ دی اور اتنی ہی حرکت سے ان کے تمام بال اُتر کر زمین پر گر گئے +

ایوب (گھبرا کر) "اُفوہ! دیکھنا۔ دیکھنا۔ یہ تو کچھ بندر سی بنی جاتی ہے" +

یہ کہنے کے ساتھ ہی ایوب تیورا کر زمین پر اوندھے مُنہ گر گیا +

حقیقت میں صورت ہی بڑی خوفناک تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے عذرا وہ عذرا نہیں رہ گئی جواب سے دو منٹ پیشتر تھی۔ جھُرّیاں پڑیں۔ کھال لٹکی۔ کُوب نکلا۔ چہرہ ذرا سا ہو گیا۔ آنکھیں جاتی رہیں۔ بال گر گئے۔ رنگ و روغن بدل کر سُرخی سے زرد اور زردی سے سیاہ ہو گیا۔ یہانتک کہ قد و قامت میں بھی فرق آ گیا۔ اور زمین پر گر گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس قسم کا فوری تغیّر تھا کہ خدا نہ دکھلائے۔ سُنا بھی نہیں تھا۔ زمین پر پڑے ہوئے اس کا جُثّہ ایک بن مانس سے زیادہ نہ تھا۔ یا پانچ چھ مہینے کے بچّے جتنا۔ قیاس بھی دھوکا کھا رہا تھا کہ یہی وہ عورت ہے جو کیا بلحاظ اپنے حُسن کے اور کیا بلحاظ اپنے علم و عقل کے دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ مگر اس کا کیا علاج ہو کہ یہ حقیقت میں ایک امر واقعہ تھا ہماری آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور جس میں ہم کو شک کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ غنیمت تھا کہ اس وقت تک عذرا کے حواسوں پر کوئی صدمہ نہ آیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے کوشش کر کے اُٹھیں۔ اور ایک حسرت کے ساتھ اِدھر اُدھر مُنہ پھرا کر دیکھنے لگیں۔ مگر وہاں آنکھوں پر تمام سفیدی چھائی ہوئی تھی۔ بولنا چاہا۔ مگر آواز نے کام نہ دیا۔ بڑی کوشش سے صرف اتنا کہہ سکیں۔ قرطیس! دیکھنا مجھے بھول نہ جانا۔ میری تقصیروں کو معافی کی نظر سے دیکھنا میں ایک مرتبہ پھر آؤنگی۔ اور اپنے اسی حُسن کو لئے ہُوئے۔ جو — جو — ہائے — ہا — ہا — ہا — ؟ +

عذرا جملہ بھی پورا نہ کرنے پائی تھیں کہ پھر گر گئیں۔ اور ساتھ ہی جان نکل گئی!
اُف کیا قیامت کا وقت تھا! کیا سانحہ تھا!! عذرا کو مرتے دیکھ کر ہم دونوں بھی بیہوش ہو کر گر گئے!!!

× × × × × × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × × × × ×

میں خدا جانے کتنی دیر بیہوش پڑا رہا ہونگا۔ جہاں تک میرا قیاس کام کرتا ہے۔ شاید گھنٹوں۔ جب میری آنکھ کھلی ہے تو ایمن اور ایّوب کو میں نے بدستور بیہوش پایا۔ اوران شعلوں کی وہ آواز دلخراش بالکل قریب ہی آرہی تھی۔ مُڑکر دیکھا تو واقعی وہ روشنی غائب ہی ہوئیوالی تھی۔ عذرا کا ڈھانچہ بھی وہیں جھریوں کی چادر میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔ اللہ اکبر! خدا وہ وقت کسی دشمن کو بھی نہ دکھلائے *

آخر اس ناگہانی تغیّر کی وجہ ہوئی کیا۔ اس آگ کی خاصیّت میں واقعی کوئی تبدیلی آگئی ہے؟ کیا اس آگ میں کسی وقت فوراً ہلاک کر دینے اور کسی وقت عمر کو صدیوں تک بڑھا دینے کا مادہ ہے؟ یا یہ کہ جس جسم پر یہ ایک مرتبہ اثر کر چکتی ہے۔ دوسری مرتبہ وہ جسم اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ اور فوری موت اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہی ایک وجہ کسی قدر دل کو لگتی تھی۔ ممکن ہے کہ دو ہزار برس کے عرصہ میں بھی اُس آگ کا زور جسم میں باقی رہا ہو۔ اور دوسری مرتبہ متحمّل نہ ہو سکا ہو*

عذرا کی لاش کو دیکھ کر طرح طرح کے خیالات دل میں پیدا ہوتے تھے۔ مجھے اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی ترکیب سے دو ہزار برس تک جلایا جائے تو انحطاط اس کو گھٹا گھٹا کر اتنا ہی بڑا اور اسی صورت کا کر دیگا۔ جو اس وقت عذرا کی تھی۔ انسان اپنے ہر فعل سے اپنے لئے نیک نتائج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر تقدیر تمام چیزوں پر غالب ہے۔ اسی عذرا کو دیکھ لیجئے اور اس کی مختلف قوتوں سے اندازہ لگائیے کہ اگر کہیں یہ دنیا کے اس حصہ پر نکل آتی تو کیا آفت ڈھاتی اور کیسے کیسے فتنے برپا کرتی۔ مگر شدنی بات۔ وہ اسی خیال

ہیں رہی کہ ان کھوؤں میں قرطیس آکر رہیگا اور جگہ اس کی تلاش لاحاصل ہے
زندہ مردوں میں شامل رہے اور وحشیوں میں زندگی گزار دے۔ پھر قرطیس ملا
تو اس کی صورت بھی جی بھر کر دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ وہ بلا کا حسن۔ وہ قیامت
انتہائے علم وعقل اس کے کچھ کام نہ آیا۔ اور آخر وہ جو تمام دنیا کے بادشاہوں کو
حقیر کرکے اپنے قدموں میں گرانا چاہتی تھی۔ اہل دنیا کی طرح نہایت حسرت
اور بے کسی کے ساتھ اُسی راستے چل دی جس پر ایک پادشاہ سے لیکر ایک فاقہ کش
کو جانا پڑتا ہے اس نے اپنے زعم میں فطرت انسانی کا دو ہزار برس تک مقابلہ
کیا۔ لیکن آخر کچھ نہ بن پڑا۔ اور دم بھر میں اس نے موت کے قدموں میں سر جھکا دیا +
ہائے دنیا بھی عجیب بے درد ہے! یہاں رہ کر کوئی کسی چیز پر کیونکر اعتبار
کرسکتا ہے؟ ہر آدمی جتنی حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اگر ان کی پڑتال
کی جائے تو ایک نیا عالم بنتا ہے۔ ذرا کوئی اس وقت عذرا کے دل سے
پوچھے کہ کیا گزر رہی ہوگی۔ کتنی اُمیدیں اس کے سرہانے کھڑی پیٹ
رہی ہونگی؟ اور کتنی حسرتیں خون میں تڑپتی ہونگی؟ مگر یہ کوئی نئی بات تھوڑا
ہی ہے کہ دنیا کے ایسے ایسے تماشے خدا جانے کتنے دیکھے اور دکھلائے اور آئندہ
کتنے دیکھے اور دکھلائیگی۔ دنیا کے بڑے بڑے کام کس دھوم دھام سے شروع
ہوئے۔ اور کس طرح ناتمام رہ گئے۔ سکندر سے پوچھئے کہ جب اس کی فوج نے پنجاب
پہنچ کر آگے بڑھنے سے انکار کردیا تو اس کے دل پر کیا گزرا ہوگا؟ شداد کا دم اس باغ
کی دہلیز پر نکلا جو اس کی عمر بھر کی تمناؤں کا مایۂ فخر وناز تھا۔ بایزید یلدرم عین
شباب فتوحات میں قید ہوا۔ بوناپارٹ دنیا کو فتح کرنے سے پہلے ہی انگریزوں کے ہاتھ
میں گرفتار ہوگیا۔ ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ مرنے والو تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے
میں بڑی دیر تک ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں رہا۔ پھر سوچا کہ اکیلی
عذرا کو رونا کونسا انصاف ہے۔ اگر ایسوں کو رونے بیٹھیگا تو کس کس کو روئیگا
میں اُٹھ بیٹھا اور سب سے پہلے عذرا پر اس کا کرتہ ڈال کر ڈھک دیا۔ پھر
ایوب کو سیدھا کیا تو اس کا ہاتھ کچھ اس طرح ایک طرف کو جا پڑا کہ میں بہت

ہی گھبرایا۔ بغور دیکھا تو ایک ہی نظر میں معلوم ہو گیا کہ ہمارا پرانا وفادار رفیق ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اس ملک کے واقعات کو دیکھ دیکھ کر پہلے ہی اس کا دل کمزور ہو چکا تھا یہ نیا تماشا دیکھ کر خوف نے اسکے دل کی حرکت بند کردی اور دفعتہً اس کا خاتمہ کر دیا۔

میرے اُوپر یہ دوسرا صدمہ تھا۔ میں گھبرا کر ڈرتا ہوا ایبن کی طرف بڑھا۔ اتنی دیر میں ان کی نسبت بھی طرح طرح کے بُرے خیالات مجھے ڈرا چکے تھے۔ لیکن الحمدللہ کہ وہ اسی وقت ہوش میں آ گئے۔ اور کوئی دس منٹ میں اُٹھ بیٹھے۔ اور ایّوب کو ہوش میں لانے کا فکر کرنے لگے۔ مگر میں نے ان سے کہا کہ "بس اب ایّوب کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ سونے دو۔ یہ تو اب صورِ حشر کے ہی جگائے جاگینگے" +

ایبن "کیا ایّوب بھی چل دیا؟"

میں "ہاں"!

ایبن ایک ٹھنڈا سانس لیکر چپ ہو رہے۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ ایبن کو ایّوب کے مرنے کا صدمہ نہیں ہوا ان کو اس سے بہت ہی محبّت تھی۔ بلکہ اب تک اُس کا ذکر بڑی حسرت سے کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ پہلے صدمے نے اس وقت ہمارے دلوں میں اتنی جگہ نہ چھوڑی تھی کہ دوسرے کو ہم پوری طرح محسوس کر سکتے +

بہرحال میں اسی پر شکر کرتا تھا کہ ایبن سلامت رہ گئے۔ اگرچہ اتنا تغیّر اُن میں بھی ضرور ہو گیا کہ اُن کے سنہری بال بالکل سفید ہو گئے۔ اور بشرے سے بھی کوئی چالیس برس سے زیادہ عمر کے معلوم ہونے لگے۔ ایبن بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور میں ان کی صورت دیکھتا رہا +

ایبن "عمو! کہئے اب کیا کرنا چاہیئے"؟

میں "بھئی میرے نزدیک تو جس طرح بنے یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر تمہارا جی اس آگ میں کھڑا ہونے کو چاہے تو اور بات ہے" +

ایبن (آہ کرکے) اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس میں سے سلامت نہ نکلونگا تو مجھے کچھ تامّل نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہ ہو کہ میں سلامت نکل آؤں اور ہزاروں برس کی ناقابلِ برداشت زندگی میرے گلے کا ہار ہو جائے۔ ہائے مجھ کمبخت کے وسوسہ ہی

نے اس کی جان لی۔ اگر میں تامل نہ کرتا تو وہ کیوں اس میں جاتی اور کیوں مرتی؟ عمو! حقیقت میں اگر مجھے یہ یقین کامل ہوتا کہ میں اس آگ میں سے مر کر ہی نکلونگا تو ابھی کود پڑتا۔ جس طرح اس نے میرا دو ہزار برس تک انتظار کیا ہے۔ مجھ سے تو دو برس بھی انتظار نہ کیا جائیگا۔ ہائے کس قدر وفادار تھی (کچھ سوچ کر) اگر آپ اس میں کھڑا ہونا چاہیں تو جائیے" +

میں صرف سر ہلا کر چپ ہو رہا۔ وہ بھی خدا جانے کیا بات تھی کہ عذرا کے سامنے میں نے اس آگ میں "غسل کر لینا" منظور کر لیا تھا۔ اب تو میں قیامت تک بھی اس کا نام نہ لونگا۔ علاوہ ازیں ممکن تھا کہ اگر عذرا کی مثال اچھی قائم ہوتی تو مجھے بھی جرأت ہو جاتی۔ مگر وہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ اور ہم کو وثوق کے ساتھ اس آگ کی خاصیت بھی معلوم نہ تھی +

میں "ایمن! چلنے کا فکر کرو۔ اگر یہاں رہے تو ان دونوں کا سا ہی انجام ہمارا ہوگا پہلے چراغوں کو دیکھ لو" +

غنیمت تھا کہ چراغوں میں کچھ تیل باقی تھا۔ ایمن نے ایک کپّی میں کچھ تیل بھی باقی بتلایا۔ بڑا اطمینان ہو گیا۔ میں نے چقماق سے آگ جھاڑی ہی تھی کہ اُس شعلہ کے آنے کی پھر آواز سُنائی دی +

ایمن "عمو! ذرا ٹھیر جائیے۔ ایک مرتبہ اسے اور دیکھ لیں۔ دنیا میں پھر یہ چیز نظر نہ آئیگی" +

میں "پھر وہی مہمل بچپن۔ اچھّا اسے بھی دیکھ لو۔ اور ہاں اور کچھ نہیں تو لاؤ ایوّب کے جنازہ کی نماز تو پڑھ لیں۔ یہ بھی بیچارہ شہید ہی ہُوا۔ گور و کفن تو کہاں سے مُیسّر آئیگا" +

ہم نے بہزار حسرت ایّوب کا جنازہ اُٹھایا اور اندازاً قبلے کی طرف رُخ کر کے لٹا دیا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ دیکھو بعض وقت کا خواب بھی کیسا سچا ہوتا ہے۔ ایّوب سچ کہتا تھا۔ خواب دیکھ کر چار روز بھی نہ جیا۔ عذرا کا مُنہ دیکھنے کی بھی ہمیں جرأت نہ ہوئی۔ اس کو یونہی جنازہ کی نماز پڑھ کر وہیں ڈھکا چھوڑ دیا۔ مرحوم

کے بالوں میں سے ایک لٹ بین نے اُٹھائی اور ایک امین نے +

امین (لٹ کو چوم کر) "مرتے مرتے تاکید کر گئی ہے کہ میں اُسے نہ بھولوں۔ زندگی تو زندگی شاید مرنے پر بھی نہ بھولونگا۔ عمو! میری قسم کے گواہ رہئے کہ عذرا کی صورت دیکھ کر میں کسی عورت کا مُنہ نہ دیکھونگا۔ عمر یُوں ہی اس کی یاد میں گزار دونگا" +

بہرحال اس کے بعد ہم نے تن بتقدیر واپس جانے کا قصد کیا۔ اور ان دونوں کو وہیں "سرچشمۂ حیات" پر مردہ چھوڑا۔ ہائے دونوں مرنے والوں پر کس قدر حسرت برستی تھی! وہ عورت جو دو ہزار برس تک دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسینہ اور سب سے زیادہ عقیلہ تھی۔ جس کے علوِّ شان سے یہ خطہ بھر کانپتا تھا آج یُوں بیکسی کے ساتھ فرشِ زمین پر پڑی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اور لوگوں کی طرح اس کی طینت میں بھی بدی تھی۔ لیکن اُس بدی نے اس کی اور خوبیوں کو چنداں نقصان نہ پہنچایا تھا۔ بہرحال اس کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے + بیچارہ ایُّوب بھی ایک طرف لیٹا ہوا زبانِ حال سے اپنی مایوسی ظاہر کر رہا تھا۔ اُف تقدیر نے غریب کو کہاں کھینچا ہے۔ اور کیسا مدفن ملا ہے؟ اللہ! اللہ!!

مرنے والو! اس تنہائی میں وحشت تو تمہیں ضرور ہوگی۔ بالفعل حسرت و ارمان سے جی بہلاؤ۔ بیکسی تمہاری ہر وقت محافظ رہیگی۔ چندروز صبر کرو۔ آخر تنہائی کے خوگر ہو جاؤ گے۔ لو خدا حافظ!

ہم نے ایک نگاہ واپسین اُن دونوں پر ڈالی۔ اور حسرت سے اس کھوہ اور یہاں کی روشنی کو دیکھا اور چل پڑے۔ شاید اہل دنیا ہمیں احمق بنائیں کہ باوجودیکہ ہمیں ایک اچھا موقعہ حاصل تھا۔ مگر ہم نے اس آگ میں نہا کر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدمہ بُری چیز ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے لیئے عمر عذرا کے بغیر دوزخ بن جاتی۔ کس کی کمبختی آئی تھی کہ عمر بڑھا کر ہزاروں برس کی مصیبت گلے ڈالتا۔ کوئی شخص۔ عام اس سے کہ میں ہوں یا امین۔ بکر ہو یا زید عذرا کو دیکھ کر بغیر اس کے زندگی بآسائش نہیں گزار سکتا۔ اس کی صورت ہم دونوں کے دل پر اس طرح منقش ہوئی ہے کہ محسوسات میں سے کوئی اس میں

فرق نہ آنے دیگا۔ ابن کو تو خیر پھر بھی اُمید ہو سکتی ہے۔ لیکن میں ؟ میری حالت بالکل ناگفتہ بہ ہے۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ میں تیرے واسطے نہیں ہوں " یہ جدی بات ہے کہ زمانہ ہی کوئی ایسا آجائے کہ دو مرد ایک ہی عورت پر عاشق ہوں اور پھر تینوں خوش رہیں۔ اور چونکہ بالیقین ایسا کوئی زمانہ آنے والا نہیں لہٰذا میری مایوسی اور بھی قابل رحم ہے۔ لیکن اس پر بھی میں اُمید لگائے بیٹھا ہوں۔ اور اب بھی اگر کوئی مجھے ذرا کی ذرا کے واسطے عذرا کی صورت دکھلا دے تو اس پر جان نثار کرنے کو تیار ہوں۔ اگر اس کا نام محبت کامل نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ اور کس چیز کا نام ہوگا ۔

باب بست و ہفتم

زادِ راہِ اہلِ ہمت ہمّتِ مردانہ است
توشۂ شہباز غیر از چنگلِ شہباز نیست

دونوں کھوؤں کو ہم نے باآسانی طے کر لیا۔ سرنگوں سے مشکلات شروع ہوئیں۔ ڈھلوان تھیں ہی۔ ان پر چڑھنا ایک دشوار بات تھی۔ اور اندھیرے کی وجہ سے اور بھی زیادہ دقت۔ اس وقت خدا نے ہی کچھ دل میں ڈال دیا کہ میں نے اس راستے کا نقشہ اپنے ذہن میں جما لیا تھا۔ ورنہ سر ٹکرا ٹکرا کر بھوکے پیاسے مر جاتے اور قیامت تک راستہ نہ پاتے۔ اس پر بھی کئی مرتبہ ہم سے غلطیاں ہوئیں ایک مرتبہ تو ایک گڑھے میں جا ہی پڑے تھے۔ خدا نے بچا لیا۔ ان کھوؤں میں بیٹھے بیٹھے چلنا جیسا کچھ مصیبت کا کام تھا۔ میرا ہی جی جانتا ہے۔ کہیں سر ٹکراتا تھا یا پیر میں ٹھوکر لگتی تھی تو آہ کر کے رہ جاتے تھے۔ بات کرنے تک کو جی نہ چاہتا تھا۔ اپنی مخدوش حالت سے بات کرنے کی مہلت ہی کس کو ملتی تھی۔ اوّل تو جو صدمے ہم اُٹھا چکے تھے ان ہی نے ہمارے سینے میں دل نہ چھوڑا تھا۔ ہم اچھی

تمام سعی اس پر ختم کرنا چاہتے تھے کہ کسی طرح یہاں سے نکل چلیں۔ تین چار گھنٹے یوں ہی پریشان رہے۔ اس میں دو گھنٹے وہ سمجھ لیجئے کہ جن میں ہم راستہ بھول اِدھر اُدھر ٹکراتے پھرے ہیں۔ یکایک مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ جس کی نسبت خیال ہؤا کہ جاتے ہوئے ہمارے راستے میں پڑی تھی۔ حالانکہ اسی چٹان کو ہم دو مرتبہ چھوڑ گئے تھے۔ غرض اِس چٹان نے دریا میں قطب نما یا ستارے کا کام دیا۔ اور اسی کے اندازہ سے ہمیں وہ راستہ مل گیا جس سے اُتر کر ہم انوش کی کھوہ سے یہاں تک پہنچے تھے ؎

انوش کی کھوہ میں پہنچ کر اس سے تو اطمینان ہو گیا کہ ہم کھوؤں سے نکل آئے۔ لیکن تازہ دقت تھی بغیر کسی تختہ وغیرہ کی مدد کے غار کو عبور کرنا۔ کیونکہ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مرحوم ایّوب کی گھبراہٹ سے تختہ نیچے جا پڑا تھا۔ اب نئے سرے سے سوال پیدا ہؤا کہ کیا کیا جائے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے تھے۔ کسی طرح کود کر پار ہو جانا۔ یا یہیں مر رہنا۔ اگرچہ فاصلہ چنداں زیادہ نہ تھا۔ یعنی کل زمین ساڑھے تین گز۔ ایّوب تو اکثر کھیل کود میں سات آٹھ گز تک کی جست کرتے رہے ہیں۔ لیکن اندازہ کیا جائے موجودہ حالت کا کہ ادھر ایک نوکیلی چٹان۔ اور وہ بھی (بقول عذرا کے) کمزور کہ خیال تھا کہ ہوا ہی کسی روز لے اُٹھا کر پھینک دیگی۔ اس طرف ایک تنگ چٹان پر پہنچنا ہے اور وہ اس قدر مخدوش کہ ایک طرف پہاڑ اور دو طرف غار۔ اس پر ہم دونوں تھکے ہوئے۔ دل ٹوٹے ہوئے۔ بھوکے پیاسے۔ مختلف خراشوں سے خون بہتا ہؤا۔ اس پر مصیبت وہاں کی ہوا۔ میری ذات خاص کی نسبت اتنا اور بڑھا لیجئے کہ عمر چالیس سے متجاوز۔ میں نے یہ تمام باتیں ایمن کے سامنے پیش کیں۔ ان کا فیصلہ مجھے بہت ہی پسند آیا کہ یہاں کھو میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے تو اس غار کی تہ میں پہنچتے پہنچتے مر جانا لاکھ جگہ بہتر ہے۔ جان تو آسانی سے نکل جائیگی۔ اور اگر کہیں اُدھر پہنچ گئے تو فہوالمراد اور حقیقت میں سوائے اس کے اور چارہ بھی کیا تھا۔ لیکن اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اس کا علاج بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس روشنی

کا انتظار کریں۔ اب یہ خبر نہیں کہ روشنی کے وقت میں دیر ہے۔ یا قریب ہی ہے۔ روشنی آئی بھی تو دم کے دم کے لئے۔ تکان کہتی تھی کہ ابھی سو رہو۔ احتیاط مقتضی تھی کہ جاگو اور انتظار کرو۔ لامحالہ یہی سوچا گیا کہ اوپر چل بیٹھیں اور جیسے ہی روشنی آئے کودنے کا فکر کریں۔ لطف یہ تھا کہ چراغ بھی جواب دے چکے تھے۔ نیچے کم سے کم ہوًا سے تو امن تھا۔ مگر اندھیرے میں کس سے ٹھیرا جائے۔ لاچار اوپر چلے گئے۔ بیٹھا تو کس سے جاتا وہیں چٹان سے چمٹ کر جس طرح بنا لیٹ گئے +

اُف! خدا وہ وقت نہ دکھائے۔ چاروں طرف اندھیرا۔ نیچے غار ہوًا کے تھپیڑے۔ ہوا کی گونج سے مختلف آوازوں کا سُنائی دینا۔ بھلا یہ پریشانیاں کہیں نیند آنے دیتی تھیں۔ انتظار تو دس منٹ کا بُرا ہوتا ہے۔ یہاں گھنٹوں کا انتظار۔ اللہ اکبر! موت ہی موت نظر آتی تھی +

یہاں پڑے پڑے ایک عجیب بات پیش آئی۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ جاتے ہوئے عذرا کا کالا بُرقعہ (ہائے میری زبان سے جب نکلا "کفنی" ہی نکلا۔ مگر خدا نے اسے کفنی بھی نہ بنایا) ہوًا میں اڑ گیا تھا۔ اور اسی وقت کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس وقت ہم یہاں روشنی یا موت کے انتظار میں لیٹے تھے کہ یکایک یہی برقعہ کہیں سے اُڑتا ہوًا آیا اور امین کو سر سے پیر تک چادر کی طرح لپیٹ لیا۔ ابتداً تو بڑا خوف معلوم ہوًا۔ اور بڑی ہی وحشت معلوم ہوئی کہ کس بلا میں پھنس گئے۔ لیکن کچھ تو ٹٹولنے۔ اور کچھ عذرا کے جسم نازک کی رواںج جان پرور سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ برقعہ ہے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں نے امین کو عذرا کے غم میں روتے دیکھا تھا۔ اُف کس درد کے ساتھ روئے ہیں کہ باوجود ضبط میرے بھی آنسو نکل پڑے۔ عجب نہیں کہ اُس وقت بُرقعہ اُڑ کر کسی پتھر میں اُلجھ رہا ہو گا۔ اور اب ہوًا نے پھر اٹھا کر امین کے اوپر لا ڈالا ہو۔ بہرحال واقعہ نہایت عجیب اور دردناک تھا +

اندازاً اس کے دو گھنٹے کے بعد کچھ کچھ چاندنی چھٹکنا شروع ہوئی۔ پہلے

ہمیں شبہ ہی رہا - لیکن جیسے ہی چاندنی اُتری ہم تیار ہو گئے +

ایلن "لیجئے عمو بس یہی وقت ہے"

میں "اچھا تو پہلے کون جائے" +

ایلن "پہلے آپ ہی جائیے - میں اس چٹان کے اُس کنارے جا بیٹھتا ہوں - تاکہ کچھ بوجھ زیادہ رہے اور کھسکنے نہ پائے" +

میں کھڑا ہو گیا - ایلن سے بغلگیر ہوا - اور ان کی پیشانی چوم لی +

میں "تو خدا حافظ! دیکھئے ہم تم اب کہاں ملتے ہیں - ایلن تم میری تیس برس کی کمائی ہو - اس اثنا میں اگر تمہارے نزدیک مجھ سے کچھ فروگزاشت ہوئی ہو تو معاف کرنا" +

میں یہ کہتے ہی کچھ پیچھے ہٹا - مگر ہوا نے مجھے آگے ہی کو دھکیلا - میں اُسے اور بھی تائید غیبی سمجھ کر دوڑ کر خدا کے توکّل پر جست کی - اُس وقت اپنے دل کی حالت کچھ مجھے ہی خوب معلوم ہے یا عالم الغیب جانتا ہے - اور خاص کر اس وقت کہ مجھے یقین ہو گیا کہ جست اوچھی پڑی ہے - اور میں اب چلا اور حقیقت میں اگر میرا ہاتھ ایک پتھر پر نہ پڑ جاتا تو خدا جانے کہاں کا کہاں پہنچا ہوتا - حواس تو کس کے بجا تھے - یہ بھی ایک اتفاقی اور اضطراری بات تھی کہ پتھر میرے ہاتھ آ گیا - غرض میں اب ادھر لٹک رہا ہوں - جس پتھر کو میں پکڑے ہوئے تھا وہ بالکل میرے سر پر تھا - جس نے سر اُبھارنا بھی ناممکن کر دیا تھا - تکان تو پہلے ہی تھی - ہاتھوں میں اتنا سکت نہ تھا کہ میں اپنے حواس بجا ہونے تک بھی ٹھیرتا اور پھر کوئی تدبیر سوچ لیتا - بہرحال میں نے یہ سوچ لیا کہ منٹ ہی دو منٹ میں ہاتھ بالکل بیکار ہو جائینگے - اور میں نیچے غار میں جا پڑونگا جس کی تھاہ ہی نہیں ہے - شاید کوئی شخص بھی اس سے زیادہ مخدوش حالت نہ بتا سکیگا میرا دماغ تو اسی آدھے منٹ میں بیکار ہو گیا +

ایلن بھی میری یہ حالت دیکھ چکے تھے - وہ بھی فوراً کود ے اور خدا کا شکر ہے کہ اس طرف سلامت پہنچ گئے - مجھے یکایک ایک زلزلہ سا محسوس

ہوُا اور ساتھ ہی کسی چٹان کے گرنے کی آواز آئی - میں نے سمجھا کہ یہ چٹان
جس میں مَیں لٹک رہا ہوں - امین کا بوجھ اور جھٹکا نہ سہار سکی - اور مجھے لیکر
نیچے چلی - لیکن خود کو پھر صحیح سلامت پاکر شکر کیا +

امین وہیں میرے قریب ہی اچھی طرح لیٹ گئے - اور دونوں ہاتھوں
سے میرا ایک ہاتھ پکڑ لیا +

امین "میں آپ کو پکڑے ہوئے ہوں - آپ اطمینان کے ساتھ اپنا ہاتھ
چھوڑ دیجئے - یا تو میں نے آپ کو کھینچ لیا - یا آپ کے ساتھ خود بھی اندر ہی
گیا - تنہائی سے مرنا ہزار درجہ بہتر ہے" +

میں نے امین کو ہوشیار کر کے ہاتھ چھوڑ دیا - یہ وقت نہایت ہی جانستان
تھا - اگرچہ امین طاقتور جوان ہیں - مگر مجھے اندیشہ تھا کہ وہ میرا بوجھ نہ سنبھال
سکینگے - چند سیکنڈ تو میں ضغط ہی میں لٹکتا رہا - پھر امین نے ایک مرتبہ زور
کر کے اُوپر کھینچا - میرا سینے تک اُوپر اُبھر آنا کافی تھا - کچھ امین نے کھینچا -
کچھ میں نے زور کیا - الحمد للہ کہ میں اُوپر آگیا - میرے حواس تو معطّل تھے ہی -
امین بھی پسینے میں بالکل شور بور ہو گئے - بہر حال ذرا ٹھیر کر ہم دونوں نے
یہانتک سلامت پہنچنے پر سجدۂ شکر کیا اور ذرا سستانے کو بیٹھ گئے +

امین "عمو! یہ بھی معلوم ہے ابھی کیا گرا تھا" ؟

میں "میرے ہوش ہی بجا نہ تھے - آواز تو کچھ سنی تھی" +

امین "وہ سامنے کی چٹان آخر لڑھک گئی (ابھی کچھ کچھ روشنی باقی تھی)
وہ دیکھئے اس نے انوث والی کھوہ کو بالکل بند کر دیا ہے" +

میں نے دیکھا تو واقعی غار کا مُنہ چوگنا ہو گیا تھا - اور انوث کی کھوہ
میں اُترنے کے لئے بالکل راستہ نہ رہا تھا +

میں "یہ بھی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے گیا - اوّل تو ادھر
آتا ہی کون ہے - اور اگر آیا بھی تو نیچے پہنچنے کا راستہ ہی باقی نہیں رہا
امین! سچ جانو - مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی" +

کوئی آدھ گھنٹہ تو ہم یوں ہی بیٹھے رہے ہونگے۔ آخر آگے چلنے کا فکر کیا +
پچھلی کھوؤں سے طے کرنے میں ہمیں چراغ نے بہت مدد دی تھی۔ اب چراغ بھی نہ رہے تھے۔ اور سب سے بڑی کھوہ ہمیں طے کرنے کو تھی۔ سنگ آمدد سخت آمد یوں ہی ٹٹولتے ہُوئے بڑھے۔ ایک سیدھ باندھ لی تھی اور چلے جاتے تھے۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے تھے۔ تمام بدن لہو لہان تھے۔ مگر جان کا لالچ اور ایک موہوم اُمید ہمیں کھینچے لئے چلی جا رہی تھی۔ ورنہ اکیلے تکان ہی کے مارے ایک قدم نہ اُٹھتا تھا۔ کہاں تک قصۂ درد سُناؤں مختصر یہ ہے کہ جب ہم نے اس آخری کھوہ سے نجات پائی ہے تو صبح صادق تھی۔ وہ آسمان جس کے دیکھنے سے ہم قطعی نا اُمید تھے ستاروں سے گود بھرے ہُوئے موجود تھا۔ نسیم صبح نے پھولوں پر وہ احسان نہ کیا ہو گا جو ہمارے دماغوں کے ساتھ کیا۔ اس بڑے جھلکہ سے نجات پا کر ہم نے پھر سجدہ کیا +
بیٹھے تو اُٹھا کس سے جاتا تھا +

ایلین "عمو! دیکھئے کس طرح گئے تھے اور کیونکر واپس آئے (آنسو نکل پڑے) دو رات اور ایک دن میں کیسی کیسی نئی باتیں دیکھیں اور کیسی کچھ پریشانی اُٹھائی۔ اللہ اکبر! یہاں پہنچنے کی بھی کسے اُمید تھی۔ صرف اس آخری کھوہ کے طے کرنے میں پوری رات اور کچھ حصّہ دن کا لگ گیا۔ مگر اب کسی طرح نہیں اُٹھا جاتا بیٹھے ہیں۔ تو بیر ہی نہیں کھلتے۔ پیاس کے مارے زبان میں کانٹے پڑے ہُوئے ہیں۔ اور بھوک تو خیر ــــــ" +

ملن "میری بھی یہی کیفیت ہے۔ اب ایک مرتبہ اَور ہمّت۔ پہاڑ کے نیچے بالیقین یاقوت ہمارا انتظار کر رہا ہو گا۔ بس وہیں چلکر گو نہ آرام اور اطمینان ہو گا" +
میں بمشکل تمام اُٹھا۔ ایلین کو اُٹھایا۔ اور بمشکل تمام پہاڑ سے نیچے اُترے۔ پھر آگے نہ چلا گیا اور وہیں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر ذرا آرام کر کے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل بچّوں کی طرح اُن جھاڑیوں کی طرف چلے جہاں اُس جانِ حُسن اور کانِ حُسن جانِ بہار نے یاقوت اور اپنے حمالوں کو ٹھیرنے کا حکم دیا تھا +

ہم کوئی پچاس ہی قدم بڑھے ہونگے کہ دُور سے ایک گونگا آتا دکھائی دیا۔ ہم پر بھی اس کی نظر پڑی۔ اور وہیں ٹھٹک رہا۔ روشنی اچھی طرح ہو ہی گئی تھی۔ وہ بڑی دیر تک ہمیں دیکھتا رہا۔ مگر اُسے شاید یقین ہو گیا کہ ہم کوئی عجیب الخلقت جانور نہیں ہیں۔ بلکہ وہی ہیں جو اس کی ملکہ کے ساتھ گئے تھے اس کا ہمیں نہ پہچاننا کچھ عجب نہ تھا۔ کیونکہ امین کے سُنہری بال اب بالکل سپید تھے۔ اور یوں بھی ان پر ایک طرح کا بوڑھاپا معلوم ہوتا تھا۔ سر سے لے کر پیر تک ہم دونوں کے سینکڑوں خراشیں آئی تھیں اور خون بہ بہ کر تمام جسم پر جما ہوا تھا۔ کپڑوں کے چیتھڑے ہو گئے تھے۔ دو روز کے بعد جو میں نے آئینہ دیکھا ہے تو واللہ میں نے خود کو نہیں پہچانا۔ اس پر ہم چل رہے تھے جانوروں کی طرح +

غرض وہ گونگا اپنا اطمینان کر چکا تو بجائے اس کے کہ ہماری طرف آتا۔ واپس بھاگا۔ مجھے بڑی ہی مایوسی ہوئی۔ لیکن تھوڑی دیر میں ہم نے یاقوت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہیں اطمینان ہوا۔ ہم دونوں نے یاقوت کو سلام کیا +

یاقوت "نسناس! نسناس!! یہ تیرا کیا حال ہے؟ اور اسد کو کیا ہو گیا۔ اس کے بال کیسے سفید ہو گئے۔ ملکہ مطاع الکل کہاں ہیں؟ کیش پیچھے ہی ہو گا"؟

میں "دونوں مر گئے۔ ابوی! ہم میں بات کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے کچھ کھانا اور پانی لاؤ۔ ورنہ کوئی دم میں ہم بھی مرا ہی چاہتے ہیں۔ ہم سے بالکل بات نہیں کی جاتی" +

یاقوت (فکرمندانہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) "مر گئے! حیّہ کیونکر مر سکتی ہے بالکل ناممکن"!

چونکہ گونگے اس کی حرکتوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کچھ اشارہ کیا اور دونوں ہمیں چڈھی چڑھا کر اُس جھاڑی کے پیچھے لے گئے جہاں وہ ٹھیرے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ان کا کھانا بھی تیار تھا۔ ہم نے بلا تمیز حلال و حرام گوشت کا شوربہ پیا۔ اور کچھ روٹی کھائی۔ کچھ ہوش ہوا۔ یاقوت نے ہمارے زخم دُھلوائے وہیں گھاس کے ڈھیر لگا کر بستر بنا ہوا تھا۔ ہم دونوں پڑ کر بے خبر سو گئے +

باب بست و ہشتم

شب آخر آمد و افسانہ از افسانہ مے خیزد

مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کتنا سویا ہونگا۔ کسی قدر آنکھ کھلی تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے میرے ہاتھ پیر توڑ دئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی طبیعت میں کچھ اضطراب سا ہوا اور میں اُٹھ بیٹھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے میری نظر یاقوت کی متبرک صورت پر پڑی۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام پچھلی باتیں یاد آگئیں۔ امین ابھی تک غافل پڑے سو رہے تھے۔ اُن کا سفید سر[1] اور جا بجا کے زخم نہ دیکھے گئے۔ اور میں نے اُن کی طرف سے مُنہ پھیر لیا +

یاقوت ”نساس تُو تو خوب سویا!

میں۔ ”ایوی میں کتنی دیر سویا ہونگا“؟

یاقوت۔ ”ایک سورج چمک کر ڈوب گیا۔ ایک چاند نکل کر چھپ گیا۔ اور تو برابر سوتا ہی رہا۔ دیکھ اسد! اب تک سو رہا ہے“+

میں ”اللہ اکبر! میں ایک دن اور ایک رات برابر سوتا رہا۔ اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ نیند بھی عجب نعمت ہے۔ تھوڑی ہی دیر کی پچھلی جانفرسا باتوں کو بھلا دیتی ہے“+

یاقوت ”نساس! ذرا اپنا قِصّہ تو سُنا۔ یہ تم دونوں کا کیا حال ہے اور ”ملکہ مطاع الکل“ جس کو کبھی موت آنے والی نہ تھی کیسے مرگئی۔ اسد کے بال کبوتر کر سفید ہو گئے۔ اگر حقیقت میں حینہ مرگئی ہے تو تم دونوں کا زندہ بچنا بھی یہاں مشکل ہے۔ ان لوگوں کا تو انہارے واسطے لال ہے۔ اور یہ لوگ تمہارے گوشت

---

[1] کیسے تعجب کی بات ہے کہ امین کے بال پھر اپنی اصلی حالت پر آتے جاتے ہیں۔ یقین ہے کہ چند روز میں بالکل درست ہو جائیں گے + (حنیف)

کے بہت ہی بھوکے ہیں۔ بنو الجر تمہارے سخت دشمن ہیں۔ ان کی دشمنی خاصکر اس واسطے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ کہ ملکہ مطاع الکل نے ان کے بیسیوں آدمیوں کو تمہارے ایک آدمی کے واسطے مروا ڈالا۔ اگر ان کو کہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اب اُن کو ملکہ "مطاع الکل" کا کچھ خوف باقی نہیں ہے تو وہ فوراً تمہیں مار ڈالینگے لیکن خیر پہلے اپنا قصّہ تو بیان کر" +

میں نے بہت اختصار کے ساتھ اس کو کچھ قصّہ سُنایا۔ اور یقین دلانے کی کوشش کی کہ "ملکہ مطاع الکل" ایک آگ میں جل مری ہے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ میری باتیں سمجھ بھی نہ سکیگا۔ لیکن اس پر بھی یاقوت کو بالکل یقین نہ آیا +

یاقوت (ہنسکر) "گو تیرے نزدیک ملکہ مرچکی ہے۔ مگر نسناس! یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حیۃ کبھی نہیں مر سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چند روز کے لئے کسی مصلحت سے چھپ رہی ہو۔ کیونکہ ایک مرتبہ میری نانی کے وقت میں بھی سُنا ہے کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ کہ بارہ برس تک وہ پوشیدہ رہی تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ ملکہ کوئی پچاس برس تک نظر نہیں آئی۔ حتےٰ کہ ایک اور عورت بھی تخت پر بیٹھ چکی تھی۔ اور اس نے خود کو حیۃ بتلایا تھا۔ آخر ملکہ نے آکر اس کو سزا دی اور اپنا تخت خالی کرالیا" +

میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور سر ہلا کر چُپ ہو گیا۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یقین تھا۔ کہ عذرا کا اب دنیا میں آنا۔ یا کم از کم یاقوت سے ملنا بالکل ناممکن ہے +

یاقوت "نسناس! اب بتلا اب تو کیا کریگا"؟

میں "کیا بتلاؤں؟ آرزو تو یہ ہے کہ کسی طرح ہم تمہارے اس ملک سے اپنی جان سلامت لے کر نکل جاتے" +

یاقوت (کچھ سوچ کر) "بس یہی مشکل ہے۔ کور کے راستے تم جا نہیں سکتے۔ اگر گئے اور لوگوں نے تمہیں تنہا دیکھ پایا تو تمہارا زندہ رہنا مشکل ہے۔ ہاں ایک تدبیر ہے کہ تم کسی ترکیب سے پہاڑ ہو کر نکل جاؤ۔ شاید ایک مرتبہ میں نے تجھ سے بیان بھی کیا تھا کہ یہاں کے لوگ اپنے جانوروں کو اس طرف چرنے کو چھوڑ دیتے

ہیں۔ اور سال میں دو مرتبہ آ کر لے جاتے ہیں۔ میں نے یہ راستہ کبھی نہیں دیکھا اتنا سنتا ہوں کہ وہ جگہ دلدلوں سے تین روز کی راہ ہے۔ اور دلدلوں سے سات روز کا راستہ بڑا دریا ہے جو سب سے بڑے دریا میں جا ملتا ہے۔ اگر تم دونوں اس راستے سے جا سکو تو شاید بچ جاؤ۔ لیکن کیسے جا سکتے ہو"؟

میں:- ابوی! تمہیں یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ وہ ایک قسم کا قرض تھا۔ اب ہماری جان بچانا یا میرا قرض ادا کرنا تم پر فرض ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تم نے عمر بھر کبھی کوئی بُرائی نہ کی ہو۔ ہمارے ساتھ نیکی کرنے سے اُن بُرائیوں کا کفارہ بھی ہو جائیگا۔ اور نیز اگر بقول تمہارے "ملکہ مطاع الکل" مصلحتاً چھپ بیٹھی ہیں تو واپس آ کر وہ تم سے بہت ہی خوش ہونگی اور تمہیں انعام دینگی"۔

یاقوت:- نسناس! میں تجھے اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں۔ تُو نے جو میری جان بچائی ہے اس کو کبھی نہ بھولونگا۔ اس کے بدلے میں تیری اور تیرے ساتھی کی ضرور جان بچاؤنگا۔ چاہے میری ہی جان کیوں نہ جاتی رہے۔ لے میں ابھی جاتا ہوں۔ کل صبح تک ڈولیاں یہاں پہنچ جائینگی۔ تم دونوں تیار رہنا۔ میں اُسی وقت چل کر تمہیں دلدلوں کے پار کرا آؤنگا۔ اتنا تو میں کر سکتا ہوں۔ آگے دریا کو عبور کرنے کا میں کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ تمہاری کشتی تک پہنچا دینا میرا ذمہ ہے۔ اچھا دیکھو وہ اسد بھی انگڑائیاں لے رہا ہے اگر جاگ اُٹھے تو پہلے کھانا کھالو۔ میں نے تمہارے واسطے تیار کرا رکھا ہے"۔

امین اُٹھے تو اُن کی طبیعت بالکل درست تھی۔ ہم نے ملکر کھانا کھایا۔ ایک چشمے پر جا کر خوب نہائے اور پھر سو گئے۔ مغرب کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھ کر معلوم ہوا کہ یاقوت صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔ عجب نہیں کہ حمّال اور ڈولیوں کا کہیں انتظام کر رہا ہوگا۔ آدھی رات کو بہت سے آدمیوں کی آہٹ سے ہماری آنکھ کھلی۔ لیکن ان میں یاقوت کو نہ دیکھ کر ہمیں بڑی ہی وحشت ہوئی۔ صبح ہوتے ہوتے یاقوت بھی آ گیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ "ملکہ مطاع الکل"

کا نام لیکر بمشکل تمام اس کو ڈولیاں - حمّال اور دو شخص بطور بدرقہ کے مل سکے - بقول اس کے پھر بھی اندیشہ تھا - اس لئے اس نے خود ساتھ چلکر پہنچا آنے کا وعدہ کیا - تاکہ کچھ نقصان نہ پہنچ سکے - یاقوت کے اس خیال پر میں بہت ہی ممنون ہوا - اور حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ایک معمّر آدمی کا بیکسوں کے بچانے کے لئے چھ روز کی صعوبت سفر اُٹھانا کچھ کم بات نہیں ہے - بنوالجر ہزار شقی القلب اور خونخوار وحشی ہوں - لیکن ان میں بھی کوئی نہ کوئی نیک دل ضرور ہوتا ہے - بقول شخصیکہ دنیا ایسے ہی آدمیوں کے وجود سے ٹکی ہوئی ہے - بہرحال میں جب تک جیونگا اپنے منہ بولے باپ کا کبھی احسان نہ بھولونگا +

ہم نے اسی وقت جلدی جلدی میں کھانا کھایا - اور ڈولیوں میں بیٹھ کر فوراً روانہ ہوگئے - ہمارے دلی خیالات کا ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ کیا ہونگے +

پہاڑ کی چڑھائی کچھ آسان کام نہ تھی - بعض جگہ تو بالکل پہاڑی سڑک جیسی ملتی تھی - جو میرے خیال میں باشندگان کور کی بنائی ہوئی ہوگی - اور اکثر جگہ ہمیں جھاڑیوں میں سے بچ بچ کر نکلنا پڑا - چونکہ ایسے موقعوں پر ڈولیاں بیکار تھیں اس لئے ہم کو اکثر پیدل چلنا پڑا +

دوپہر کو ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے - یہ جگہ ایک حد تک بالکل مسطّح اور نہایت سرسبز تھی - عجب نہیں کہ یہ مقام کسی زمانے میں باشندگان کور کی سیرگاہ رہی ہو - یہاں عظیم الشان شہر کور کے کھنڈرات اور رضا صکر صداقت کے مندر اور بُت کا نظارہ بہت ہی دلکش تھا - اس کے اس طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی - دلدل ہی دلدل نظر آتی تھی +

یہاں کچھ آرام کیا - اور اُترائی شروع ہوگئی - گو بہ نسبت چڑھائی کے اُترنا آسان تھا - مگر پھر بھی بڑی دقتیں پیش آئیں اور شام تک ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے - رات کو وہیں آرام کیا اور صبح بھی دہی دلدل کا سفر کرنا پڑا جس کو میں پہلے بیان کرچکا ہوں +

تین دن میں یہ کٹھن راستہ بھی طے ہوا - چوتھے روز کہیں جاکر خشکی پر پہنچے

اس روز دن بھر ہم کشتی کی تلاش میں رہے۔ آخر الحمدللہ کہ ہم نے کشتی کو بالکل صحیح و سالم اُسی حالت میں پایا جس میں ہم نے چھوڑا تھا۔ رات وہیں کشتی پر گزاری اور یاقوت بھی ہمارے پاس ہی سویا اور صبح اُٹھتے ہی رُخصت ہو گیا +

یاقوت "نسناس! اے اب میں اسد سے اور تجھ سے رُخصت ہوتا ہوں۔ افسوس ہے کہ تمہیں اَور کچھ مدد نہیں دے سکتا۔ اگر تم ایک مرتبہ پھر اپنے ملک میں پہنچ جاؤ تو اس کا خیال رکھنا کہ پھر کبھی ایسے مُلک کی طرف رُخ نہ کرنا کہ جس کے حالات تمہیں معلوم نہ ہوں۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ یہ ہڈیاں سلامت نہ ملینگی۔ مجھے ہمیشہ یاد رکھنا۔ میں بھی تمہیں کبھی نہ بھولونگا" +

یاقوت سے میں نے اور امین نے مصافحہ کیا۔ وہ فوراً اپنے حمالوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ جب تک وہ ہماری نظروں سے غائب نہ ہو گئے ہم برابر ایک حسرت اور محبّت کی نگاہوں سے یاقوت کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ہم نے پھر کبھی کسی بنوالحجر کی صورت نہیں دیکھی +

تین ہفتے ہوئے کہ اس سرزمین پر چار مسافر آئے تھے۔ دو تو یہیں رہے اور مابقے دونوں نے وہ وہ باتیں دیکھیں اور وہ وہ تجربے حاصل کئے کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ تین ہفتے کچھ بہت نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر نئے نئے واقعات انسان پر نہ گزرتے رہیں تو اس کو اپنی عمر کا زمانہ بھی یاد نہ رہے۔ یہ نئے نئے واقعات بھی زمانے کا اندازہ کراتے ہیں۔ ورنہ منٹ اور گھنٹے تو لاکھوں کروڑوں گزرتے ہی ہیں اور گزرا ہی کرینگے +

میں "لو امین اب دریاے زمبسی کا رُخ کرنا چاہیئے۔ بندوقیں اَور کوئی دو سو فیر کا سامان موجود ہی ہے۔ اسی سے شکار کرو۔ اور زندگی گزارو۔ جس خدا نے ہمیں ایسے ایسے بڑے مہلکوں سے نجات دی ہے۔ وہ شاید ہمیں قاہرہ کی بھی صورت دکھلائیگا" +

ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہی بندوقیں تھیں جو ہم نے عذرا کے ساتھ جاتے ہوئے احتیاطاً ہمراہ لے لی تھیں۔ اور اب واپسی کے وقت یاقوت نے پھر

ہمارے سپرد کر دی تھیں ÷

ایبن نے وہ چُپ سادھی تھی کہ کچھ جواب نہ دیا۔ میں کشتی میں سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ ایبن بھی آ گئے۔ اور ہم نے قدیم سلطنت کور کو (شاید) ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا ÷

اس کے بعد جو کچھ واقعات ہم پر گزرے۔ گو نہایت دلچسپ ہیں مگر ان کو بالتفصیل لکھنا میرے نزدیک چنداں ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ میرا اصل منشا سرزمین کور کے حالات قلمبند کرنے کا تھا۔ جو میرے نزدیک نہایت تعجب خیز اور بےنظیر تھے۔ اور یہ بھی اس غرض سے کہ بھول جانے سے پہلے محفوظ ہو جائیں۔ ورنہ ان کو شائع کرنے کا قصد نہیں تھا ÷

باقی حالات چنداں دلچسپ نہیں ہیں۔ سلسلہ قائم رکھنے کے لئے اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم بڑے بڑے مصائب اٹھا کر دریائے زمبسی پر پہنچ گئے۔ اور وہاں ایبن کی گوری رنگت اور سنہری بالوں کی بدولت وحشی جبشیوں کے ہاتھ اس دھوکے میں گرفتار ہو گئے۔ کہ ہم کوئی آسمانی مخلوق ہیں۔ چھ مہینے میں وہاں سے چھٹکارا ہوا۔ چلے تو غلطی سے جنوب کی جانب۔ ایک جگہ غیرآباد خشکی میں پریشاں رہے۔ بھوکے مر ہی گئے ہوتے۔ اگر اتفاق سے وہاں ایک انگریز نہ مل گیا ہوتا۔ جو کسی غرض سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اس انگریز کے ہم بہت ہی مشکور ہیں کہ ہمارے ساتھ بڑی ہی عنایت سے پیش آیا۔ اور اپنے آذوقہ میں ہمارا بھی حصّہ لگا لیا۔ چونکہ وہ اس نواح میں کسی قدر تجربہ کار ہو گیا۔ اس لئے خلیج ڈیلوگا تک ہم بآسانی پہنچ گئے۔ اور وہاں سے بآسانی و آسائش تمام قاہرہ پہنچ گئے ÷

ٹھیک دو برس کے بعد میں نے پھر اپنے اُسی حُجرے میں قدم رکھا۔ جس میں رہ کر میں نے طالب علمی کی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایبن کے مرحوم والد کی صورت اور اس رات کے تمام واقعات سامنے آ گئے ÷

× × × × × × × × ×

× × × × × × × × ×

جہاں تک سائنس اور بیرونی دُنیا کو تعلق ہے یہ قصّہ ختم ہوتا ہے۔ لیکن ابھی یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ میرے اور ایین کے متعلق اس کا اختتام کہاں ہوگا۔ اتنا ہمیں ضرور یقین ہے کہ ابھی تک اختتام کی کوئی صورت نہیں ہے جو قِصّہ اب سے دو ہزار برس پیشتر شروع ہوُا۔ ممکن ہے کہ آج سے ہزاروں ہی برس بعد کہیں جا کر ختم ہوگا +

کیا واقعی ایین قرطیس ادلے ہی ہے۔ یا عذرا نے خاندانی مماثلت کی وجہ سے دھوکا کھایا ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ناظرین کو خود اپنے دل سے پوچھنا چاہیئے۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو کہ عذرا نے کوئی دھوکا نہیں کھایا +

میں اکثر رات کو تنہائی میں دل کی آنکھوں سے زمانہ آئندہ کی اندھیری یا خیالی کوٹھری کا کونہ کونہ ڈھونڈھا کرتا ہوں۔ مگر کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اس عجیب وغریب ڈرامے کا کیا انجام ہوگا۔ اور بالآخر کس مقام پر ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ ہم تک اس کا انجام نہیں ہوُا۔ بلکہ کہیں اَور اَور کسی اور ایکٹروں کے ہاتھ اس کا انجام ہونے والا ہے۔ مقدرات نہیں بدلے جا سکتے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہیگا۔ اس صورت میں دیکھیئے وہ ماہوش مصریہ شاہزادی امیزائٹس آئندہ کیا کرتی ہے۔ جس نے جوش محبت میں فرعون جیسے بادشاہ کے تخت پر لات مار کر اور اپنے مقتدا قرطیس کے مذہبی عہود ومواثیق کو توڑ وا اور مجنوں بنا کر مصر سے لے نکلی اور مدتوں افریقہ کے میدانوں میں بادیہ گردی کرکے آخر کور کے کھنڈروں میں ایسا سرگردان چھوڑا کہ قیامت تک اس کی رُوح ڈھونڈھتی رہیگی۔ غرض ؎

جنوں بگل کردن مجنوں نگہ ناکردن لیلےٰ

زہر دیوانۂ در زیر لب افسانۂ دارم

مرکنٹائل پریس لاہور میں سید ممتاز علی اینڈ سنز پبلشرز ریلوے روڈ لاہور نے باہتمام منشی الٰہی بخش پرنٹر چھپوائی